Done #

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ معاشیات

تصنیف

ڈاکٹر کیلس انگرام ایل۔ایل۔ڈی، رفیق ٹرینٹی کالج، ڈبلن،

جس میں

ولیم۔اے۔اسکاٹ، ایل۔ایل۔ڈی، پروفیسر معاشیات جامعۂ وسکانسن نے

ایک باب کا اضافہ کیا اور

جس پر

رچرڈ ٹی۔ایلی، پروفیسر معاشیات جامعۂ وسکانسن نے تمہید لکھی،

ترجمہ

مولوی رشید احمد صاحب بی۔اے، ایف۔آر۔ای۔ایس

رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ، جامعۂ عثمانیہ،

سنہ ۱۳۵۱ھ م سنہ ۱۳۴۱ف م سنہ ۱۹۳۲ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین تاریخ معاشیات

(انگریزی)

صحت نامہ

—(تاریخ معاشیات (انگرام)—

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۲ مقدمہ	۱۲	توقعات" پر	توقعات"لہ پر
۱۷	۱۳	کردے لی	کردے گی
۳۲	۲۳	یارے میں	بارے میں
۳۷	۱۶	حاصب	حاصل
"	۱۹	زرغی	زرعی
۴۵	۲۱	فرقعہ	فرقہ
۵۷	۹	ناگریز	ناگزیر
۸۰	۶	سرڈڈے نارتھ	سرڈڈلے نارتھ
۹۱	۵	تہابیت	نہایت
۹۶	۲۴	بافی	باقی
۹۷	۳	منظم	منتظم
۹۸	۱۹	آئینی	فطرآئینی
۱۱۱	۶	۷۷	۷۵
۱۲۹	۲۳	بستی	ئیستی
۱۳۱	۲۳	سنہ ۱۷۶۰۵ء	سنہ ۱۷۶۵ء
۱۳۴	۱۱	ڈیوٹ	ڈی وٹ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۳۶	۲۵	قصانیف	تصانیف
۱۴۵	۳	یہ یہ	یہ
۲۱۷	۵	معاشات	معاشیات
۲۲۱	۷	مکاطے	مکالمے
۲۲۲	۲	توابادیات	نوابادیات
"	۱۶	شدوکے ساتھ	شدومد کے ساتھ
۲۳۶	۱	تدمذ	تذبذب
۳۲۱	۱	سامئن	سائمین
۳۵۷	۲۰	اِن	اُن
۳۶۲	۱۹	سنہ ۱۳۳۲ء	سنہ ۱۸۳۳ء
۳۶۵	۷	بیروفی	بیرونی
۳۶۹	۲۴	تاریحی	تاریخی
۳۷۳	۸	ان کی وہ ایک جداگانہ تقسیم قرار دیکر	ان کی وہ جداگانہ تقسیم کرکے
۳۷۳	۹	کرتا ہے دان	کرتا ہے کہ ان
۳۷۴	۲	علم وعمل پر منحصر ہے	علم وعمل پر مشروط و منحصر ہے

اسی وضاحت کے ساتھ ظاہر کیا تھا کہ جس وضاحت کے ساتھ وہ اسکے بعد سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ مگر اس خیال ارتقا میں اضافیت کا تصور بھی مضمر ہے یعنی یہ کہ ادارات کو ان کے مقام اور زمانے کے احول کو پیش نظر رکھ کر جانچنا چاہیئے اور یہ کہ انسان کو اس وقت تک صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ اس کے وطن اور اس کے زمانے کی زندگی کے حالات سے اس کا تعلق معلوم نہ ہو۔ پس انگرم کو بحیثیت ایک آئرش باشندے کے جانچنا چاہیے جو ۱۸۲۳ء میں پیدا ہوا تھا اور معاشیات میں جس کی خاص تصنیف کا محور ۱۸۸۰ء کے کچھ آگے پیچھے ہے جسے سرسری طور سے ۱۸۷۵ء۔۱۸۸۵ء کا عشرہ سمجھنا چاہیے۔

علمائے معاشیات ڈاکٹر انگرم سے سب سے پہلے ۱۸۷۸ء میں روشناس ہوئے جبکہ اس نے "معاشیات کی موجودہ حالت اور آیندہ توقعات" پر اپنا خطبہ پڑھ کر سنایا[1]۔ یہ دراصل ایک تمہیدی خطبہ تھا جو برطانوی انجمن ترقی علوم[2] کے شعبۂ معاشیات واعداد وشمار کے جلسے میں بمقام ڈبلن پڑھا گیا تھا۔ ڈاکٹر انگرم اس وقت آئرلینڈ کی عددی و معاشری تحقیق کرنے والی انجمن[3] اور برطانوی انجمن ترقی علوم کے شعبۂ معاشیات واعداد وشمار کا صدرنشین تھا۔ انگرم نے اپنے خطبے کے ابتدائی حصے میں انگلستان کی اس زمانے کی معاشیات کی حالت پر نظر ڈالی۔ اور جہاں تک اس بیان کے عام خاکے کا تعلق ہے کوئی شخص اس کی کھینچی ہوئی تصویر کی صحت سے کامیابی کے ساتھ معارضہ نہیں کرسکتا۔ یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا کہ عامتہ الناس کے نزدیک معاشیات کی قدر و وقعت بہت ہی کم تھی۔ اور یہ امر کہ عالموں کا حلقہ بھی اس کے دائرۂ علم میں داخل ہونے کے استحقاق

---

۱) The present position and prospects of Political Economy.

۲) British Association for the Advancement of science.

۳) Statistical and Social Inquiry Society for Ireland.

کو شبہہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس واقعے سے ثابت ہے کہ برطانوی
انجمن ترقی علوم میں معاشیات کو داخل کرنے کے متعلق سخت مخالفت
ہوئی تھی۔ اسی مخالفت و معارضے نے معاشیات کے اس انجمن میں
جگہ حاصل کرنے کے استحقاق کے جواز کو جانچنے کی طرف انگرم کی
رہبری کی۔ اب سے ربع صدی پیشتر معاشیات کو عوام کا اعتماد حاصل تھا۔
اور جہاں تک اساسی معاشی اُصول کا تعلق تھا اکثروں کا خیال تھا کہ
معاشیات تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ لیکن ۱۸۷۸ء میں مزدوری پیشہ طبقے
اور اُس کے نمایندوں اور ترجمانوں کی شدید مخالفت کا اُس کو مقابل
ہونا پڑا تھا اور عالموں کی عام جماعت بھی اس کو بنظر شک و شبہہ دیکھتی تھی۔
ڈاکٹر انگرم معاشیات کی غیر اطمینان بخش حالت کی تشریح کرنے
اور اصلاحی تدابیر بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے اُستاد کونٹ کی
تقلید کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ علوم عمرانی سے معاشیات کی علحدگی
ہی معاشیات کی ظاہری ناکامی کا سبب ہے۔ اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے
کہ اس ناکامی کا صحیح علاج یہ ہے کہ معاشیات کو علوم عمرانی یا بالفاظ دیگر
عمرانیات کا محض ایک شعبہ قرار دیا جائے لیکن یہ عمرانیات جس کا معاشیات کو محض
ایک باب ہونا چاہیے ارتقائی عمرانیات ہوتی۔ سوسائٹی یا قوم کی نشو و ترقی میں
ایک منزل کے بعد دوسری منزل نمودار ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ
جو اُصول ہر ایک منزل کی مناسبت سے قائم کئے جائیں وہ دراصل سوسائٹی کی
زندگی کا آئینہ ہوں۔ معاشیات میں "مطلقیت" یا "قطعیت" کا عنصر بہت زیادہ بلکہ
حد سے زیادہ تھا۔ چنانچہ انگلستان میں علمائے معاشیات نے جو معاشی اُصول قائم
کئے تھے اُن کے متعلق خود اُن کا یا اُن کے پیرووں کا یہ خیال تھا کہ یہ
اُصول تمام ممالک اور تمام زمانوں پر یکساں طور سے منطبق کئے جاسکتے تھے۔
عام اور مسلمہ خیالات کے مطابق تجارت آزاد کا اُصول صحیح تھا۔ اور
اُس کے مقابلے میں تجارت مامون کا طریق ناقص تھا۔ اس کے برعکس
تاریخی مسلک کے نقطۂ نظر کے مطابق یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ ان دونوں

اصول میں سے کونسا صحیح اور کونسا غلط تھا۔ صحیح اصول عمل وہی ہو سکتا تھا جو کسی خاص ملک کے حالات اور اُس کے ارتقا کی خاص منزل کی مناسبت سے ترتیب دیا جاتا۔ اور یہ محض مشتے نمونہ از خروارے متعدد مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔

معاشیات کے متعلق انگرم کا جو عام نقطۂ نظر تھا اسی کا یہ ضروری نتیجہ تھا کہ وہ معاشیات کی بہت زیادہ تجریدی اور استخراجی نوعیت کو علم کے ناقص ہونے کا ایک سبب قرار دیتا تھا۔ اگرچہ وہ طریق استخراج کے استعمال کا مخالف نہ تھا مگر اُس کی دانست میں معاشی دُنیا کو سمجھنے کے لئے بقول رچرڈ جونس "مشاہدہ و مطالعہ کرنا" ضروری ہے۔ یعنی یہ اشد ضروری ہے کہ زمانۂ حال و گزشتہ کے واقعات کا مطالعہ کیا جائے۔ اور بمقابلہ استخراجی طریق کے طریق استقرا کو زیادہ ترجیح دی جائے۔

انگرم نے معاشیات کو جس طرح کہ وہ اُس زمانے میں پیش کی گئی تھی ایک حد تک خشک اور غیر دلچسپ پایا۔ گو یہ معاشیات کے طریق تحقیق ہی کا لازمی نتیجہ تھا۔ چونکہ معاشیئین حقیقی حالات سے دور جا پڑے تھے انھوں نے عوام کی ہمدردی کھودی اور اُن کے خیالات عوام کے مقاصد و اغراض کے مخالف تصوّر کئے جانے لگے۔

سنہ ۱۹۱۵ء کے کم عمر معاشیئین کے لئے سنہ ۱۸۷۸ء کے حقیقی حالات کا سمجھنا دقّت طلب ہے۔ لیکن جب تک ان حالات کا علم نہ ہو انگرم کے اعلیٰ خدمات کی قدر و وقعت کا جاننا مشکل ہے۔ امریکہ میں اُس وقت تک معاشی خیال کی تحریک جدید شروع نہ ہوئی تھی۔ مگر انگلستان میں انگرم اور اُس کا رفیق کار کلف لزلی اس تحریک کی روح رواں و رہبر بنے ہوئے تھے۔ لزلی آئرلینڈ ہی میں، انگرم سے چار سال بعد پیدا ہوا اور انگرم کی طرح چرچ آف انگلینڈ کے ایک پادری کا بیٹا تھا۔ یہ تحریک، جو اُس وقت تاریخی مسلک سے (جیسا کہ اُس زمانے میں اُس کو اس نام سے موسوم کیا جاتا تھا) قریبی تعلق رکھتی تھی، امریکہ میں انگلستان سے

پانچ سال بعد اُس وقت ظاہر ہوئی جبکہ متعدد امریکن نوجوان طلبہ جرمنی سے فارغ التحصیل ہوکر اپنے وطن کو واپس آئے اور انھیں کے مماثل خیالات کی اشاعت و تبلیغ شروع کردی۔ انگلستان میں جو حالت موجود تھی اس قسم کی حالت امریکہ میں بھی نمودار ہوئی انیسویں صدی کے آٹھویں عشرے کے اوائل میں امریکہ کے میعادی رسالوں کے بحث مباحثوں پر نظر ڈالو تو عجیب وغریب عالم نظر آتا ہے۔ جو عالمان معاشیات انگرم سے عمر میں بیس پچیس سال چھوٹے تھے اُن کا خیال تھا کہ معاشیات، جیساکہ اُس وقت اُس کے سربرآوردہ علما اُس کو پیش کرتے تھے، علمی اور انسانی دونوں قسم کی ترقیوں سے تخالف رکھتی تھی۔ اب یہ امر صاف طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آدم اسمتھ اور ریکارڈو جیسے جلیل القدر اساتذہ کے پیش کردہ اُصول ترقی میں اس قدر مزاحم نہ تھے جس قدر کہ وہ چیز جس کو ہم بنظر سہولت "اسمتھ پرستی" اور "ریکاڈو پرستی" کہہ سکتے ہیں، اگرچہ یہ کوئی عمدہ اصطلاح نہیں ہے۔ بعد کے زمانے میں چھوٹے درجے کے مصنّفین نے ان جلیل القدر اساتذہ کی طرف چند دقیق مسائل اور تعلیمات منسوب کرکے اُن کے نظریات سے بے تکے نتائج اخذ کیے۔ علمی اعتبار سے سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ بقول نِج ہیٹ ایک قسم کا زنگ پیدا ہوگیا تھا جو معاشیات کی کل کو آگے بڑھانے کی راہ میں حائل و مزاحم تھا۔

راقم الحروف اُنھیں نوجوان معاشیئین کے زمرے میں تھا جو عمر میں انگرم سے بیس پچیس سال چھوٹے تھے اور جو اُس وقت جبکہ انگرم نے اپنا صدارتی خطبہ ۱۸۷۸ء میں پڑھا، جرمنی میں تحصیل علم کررہا تھا۔ جرمنی میں اُسکے خطبے کا جو اثر ہوا تھا وہ راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے۔ امریکہ میں بھی اسی قسم کا اثر چند سال بعد ظاہر ہوا اگرچہ یہاں خطبے کے مخالفین کی تعداد بہ نسبت جرمنی کے بہت زیادہ تھی۔ یہ خیال کیا جاتا تھا

کہ اس خطبے سے ایک حقیقی ترقی پذیر تحریک کی ابتدا ہوتی تھی۔ اور جرمنی اور دوسرے ممالک میں جو کام ہو رہا تھا اس خطبے میں اُسکا بہت زیادہ گرمجوشی اور انصاف کے ساتھ اعتراف کیا گیا تھا۔ جامعۂ ہالے کے پروفیسر جے کانراڈ نے، جس کے امریکن طلبہ کی تعداد بہ نسبت جرمنی کے کسی دوسرے پروفیسر کے بہت زیادہ تھی، اس خطبے کا ترجمہ کرانے کا مشورہ دیا۔ ڈبلن کے خطبے کا ترجمہ ڈاکٹر وان شیل کی تمہید کے ساتھ ۱۸۷۹ء میں شائع ہوا۔ اسی سال کوپن ہیگن میں بھی ڈینش زبان میں اس کا ترجمہ شائع ہوا۔

اس کے بعد اُس خطبے کی طرف توجہ کرنی چاہئے جو انگرم نے ستمبر ۱۸۸۰ء میں ڈبلن کی انجمن اتحاد تجارت[1] کے سامنے پڑھا۔ اس خطبے کا عنوان "کام اور مزدور"[2] تھا۔ ڈاکٹر انگرم کی تحریرات کے متعلق ایک تفصیلی یادداشت میں، جس کو ڈبلن کے قومی کتاب خانے کے مہتمم ٹی۔ ڈبلیو لسٹر نے آئرلینڈ کی ادبی انجمن[3] کے لئے مرتب کیا تھا اور جو اُس انجمن کے رسالے میں شائع ہوئی تھی، اُس خطبے کے متعلق حسب ذیل مختصر تبصرہ ہے:۔

"محنت کا حقیقی انسانی تصور قائم کرنے کی استدعا"

محنت کوئی آزاد اور مطلق شے نہیں ہے جو مزدور کی شخصیت سے علحدہ کی جا سکے، محنت غلہ یا روئی کی مانند کوئی جنس نہیں ہے۔ انسانی عامل، اُس کی انسانی ضرورتوں، انسانی فطرت اور جذبات و احساسات، ان سب کو ملحوظ و پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اس قضیے سے ڈاکٹر انگرم نے

---

[1] Indian Trade Union Congress.

[2] Work and the Workman.

[3] Literary Association of Ireland.

متعدد نتائج کا استخراج کیا ہے: (۱) مزدور کو کافی اجرت ملنی چاہیئے۔ (۲) اُس کی گھریلو زندگی منتظم اور امن چین کی ہونی چاہیئے۔ اور فرصت کا کافی وقت ملنا چاہیئے۔ (۳) اُس کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ انتظام ہونا چاہیئے۔ اور وہ آخر میں اس طرح مختصر و جامع بیان تحریر کرتا ہے:۔ جو چیز مزدور کے لئے ضروری و اہم ہے وہ یہ نہیں ہے کہ اُس کی برادری میں سے چند لوگ بہ نسبت دوسروں کے سربرآوردہ حالت پہ پہنچ جائیں۔ اس سے تو بعض اوقات بحیثیت مجموعی پوری جماعت کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ جماعت کے زیادہ مستعد اور چالاک افراد اُس سے چھن جاتے ہیں۔ جماعت کا حقیقی فائدہ اُس وقت ہوگا جبکہ پوری جماعت کی مادی خوش حالی اور بہبود میں اضافہ ہو اور اس سے زیادہ وہ عقلی اور اخلاقی تعلیم میں ترقی کریں۔"

انگرم نے تاریخ معاشیات پر جو مضمون لکھا تھا وہ انسائکلوپیڈیا برٹانیکا[۱] کی نویں اشاعت میں ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا۔ اور ۱۸۸۸ء میں نظرثانی کے بعد کتاب کی شکل میں علیحدہ شائع ہوا۔ لیکن کتاب کی شکل میں شائع ہونے سے قبل ہی جامعۂ ہارورڈ کے پروفیسر ٹاسگ[۲] کے مشورے سے ان سائکلوپیڈیا والا مضمون طلبہ کے استعمال و استفادے کے لئے امریکہ میں علیحدہ شائع ہو چکا تھا۔ یہ کتاب موجودہ زمانے کی متعدد یورپی زبانوں میں نیز جاپانی زبان میں بھی ترجمہ ہوئی۔ ڈاکٹر انگرم کا اثر اُس وقت بہت عام اور وسیع ہو گیا تھا خواہ معترضین کا کچھ بھی خیال ہو یہ ظاہر ہے کہ انگرم نے دُنیا کو ایک نیا پیغام پہنچایا۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اس چیز کو، جس کو کسی قدر مبالغے کے ساتھ "معاشیات جدید" کہا جاتا تھا، جو قوتیں اُبھار رہی تھیں

---

[۱] Encyclopaedia Brittanica.

[۲] Proffessor Taussig

انھیں قوتوں میں سے ایک انگرم بھی تھا۔ ہم کمسن معاشئین کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ گویا ہمارے ہی ساتھ کام کر رہا ہے۔ اُس نے ایسی قوتوں کو حرکت میں لانے میں مدد دی جو ۱۸۸۵ء میں امریکہ کی انجمن معاشیات[1] کے قیام کی صورت میں منتج ہوئے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے معاشی خیال کی تاریخ کا یہ ایک نہایت اہم واقعہ تھا۔ انگرم اس قدر مُسن ہو چکا تھا کہ اس انجمن کے بوڑھے بانیوں سے بھی وہ عمر میں بہت بڑا تھا۔ لیکن ہم محسوس کرتے تھے کہ بلحاظ جوش وخروش وہ ہمارا ہمسن اور ہماری طرح نوجوان تھا۔ یہ انجمن چار دانگ عالم کی توجہ کی جالب بن گئی اور اس نے دوسرے ممالک میں بھی اسی قسم کی انجمنیں قائم کرنے کی جانب رہبری کی چنانچہ برطانیہ کی انجمن علم المعیشت[2] کا قیام جو پانچ سال بعد میں عمل میں آیا ایک حد تک اسی کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ امریکہ کی انجمن معاشیات نے انگرم کے خدمات کا متناسب طریقے سے اعتراف کیا اور اُس کو ۱۸۹۱ء میں اپنا اعزازی رکن مقرر کیا۔ تمہید نگار اُس وقت امریکہ کی انجمن معاشیات کا معتمد تھا اور وہ جانتا ہے کہ جب انگرم کو اُس کی اس عزت افزائی کی خبر ملی تو وہ سن کر کس درجہ مسرور ہوا۔ اس میں کلام نہیں کہ بحر اطلانٹک کے اُس پار والے ہم چشم علمائے معاشیات نے جو حوصلہ افزائی کی ڈاکٹر انگرم نے اُس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

اس مختصر سے تبصرے میں بھی یہ بتلانا ضروری ہے کہ انگرم نے انسائکلوپیڈیا کے نویں ایڈیشن کے لئے معاشی مباحث پر اور معاشئین پر متعدد مضامین لکھے۔ ان میں سب سے اہم

---

[1] American Economic Association.

[2] British Economic Association.

اور مشہور مضمون "غلامی" پر ہے جو نظر ثانی کے بعد اور کسی قدر اضافے کے ساتھ بعنوان "غلامی اور سرفیت کی تاریخ"^1 شائع ہوا۔

ڈاکٹر انگرم کی زندگی کے تفصیلی حالات کے بیان کرنے کا یہ کوئی موقع نہیں۔ تمہید نگار کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس تصنیف کے جلیل القدر مصنف کے خدمات کے متعلق محض چند باتیں بیان کرے۔ ایک عالم معاشیات کی حیثیت سے انگرم نے جو کتابیں تصنیف کیں صرف اُن کی قدر و وقعت معلوم کرنے کے لئے یہ چند تمہیدی ریمارک ضروری معلوم ہوئے۔ انگرم نے علم معاشیات کے دائرے کو وسیع کر دیا۔ چنانچہ معاشیات کی عام وسعت کے متعلق ہم خواہ کچھ کہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ انگلستان اور امریکہ اور دوسرے مقامات میں معاشیات کی وسعت میں بڑی حد تک اضافہ ہوگیا ہے۔ معاشی تحقیق کے جو حدود پہلے قائم کئے گئے تھے ہم میں سے اکثر مصنفین کی دانست میں وہ غیر فطری حدود تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ حدود بظاہر ہم کو ٹھیک اسی مقام پر روک دیتے تھے جہاں سے ہماری تحقیقات حقیقت میں نتیجہ خیز اور بار آور ہونا شروع ہوتی تھی۔ جس وقت ہم نے مسئلۂ محنت، اصلاح مکانات اور ترقی یافتہ معاشی حالات کا مطالعہ شروع کیا تو ہم پر ہمیشہ یہ الزام قائم کیا گیا کہ ہم معاشیات کے حدود سے تجاوز کر رہے ہیں، لیکن ہم موجودہ زمانے میں ان مصنوعی حدود کے بغیر جو پہلے ہماری راہ میں مزاحم معلوم ہوتے تھے آزادی کے ساتھ تحقیقات کا کام کر سکتے ہیں اور اس کے لئے ہم بڑی حد تک ڈاکٹر انگرم کے رہین منت ہیں، اس لئے کہ انگرم نے معاشیات کے دائرے کو وسیع کرنے میں رہبری اور پیشوائی کی۔

^1 The History of Slavery and Serfdom

معاشی تحقیق کی حقیقی وسعت کے بارے میں موجودہ علمائے معاشیات کے جو خیالات ہیں اُن کا بیان کرنا سردست غیر ضروری ہے اس لئے کہ وہ ہمارے موضوع سے متجاوز ہو جاتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاشیات کو عام طور سے علم عمرانی تسلیم کر لیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جدید علمائے معاشیات نے ڈاکٹر انگرم کے اس مشورے پر عمل نہیں کیا ہے کہ معاشیات کو عمرانیات کی صف ایک شاخ قرار دینی چاہیے۔ ترقی کرنے والی جماعت کا رجحان بھی بحالت موجودہ یہ ہے کہ عمرانیات کو معاشیات سے علٰحدہ قرار دیا جائے تاکہ ہر علم کا اُس کا اپنا جداگانہ تحقیق کا میدان ہو۔ مگر اسی کے ساتھ معاشی تحقیقات کا دائرہ عمرانی میلان کی بنا پر بہت وسیع ہو گیا ہے۔ معاشیات، اخلاقیات اور دیگر عمرانی علوم سے جو علاقہ رکھتی ہے اُس کو تسلیم تو کر لیا گیا ہے مگر معاشیات کی تحقیق کا میدان جداگانہ قرار دیا گیا ہے۔ اس مقام پر ہم کو آدم اسمتھ کا قول یاد آتا ہے کہ:۔ "اگر شاخ ایک ہی طرف کو جھک پڑے تو اُس کو سیدھا کرنے کے لئے دوسری طرف بھی اسکو اسی قدر جھکانا ضروری ہے"۔

انگرم اُس گروہ کا سردار تھا جس نے معاشیات میں انسانیت کا عنصر داخل کیا۔ اس موقع پر یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اس عنصر کو داخل کرنے میں کس شخص نے کتنا حصہ لیا۔ لیکن امریکہ اور انگلستان کی حد تک انگرم ہی نے بڑی حد تک اس کام کو انجام دیا اور نہایت دلیری اور مردانگی کے ساتھ انجام دیا۔ انگرم کو جو کامیابی حاصل ہوئی اُس کا ثبوت مارشل کے "اصول" کی پہلی کتاب باب یکم سے بہم پہنچتا ہے جس میں معاشیات کی بایں الفاظ تعریف کی گئی ہے کہ وہ دولت کا مطالعہ اور انسان کے مطالعے کا ایک شعبہ ہے اور جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "یہ سوال کہ آیا افلاس ضروری ہے معاشیات کی دلچسپی میں عظیم ترین اضافہ کرتا ہے"۔

انگرم آئرلینڈ کی انجمن معاشری و عددی تحقیق[1] کے بانیوں میں سے

[1] Statistical and Social Enquiry Society.

ایک نقاد اس حیثیت سے اُس کی خواہش تھی کہ معاشری اصلاح کو ترقی دینے کے لئے اعداد و شمار کے استعمال کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ عددی تحقیق کی دلچسپی کو بڑھانے میں اور انگلستان اور امریکہ میں اعداد و شمار کے مطالعے کو ترقی دینے میں جو حقیقی خدمت انجام دی گئی وہ انگرم کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے۔ جو لوگ معاشی تاریخ کے میدان میں تنگ وود کرنے کا میلان رکھتے تھے اُن پر بھی انگرم کا ایسا اثر پڑا جو اُن کے حوصلوں کو بڑھاتا تھا۔ گزشتہ نسل میں انگلستان و امریکہ کے اکثر قابل علمائے معاشیات کی توجہ معاشی تاریخ کی طرف منعطف ہوئی اور ڈاکٹر انگرم نے اُن کے لئے ایک موافق معاشری ماحول پیدا کرنے میں بڑی مدد دی۔

انگرم کا مبلغ علم بہت وسیع تھا اور اُس نے تصنیف و تالیف کے متعدد و مختلف شعبوں میں مسلمہ حیثیت اور مرتبہ حاصل کیا۔ وہ ایک قابل ریاضی داں اور اعلیٰ درجے کا ماہر لسانیات تھا۔ اُس نے شکسپیر اور ٹینی سن پر شرحیں لکھیں اور خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھا اور اُس نے متعدد نظمیں لکھیں جو سخن شناسوں کے نزدیک قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ اُس نے لسانیات پر بھی متعدد مضامین تحریر کئے اور ۱۸۶۶ء میں جامعۂ ڈبلن میں یونانی زبان کا معلم اوّل مقرر ہوا۔ جن مختلف عہدوں پر وہ وقتاً فوقتاً مامور ہوتا رہا اور مختلف علوم و فنون میں اُس نے جو جو کتابیں لکھیں اُن کی تفصیل سے ہماری تمہید نامناسب طوالت اختیار کر لے گی۔ اُس کی وفات پر اُس کے اکثر رفقائے کار نے کہا کہ وہ غالباً دنیا کا سب سے بڑا اور جید عالم تھا۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگرم جدید طرز کا ماہر خصوصی نہ تھا بلکہ قدیم طرز کا علامہ تھا۔ اگرچہ "تاریخ معاشیات" اُس کی سب سے مشہور اور سب سے اہم تصنیف ہے اس کے علاوہ بھی اُس نے معاشیات نیز دوسرے مضامین پر کئی کتابیں تحریر کیں۔ لیکن محض

معاشیات ہی اُس کی ذہنی دل چسپی کا مرکز نہ تھی بلکہ مذہب سے بھی وہ شغف رکھتا تھا۔ وہ مذہب انسانیت کا، جس کی کونت نے بنیاد ڈالی تھی اور جس کو ایجاشین نے نشو ونما دے کر مدون کیا تھا، زبردست پیرو تھا۔ یہاں کسی قسم کا مذہبی بحث مباحثہ بے موقع سا ہوگا۔ لیکن اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ علمائے معاشیات کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ ڈاکٹر انگرم کے مذہب انسانیت میں اس دل چسپی کا اُس کی معاشی تصانیف پر بُرا اثر پڑا۔ بجائے اس کے کہ وہ کونت کی عمرانیات کو مبادی علم شمار کرتا جہاں سے آزادانہ نشو و ترقی کا آغاز کیا جاتا اسی کو اُس نے اپنا نصب العین قرار دے دیا۔ اس طرح پر بحیثیت مجموعی کونت کی تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ انگرم کا معاشی فلسفہ محدود سا ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ اس امر پر عام طور پر اتفاق کیا جائے گا کہ انگرم پر کونت کا جو اثر پڑا وہ علمی اعتبار سے اچھا نہ تھا۔

بہر حال نوع انسانی کے لئے انگرم کا جوش و خروش اُس کی زندگی کا ولولہ انگیز محرک تھا۔ وہ عام مرفہ الحالی کا ولولہ رکھتا تھا۔ اگرچہ اُس کے ملنے جلنے والوں کو وہ کسی قدر کج خلق اور بے مروت سا معلوم ہوتا تھا مگر ہم جانتے ہیں کہ اُس کے اعزہ و اقربا سے اُس کو کس قدر گہری محبت تھی اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ اپنے لواحقین سے گزر کر اپنے ہم وطنوں اور نوع انسانی سے کس درجہ اُنس رکھتا تھا۔ وہ ایک جید عالم اور بلند پایہ فلسفی تھا اور اس امر سے بخوبی آگاہ تھا کہ انسانی خوش حالی کے لئے مذہب ایک ناگزیر شرط ہے۔ مگر دُنیا کے روایاتی مذاہب سے اُس کی تشنگی رفع نہ ہوئی۔ چنانچہ اُس نے کونت کے مذہب انسانیت کو شوق سے اور بصدق دل قبول کر لیا۔ اس لئے کہ اُس کی دانست میں اُس میں وہ چیز موجود تھی جو اُس کے نام سے عیاں تھی۔ وہ اس مذہب کے فلسفے پر فریفتہ تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس میں دلوں کو مسخر کرنے والی قوت موجود ہے۔ جن انجمنوں میں اُس نے کام کیا اور

جن کا اس کی ذات سے ذرا بھی تعلق تھا اُن میں اس کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش رفاہ عام کے لئے ہی تھی۔ وہ اس علم کو فی نفسہٖ منزل مقصود نہیں سمجھتا تھا بلکہ انسانی مرفہ الحالی میں اضافہ کرنے کا محض ایک وسیلہ خیال کرتا تھا۔

ڈاکٹر انگرم کی زندگی کے حالات اور اُس کے عادات وخصائل اس قسم کے تھے کہ وہ کسی مذہب یا مسلک کا سرگروہ یا سردار نہیں بن سکتا تھا۔ معاشیات کے پیشہ ور عالموں اور ماہروں کی تعداد انگلستان میں کم ہے اور انگرم کے زمانے میں تو اور بھی کم تھی۔ اُس کی عمر نے اُس کو اتنا موقع نہ دیا کہ وہ بعد کی نسل کے نوجوان مصنفین معاشیات کے ساتھ جن سے اُس کو یقیناً ہمدردی ہوتی مل جل کر کام کر سکتا۔ اس کے علاوہ وہ ایک گوشہ نشین اور عزلت گزیں شخص تھا اور اپنی شخصیت منوانے کی قابلیت جو عام طور پر سرداروں میں پائی جاتی ہے اپنے میں نہ رکھتا تھا۔ اگر اُس کا تعلق کسی جدید جامعے سے ہوتا جہاں نوجوان تشنگان علم کی ایک جماعت اُس کی رفیق کار ہوتی تو اُس کا کام مزید ترقی کر سکتا تھا اور اُس کو مزید شہرت حاصل ہو جاتی۔ پھر بھی اس میں کلام ہو سکتا ہے کہ آیا وہ موجودہ کام سے زیادہ کام انجام دیتا۔ اُس کے اثر کو کسی طرح کم وسیع نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ بہت دور تک پھیلا ہوا ہے اور بالعموم نظر سے تقریباً پوشیدہ ہے۔ انگرم نے معاشی خیال اور انسانی ترقی کی عام رَو میں کافی اضافہ کیا۔ اور بلاشبہہ یہی وہ شے ہے جس کو وہ اپنے لئے پسند کرتا۔

اس کا اندازہ قائم کرنا کہ انگرم کا آخری رتبہ کیا ہے ابھی بہت زیادہ قبل از وقت ہوگا۔ البتہ جدید معاشی خیال کی تاریخ میں اُس کو بڑا رتبہ حاصل ہے' اس میں کچھ کلام نہیں ہو سکتا۔ معاشیات جدید اُس کی بے انتہا ممنون احسان ہے۔ یہ ممکن ہے کہ انگلستان کے اکثر علمائے معاشیات کو وہ غدار سرکش کی طرح معلوم ہوتا ہو۔ چنانچہ

ایسے اشخاص تھے اور غالباً اس وقت بھی ہیں جو یہ خیال کرسکتے ہیں کہ اُس نے انگلستان کے علمائے معاشیات پر بہت زیادہ سختی کے ساتھ حملے کئے۔ ممکن ہے کہ وہ بعض سمتوں میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا ہو۔ لیکن وہ ایک کشمکش میں مبتلا تھا اور اُن لوگوں کو جو اس کشمکش پر ایک فاصلے سے اور مدت دراز کے بعد نظر ڈالتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کشمکش نہایت ضروری تھی۔ اُس نے معاشیات کو اس طرح سے بھی آگے بڑھانے میں مدد دی کہ انگلستان کے معاشی خیال کو تنگ و محدود دائرے سے باہر نکال دیا۔ موجودہ زمانے میں دنیا کے علمائے معاشیات پہلے سے بہت زیادہ تعاون و یک جہتی کے ساتھ اپنے کام میں منہمک ہیں اور اُن لوگوں کی صف میں جنھوں نے اس عالمگیر تعاون و اتحادِ عمل میں مدد دی انگرم کوئی حقیر درجہ نہیں رکھتا۔

غالباً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انگرم نے "اسمتھ پرستی" اور "ریکارڈو پرستی" اور خاصکر موخر الذکر پر اعتراضات کر کر کے دُنیا کے سامنے حقیقی آدم اسمتھ اور حقیقی ریکارڈو کو پیش کرنے میں مدد دی۔ چنانچہ علمائے معاشیات اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ ان جلیل القدر مصنفوں کو اُن افسانوں سے علیحدہ رکھیں جو اُن کے نام کے ساتھ منسوب کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی ریکارڈو کے متعلقہ افسانوں کا اثر اس وقت بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے جو اصلاح کی راہ میں حقیقی رکاوٹ ہے۔ اس کی ایک عجیب و غریب مثال ۱۹۱۳ء میں ملتی ہے جبکہ بیت العوام انگلستان کی ذیلی کمیٹی کے روبرو چلٹن ہم گلوسس ٹرشائر کے متصل مقام ایلمسٹون ہارڈوک کی بے باڑ کی قابل کاشت زمینوں کی احاطہ بندی کے متعلق احکام جاری کرنے کا مسئلہ زیرِ غور و بحث تھا۔ احاطہ بندی کے لئے بہت اطمینان بخش انتظامات کئے گئے تھے اور ہر کاشتکار متعلقہ حد بندی کرانے کے لئے بےچین تھا۔ راقم الحروف بھی زبانی گفتگو کی بنا پر جانتا ہے کہ کاشتکاروں میں اس بارے میں

کسی قسم کا اختلاف آراء نہ تھا۔ حالات اس قسم کے تھے کہ جن سے کھیتی باڑی کرنے والوں کے حوصلے پست ہو رہے تھے چنانچہ ہر کاشتکار یہ سمجھتا تھا کہ احاطہ بندی کرنے سے اُس کا فائدہ ہوگا۔ یہ بھی کمیٹی میں "ریکارڈو پرستی" نمودار ہوئی اور احاطہ بندی میں مزاحم ہوئی۔ بار بار سوال کیا جاتا تھا کہ "کیا احاطہ بندی، زمینوں کی قدر و قیمت میں اور نتیجۃً لگان میں جو کاشتکار ادا کرے گا اضافہ نہ کردے گی"؟ خیال یہ تھا کہ اگر معاشی لگان میں اضافہ ہوا تو احاطہ بندی سے زمیندار کا نفع ہوگا اور کاشتکار خسارہ اُٹھائے گا حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ گو کہ معاشی لگان میں اضافہ ہوتا لیکن کاشتکاروں کے لگان میں اس مناسبت سے اضافہ نہ کیا جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ انگلستان کے حقیقی حالات کے تحت یہ خیال کرنے کے کافی وجوہ تھے کہ سب سے پہلے کاشتکاروں کو نہ کہ زمینداروں کو زرعی حالت کی اصلاح سے، جو احاطہ بندی کا نتیجہ ہوتی، فائدہ حاصل ہوتا۔ اب اس معاملے میں ریکارڈو کی تعلیم کے خلاف کوئی چیز نہیں ہے۔ لیکن بعض قوی اور اثرات جن پر ریکارڈو نے غور نہیں کیا تھا وہ کمیٹی کی تحقیقات میں بھی نظر انداز کردئے گئے تھے۔ انگرم نے انگلستان اور دوسرے ممالک میں جدید معاشیات کو زیادہ مبنی بر حقیقت بنانے میں مدد دی۔ اگرچہ ریکارڈو کی طرف منسوب کردہ افسانے اب اس قدر شدید خرابیاں نہیں پیدا کر رہے ہیں جس قدر کہ ۱۸۷۸ء میں وہ پیدا کر رہے تھے جبکہ انگرم نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا تھا۔ پھر بھی اُن کا اثر اب بھی کہیں کہیں باقی ہے۔

اُسی سلسلے میں انگرم نے "معاشیات کے مسلک جدید" کے جو خصوصیات پیش کئے ہیں اُن کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ان خصوصیات کو چار حصوں میں تقسیم کرکے اُس نے بحث کی ہے:-

(الف) علوم کے عام نظام میں معاشیات کے رتبے کا

جہاں تک تعلق ہے یہ مسلک قرار دیتا ہے کہ مطالعۂ دولت کو بہ استثنائے چند عارضی صورتوں کے دوسرے معاشری مظاہر سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے تعلقات اور باہمی عمل و اثر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ سچ پوچھو تو حقیقت میں معاشیات، وسیع علم عمرانیات کا محض ایک باب ہے اور اسباب کا دوسرے بابوں سے قریبی علاقہ رکھنا ضروری ہے۔"

(ب) یہ مسلک بتاتا ہے کہ معاشیات کا، عمرانیات کی طرح، بقول کونت صرف سکونی رہنما ہی ضروری نہیں ہے بلکہ حرکی رہنما بھی ضروری ہے۔ معاشیات میں قوم کی ایک معین اور مستقل حالت فرض نہ کر لینی چاہیئے۔ اور یہ فرض نہ کرنا چاہیئے کہ معاشیات توریث و تسلسل کے قوانین کو نظر انداز کرتی ہے اور محض ہمعصری کے قوانین سے بحث کرتی ہے۔ یہ امر اب عام طور سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ قومیں نشو و ارتقا کے عمل کے تابع ہیں اور یہ نشو و ارتقا بے قاعدگی اور بے ترتیبی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ باقاعدہ طور پر عمل میں آتا ہے اور یہ کہ کوئی معاشری واقعہ اس کی تاریخ کے مطالعے سے الگ کر کے اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اسی لئے قدیم مسلک کے علما کے مقبول "خود ساختہ اُصول و ضوابط"، جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ تمام حالات پر صادق آتے ہیں اور تمام سوالات انھیں سے حل ہو سکتے ہیں، اس وقت اتنی قدر و قعت نہیں رکھتے جتنی کہ پیشتر کسی زمانے میں اُن کو حاصل تھی۔ چنانچہ معاشیات اپنے طریق کے اعتبار سے "تاریخی" بن گئی ہے۔ اور یہ خیال کیا جانے لگا ہے کہ معاشری ارتقا کے مختلف منازل مختلف خصوصیتیں رکھتے ہیں اور انھیں مختلف منازل اور خصوصیتوں کے لحاظ سے معاشرت کی اصلاح کے وقتاً فوقتاً جداگانہ طریقے اختیار کرنے ضروری ہیں۔"

"(ج) اگرچہ معاشیات میں، دوسرے عمرانی مباحث کے مثل طریق استخراج کو جو حقیقی اور قابل لحاظ مرتبہ حاصل ہے، اُس کو مسلک جدید تسلیم کرتا ہے مگر استقرائی طریق تحقیق کو غالب رکھنا ضروری سمجھتا ہے بجائے ایک مجرد "معاشی انسان" کو فرض کرنے کے، قوم کے تمام معاشی مظاہر میں اُس انسان کو چند اصول عمل کا پابند بنانے کے اور اُس کے چند اصول عمل سے نتائج کا استخراج کرنے کے ہم کو چاہیے کہ معاشری واقعات کی تحقیق کریں جیسا کہ دوسرے ایجابی علوم میں ہوتا ہے۔ اور جب یہ تحقیق ختم ہولے تو پھر یہ پتا چلانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ خارجی عالم کے نظام سے، انسانی فطرت سے اور قوم کے معاصر حالات سے ان واقعات کا کیا تعلق ہے۔ اور تحقیق کا سب سے قیمتی آلہ استقرا کی وہ خاص شکل ہونی چاہیے جس کو "مقابلہ" کہا جاتا ہے اور جو "تاریخی ربط و تسلسل" کی تحقیق کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے"۔

"(د) ان ذہنی تحریکات کے ساتھ نئے نئے اخلاقی اور جذباتی رجحانات متحد و مربوط ہو گئے ہیں۔ فرانس کے مسلک جدید کے سب سے قابل نمایندے جیند کا قول ہے کہ اب حالات بہت کچھ تحلیل ہو گئے ہیں اور سختی کی بجائے لچک پیدا ہو گئی ہے۔ قدیمی پھیکا پن اور خشکی، جس کی بنا پر بہترین دل و دماغ معاشیات کے مطالعے سے متنفر تھے اور اسی وجہ سے معاشیات کو "تاریک اور غیر دلچسپ علم" کا لقب ملا تھا، اب معدوم ہو چکی ہے۔ اس کی بجائے انسانی ہمدردی کا رنگ اور فرحت افزا جذبات ہمارے علم کی تہ میں نظر آنے لگے ہیں۔ خاصکر ادنیٰ طبقوں کا اور مزدوروں کی موجودہ اور مستقبل حالت کا مسئلہ قوم کے جذبات اور ذہنوں پر چھایا ہوا ہے۔ اور گزشتہ زمانے کی نسبت اس وقت زیادہ ہمدردانہ رنگ میں اور زیادہ مستعدی کے ساتھ ان مسائل کی تحقیق کی جاتی ہے"۔[۱]

[۱] دیکھو انگرم کی تمہید "مقدمہ معاشیات" از آر۔ ٹی۔ ایلی ہر۔ صفحہ ۴ تا ۶۔

یہ امید کی جاتی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ انگرم کی "تاریخ فلسفۂ معاشیات" کا موجودہ نظر ثانی کردہ ایڈیشن، جس میں پروفیسر ولیم - اے - اسکاٹ نے ایک زائد باب کا اضافہ کر کے علم کی حال کی ترقیوں کا بھی ذکر کر دیا ہے، اس سے انگرم کا عظیم الشان کام جاری رہے گا اور اس میں اضافہ ہو جائے گا۔

یہ اشاعت ہمارے اس ممنونیت کے احساس کی تجدید کرتی ہے جو ہم اُس قائد کے متعلق، جس نے کامیاب جنگ کی رکھتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے طلبہ کی آئندہ نسلیں مفید معلومات حاصل کریں گی اور اُن کی طبیعت میں جولانی پیدا ہوگی۔

رچرڈ-ٹی-ایلی

جامعۂ وس سکانسن میڈیسن
جولائی ۱۹۱۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ معاشیات

پہلا باب

تمہید

(۱) تاریخ معاشیات کی اہمیت۔ (۲) نظری معاشیات اور معاشی واقعات کی تاریخ کا باہمی فرق و تعلق (۳) عمرانیات اور دیگر علوم سے معاشیات کا تعلق۔ (۴) تاریخ معاشیات کی سنوی تقسیم و ترتیب (۵) معاشیات میں طبیعی و عمرانی طریق تحقیق کا استعمال۔ 1

علم المعیشت کی موجودہ حالت میں نئی اصولی کتابیں تالیف کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ معاشیات کی ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جو ہر شخص کی دسترس کے اندر ہیں اور جن میں جزئیات کے کم وبیش اختلاف کے ساتھ اُس چیز کی تشریح کی گئی ہے جو "قدیم" یا "معتبر" نظام کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اس نظام کے خلاف انگلستان اور دیگر ممالک میں عام بے اطمینانی پھیلی ہوئی ہے۔ اور معاشیات کے

اُصول وطریق دونوں کے بارے میں بے انتہا اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ فی الواقع اس امر کے باور کرنے کے لئے معقول وجہ موجود ہے کہ معاشری نظرئے کے اس شعبے نے تقلیبی دور میں قدم رکھا ہے اور وہ زمانہ بہت قریب ہے جب کہ اُس میں بڑی حد تک تغیر و تبدل ہو جائے گا۔ لیکن نئے خیالات کا مجموعہ، جو قدیم خیالات کا جانشین بننے والا ہے یا کم از کم ان میں ترمیم و تغیر کرنے والا ہے، اُس نے ابھی تک مکمل اور معین شکل اختیار نہیں کی ہے۔ ان حالات کا اقتضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ توقف کیا جائے اور پچھلے معاملات پر اول ایک نظر ڈالی جائے۔ معاشی مسئلہ ہر کے بارے میں خیالات کی جو رفتار رہی ہے اگر ہم اُس کا عام نظر سے تاریخ وار مطالعہ کریں، ان آرا پر غور کریں جو یکے بعد دیگرے ظاہر کئے گئے ہیں اور ان دوروں کے حالات کو علی الترتیب جانچتے جائیں جن میں یہ آرا قائم کئے گئے، تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہماری موجودہ صورت حال بہت زیادہ واضح ہو جائے گی اور آیندہ بھی مزید ترقی میں سہولت پیدا ہوگی۔ چنانچہ اس کتاب میں اسی مقصد کے پورا کرنے کی کوشش کیگئی ہے۔

2 موجودہ زمانے میں جو اعلیٰ ترین ذہنی رجحانات پیدا ہو رہے ہیں وہ بھی اس قسم کے تاریخی مطالعے کے موید ہیں، علیٰ ہذا تاریخی مذاق بھی، جو آج کل سب پر فائق نظر آتا ہے، اسی کا متقاضی ہے، یہ مذاق ہمارے طرز خیال میں اس درجہ دخیل ہو گیا ہے کہ علم کے ہر شعبے اور انسانی جدوجہد کے ہر پہلو اور آئین کے متعلق، صرف یہی سوال نہیں پیدا ہوتا کہ اُس کی موجودہ حالت کیا ہے اور کیسی ہے بلکہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اُس کی ابتدائی بنیاد کیا تھی اور اُس میں جو تدریجی ترقی ہوئی وہ کس طرح سے ہوئی، جے۔ بی۔ سے کا یہ قول کہ "معاشیات کی تاریخ سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کا بڑا حصہ محض مہمل و مسخ شدہ آرا کی یادگار ہے" اُن خیالات میں سے ہے جو بالکل متروک ہو چکے ہیں۔ چنانچہ سردست اُس کے ابطال کی کوئی ضرورت نہیں مگر یہ قول اس حد تک ضرور قابل لحاظ ہے کہ وہ ہم کو صحیح تاریخ دانی اور بیجا قدامت پرستی

میں امتیاز قائم کرنے کی ضرورت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جو امور زمانۂ قدیم میں کوئی خاص اہمیت نہ رکھتے ہوں، موجودہ زمانے میں اُن کا مطالعہ کرنا محض تحصیل حاصل ہے، اس لحاظ سے ہم کو اپنا تعلق صرف اُنھیں خیالات سے رکھنا چاہیے جو زمانۂ ماضی میں بکثرت شائع تھے اور سابقہ طرزِ عمل پر بڑی حد تک موثّر تھے یا اُن خیالات پر غور کرنا چاہیے جن میں زمانۂ حال و مستقبل کے بیج مل سکتے ہیں۔

معاشیات کی تعریف

جب اس طرح پر ہمارا نقطۂ نظر تاریخی ٹھہرا، تو ابتدا ہی میں معاشیات کی تعریف سے بحث کرنا یا اُس کے طریق کی مفصل تشریح کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ علم معیشت معاشری دولت کا نظریہ ہے یا بالفعل، بقول سے، یہ تسلیم کر لینا کافی ہوگا کہ ہمارا علم دولت کی پیدائش، تقسیم، اور صرف کے قوانین سے بحث کرتا ہے۔ اب ان کے علاوہ جو ضمنی خیالات قابل توجہ ہوں گے، اُن کی طرف تبصرے کے سلسلے میں اشارہ کیا جائے گا۔ اور معاشی تحقیق کے صحیح طریق کی قطعی تعیین پر، اس علم کے تاریخی ارتقا کے خاص نتائج کے سلسلے میں بحث کی جائے گی۔

معاشیات کی نظری تاریخ اور معاشی واقعات کی تاریخ کا باہمی تعلق اور فرق

3 یہ تو ظاہر ہے کہ معاشیات کی تاریخ اور بنی نوع انسان یا کسی خاص قوم کی معاشی تاریخ، یہ دو بالکل جداگانہ چیزیں ہیں، معاشی مظاہر سے متعلق جو نظریات یکے بعد دیگرے قائم ہوتے رہے اُن کی بحث معاشی نظریے کی تاریخ میں کی جاتی ہے اور انسان کی معاشی تاریخ میں، یکے بعد دیگرے آنے والے معاشی واقعات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں صرف اوّل الذکر شے سے بحث کی گئی ہے، مگر یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ تحقیق کے یہ دونوں شعبے ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کے باوجود آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں ان میں وہی باہمی تعلق ہے جو اُصول و عمل میں ہے، ہر زمانے میں جو جو معاشی اصول بنے وہ بیشتر اُسی زمانے کے عملی حالات

وضروریات اور عملی رجحانات کے مطابق بنے۔ جب کبھی تمدن میں کوئی اہم تبدیلی ہوئی، نئے نئے معاشی سوالات سامنے آتے گئے اور ہر زمانے میں جو اُصول مروّج رہے اُن کے اُس زمانے میں موثر ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اس وقت کے اہم مسائل حل کرنے کی کنجی تھے۔ پھر یہ کہ ہر ایک صاحب فکر ورائے خواہ وہ خاص خاص اعتبارات سے اپنے معاصرین سے آگے بڑھا ہوا یا بلند کیوں نہ ہو، پھر بھی اپنے زمانے ہی کا پروردہ ہوتا ہے، اس لئے ہم اس کو اُس معاشری فضا سے علیحدہ نہیں کرسکتے جس میں کہ وہ رہتا سہتا ہے، وہ بھی اپنے ماحول سے یقیناً متاثر ہوگا اور خاصکر ان عملی ضرورتوں کو محسوس کرتا ہے جو اُس کے ہم وطن کارپرداز محسوس کرتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اُصول وعمل کے اس تعلق میں فوائد وخطرات دونوں موجود ہیں، فائدہ تو یہ ہے کہ یہ تعلق نظری تحقیق کو ایک واقعی وقطعی صورت دیتا ہے مگر اس سے یہ خوف بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اُصول میں غلو پیدا کرے اور حقیقت کے کسی خاص پہلو کو ناواجب اہمیت دے یا ناپائدار حالات اور عارضی ضروریات کے متعلق یہ خیال پیدا کرائے کہ وہ عام اور معمولی حالتیں اور ضرورتیں ہیں۔

معاشیات کا عمرانیات اور دیگر علوم سے تعلق

معاشی مظاہر کی نسبت علمائے فن کی جو رائیں ہیں اُن کی نشو وترقی کا حال دریافت کرتے وقت ہمیں دوسرے تعلقات کو نظرانداز نہ کرنا چاہیے کیونکہ عمرانیات کی متعدّد شاخیں ہیں اور یہ سب شاخیں آپس میں اس قدر قریبی تعلّق رکھتی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی تاریخ کو دوسروں سے علیحدہ کرکے خالصًا اسی کی بحث کرنا لغو سی بات ہوگی، اگرچہ اس قسم کا جداگانہ مطالعہ بعض اوقات مناسب ہی نہیں ہوتا بلکہ عملی فائدے کی بنا پر ضروری بھی ہوجاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں عام عمرانی مباحث میں جو عام طرز خیال مروّج رہا وہ اور طبائع کا عام رجحان بھی معاشی خیالات کی رفتار پر ہمیشہ پوری قوت کے ساتھ

اثر ڈالتا رہا ہے۔ کسی دور کے انسانی معاملات سے متعلق اُسی دور میں جن خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، اُن کی نوعیت ایک سی ہوتی ہے اور ان میں ایک طرح کی یک جنسی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جب کبھی ہم اُس زمانے کے رنگ کا ذکر کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں اس یک جنسی کا موہوم سا خیال ضرور ہوتا ہے، عمرانیات اور اُسی کے ساتھ معاشی تحقیق بحیثیت عمرانی نظریے کا ایک شعبہ ہونے کے، نہ صرف فلسفیانہ طریق تحقیقات کے لحاظ سے بلکہ اصولاً بھی اُن علوم کے زیر اثر ہوتی ہے جو ارتقا کے مدارج میں عمرانیات سے پہلے آتے ہیں اور خاصکر نامیاتی علوم اور طبعیات کے زیر اثر ہوتی ہے۔

معاشی تحقیق، خارجی حالات اور اُس زمانے کے خیالات کے دوسرے شعبوں سے جو گوناگوں تعلّقات رکھتی ہے اُن کو پیش نظر رکھنا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اُن کو پیش نظر رکھنے سے ہم کو اُن خیالات کے متعلق جن میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور جو یکے بعد دیگرے قائم کیے جاتے رہے ہیں نہایت صحیح اندازہ قائم کرنے کا موقع مل سکے گا اور کسی مقرّرہ اُصول کے معیار کی مطابقت یا غیر مطابقت کی بنا پر ان خیالات کے صواب و خطا کا فیصلہ کرنے کے بجائے ہم اُن کو ایک منتظم سلسلے کے عناصر خیال کریں گے اور اُن کے باہمی ربط، اثرات اور مناسب وقت ہونے کے لحاظ سے اُن سے بحث کریں گے، مگر معاشیات کے اس نظری نشو و نما میں ہر نیا قدم جو آگے بڑھایا گیا اُس کا مطلب ہمیں یہ نہ لینا چاہیے کہ اس کی بنا پر تمام پچھلے خیالات غلط ثابت ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ قدیم خیالات اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے ایک حد تک مناسبت و واجبیت رکھتے تھے اور یہ اس وجہ سے کہ وہ حقیقی اگرچہ محدود عملی تجربوں پر مبنی تھے یا ایک جداگانہ معاشری نظام اُن کے پیش نظر تھا۔ اسی کے ساتھ یہ امر ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ ہمارے جدید نظری

نتائج بھی قطعی نہیں ہو سکتے کیونکہ جس نظام حیات سے یہ متعلق ہیں وہ بھی تبدّل پذیر ہے اور اُس میں کم وبیش تبدیلیوں کا ہونا ایک شدنی امر ہے جس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اس مختصر سی کتاب میں اُن تمام بحث طلب امور کی پوری اور مفصل تشریح تو ممکن نہیں، البتہ انکو پیش نظر رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی جائے گی اور جن تعلقات کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے، جہاں کہیں اُن کا اثر خاص طور پر دلچسپ اور اہم ہو گا وہاں اُن کی تشریح کر دی جائے گی۔

معاشی اصول کے ضمن میں جن متعدد فلاسفہ کے نام خصوصیت کے ساتھ لئے جاتے ہیں اُن کے خاص خاص حالات و رجحانات کا بھی اُن اُصول کی صورت و معنی پر اثر پڑا۔ یہ علما اپنے متقدّمین سے جو خاص تعلق رکھتے تھے نیز اُن کی ابتدائی تعلیم و سیاسی رجحان اور اُن کے خلقی خصائل اور مذہبی توہمات، ان سب کا اثر قابل لحاظ ہے۔ اور ہم آئندہ ابواب میں انھیں خاص خاص اثرات کی طرف توجہ منعطف کرائیں گے۔ مگر ہمارے موجودہ مقصد کے لحاظ سے یہ اثرات بحیثیت مجموعی، محض ثانوی اور ادنیٰ درجے کے ہیں کیونکہ افراد کو جماعت پر ترجیح اور فوقیت نہیں دی جا سکتی بلکہ جماعت کو افراد پر فوقیت دینا اور نظریات کے بتانے والوں کو عام عقلی و معاشری تحریک کا 5
محض ایک عضو سمجھنا ضروری ہے۔

تاریخ معاشیات کی سنوی تقسیم اور معاشیات میں طبیعی و عمرانی علوم کے طریق کا استعمال

تاریخ معاشیات عام طور پر تین بڑے عہدوں پر تقسیم ہے:- (۱) عہد قدیم (۲) قرون وسطیٰ اور (۳) دور جدید، پہلے دو عہدوں میں معاشیات کا وجود مثل دوسرے عمرانی علوم کے محض ابتدائی حالت میں ہو سکتا تھا کیونکہ جیسا کہ ظاہر ہے عمرانی نظریے کی ساخت پرداخت کے لئے دو شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے، ایک تو یہ کہ جن واقعات سے نتائج اخذ کئے جائیں وہ کافی وسیع پیمانے پر ظہور

میں آئیں تاکہ مشاہدے کے لئے کافی مواد میسر آسکے اور علمی کلیات استنباط کرنے کے لئے قابل اطمینان بنیاد موجود ہو، ظاہر ہے کہ یہ شرط ابتدائی عہد میں بمشکل پوری ہو سکتی تھی، دوسری شرط یہ ہے کہ جب ایسے واقعات رونما ہوں تو اُن کا مشاہدہ ومطالعہ کرنے والا بھی اپنے کام میں تربیت یافتہ اور تحقیق کے مناسب ساز وسامان سے آراستہ ہو، یعنی محقق کو سہل وسادہ علوم میں اس قدر دستگاہ ہونی چاہیے کہ اُن کی مدد سے وہ علمی نتائج کے ضروری مقدمات مہیا کر سکے اور تحقیقات کے صحیح طریقوں کا استعمال سیکھ جائے۔ بالفاظ دیگر عمرانیات کو اپنے مقاصد میں طبیعیات وحیاتیات کے نظریات کام میں لانے پڑتے ہیں، مگر ان مادی علوم نے ابتدائی عہدوں میں اتنے وسیع پیمانے پر ترقی ہی نہ کی تھی کہ اُن سے عمرانیات کو کوئی بڑی مدد مل سکتی، نیز عمرانیات میں استدلال کے جو طریقے ہیں وہ استخراج، مشاہدے اور مقابلے کے طریقے ہیں اور یہ طریقے ریاضی وغیر نامیاتی علوم کے مطالعے اور مشق سے اخذ کئے گئے ہیں یا ایسے نامیاتی علوم سے اخذ کئے گئے ہیں جو عمرانیات کی نسبت کم پیچیدہ اور زیادہ سہل ہیں، زمانۂ قدیم میں، ان طریقوں کو عمرانیات میں استعمال کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ یہ طریقے پہلے سے مرتب ہوتے مگر چونکہ اُس زمانے میں یہ علوم یا تو معرض وجود میں ہی نہ آئے تھے یا ان میں معقول ترقی نہ ہوئی تھی اس لیے ایسے طریقوں کی ترتیب وہم وگمان سے خارج تھی۔ یہ صحیح ہے کہ بعض ناگزیر اور شدید عملی ضروریات کی بنا پر علمی دماغوں نے ہر زمانے کے تمدن کے بارے میں چند قوانین یا رجحانات قائم کر لئے اور جو سوالات پیدا ہوتے گئے ان سے متعلق کوئی نہ کوئی تُک لگا دیا مگر واقعہ یہ ہے کہ عمرانیات کا ایک حقیقی علم صرف ارتقائے ذہنی کی بہت ہی ترقی یافتہ حالت کی پیداوار ہو سکتا ہے اور یہ بات جس قدر دوسرے عمرانی علوم پر صادق آتی ہے اسی قدر

معاشیات پر بھی صادق آتی ہے، نظر بریں، عہد قدیم و قرون وسطیٰ میں معاشی خیالات کا جو رنگ تھا اور جن حالتوں نے اس رنگ کے خیالات قائم کرائے، ہم اُن پر صرف ایک عام اور اجمالی نظر ڈالیں گے۔

———(۵)———

6

دوسرا باب

عہدِ قدیم

(۱) مذہبی حکومتیں (۲) قدیم و جدید قوموں کے تمدن اور معاشی جدّ و جِہد کا فرق (۳) یونانِ قدیم (۴) افلاطون، زنوفون، ارسطو (۵) رومی فلاسفہ سیسرو، پلینی اعظم وغیرہ (۶) رومی مقنّن سینری کارلی، کیٹو وغیرہ (۷) زمانۂ قدیم میں معاشی تحقیقات کی عام حالت (۸) اہلِ [illegible] اور جرمنی کے معاشیئین کی اس بارے میں رائے۔

مشرق کی مذہبی حکومتیں
اور اُس زمانے کا
معاشری رنگ ڈھنگ

معاشی معاملات کے متعلق قدیم ترین خیالات جو اب تک باقی ہیں وہ ہم کو مشرق کی مذہبی حکومتوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ اُس زمانے کی معاشری زندگی کا عام رنگ یہ تھا کہ نقالی کو تعلیم کا بنیادی اُصول خیال کیا جاتا تھا اور مختلف کاموں اور پیشوں کو موروثی قرار دے کر اپنے خام تمدن کو مستحکم کرتے تھے بلکہ ذات پات کے نظم و نسق سے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاتا تھا اور وہ اس طرح کہ یہ ذاتیں بلحاظ نوعیت فرائض درجہ بدرجہ ایک دوسرے کے تحت ہوتی تھیں اور ان سب پر مقدس مذہبی جماعت کی اعلیٰ نگرانی ہوتی تھی۔ یہ مذہبی جماعت اس بات کی

ذمہ دار تھی کہ قدیم روایتی خیالات وتصورات کی اشاعت کرے
اور بہ اغراض انضباط تحت کی جماعتوں سے ان تصورات کی
عملاً پابندی کرائے۔ چنانچہ اس جماعت نے ان قدیم قابل عمل
خیالات کی بناپر انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے لئے ایک
کامل ضابطہ تیار کرنے کی کوشش کی۔ اُس زمانے کے معاشری نظام
کا خاص کام تحفظ وپس اندازی تھا اور اُس کی سب سے نمایاں خصوصیت
استقامت تھی جو بگڑ کر جمود کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن اس میں
کلام نہیں کہ اُس زمانے میں فنون مفیدہ ایک مدت دراز تک،
اگرچہ بتدریج ترقی پذیر رہے اور بعد کی متمدن قومیں بھی جن میں ذات پات
اور فرقہ بندی مثل قدیم قوموں کے موجود تھی، انھیں فنون کی وارث
بن گئیں، ہم دیکھتے ہیں کہ مذہبی حکومتوں کے ارباب حل وعقد نے
صنعت وحرفت کی طرف کافی انہماک کے ساتھ توجہ کی۔ جنگ کے
برعکس انتظام صنعت وحرفت میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا کہ ایک
حریف جماعت اُن کے مقابلے میں پیدا ہوکر اُن کی سیاسی عظمت اور
اُن کے سیاسی اقتدار کو معرض خطر میں ڈال دے گی۔ اس لئے انھوں
نے بحیثیت مجموعی تنظیم حیات کو اپنا مقصد اوّلیں قرار دے کر صنعتی
تنظیم کے ذریعے سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہا، اُن کے پیش نظر
7 ہمیشہ معاشیات کا اخلاقی پہلو یا اخلاقیات کا معاشی پہلو (جو پہلی چیز
سے مختلف ہے) رہا۔ مال ودولت کی حرص سے محترز رہنے کی انھوں
نے بھی اُسی طرح ہدایت کی جس طرح کہ ہر زمانے کے فلسفہ و مذہب
نے کی ہے۔ باہمی لین دین، اشیا کے ناپ تول اور معاہدات کی پابندی
میں وہ ایمانداری اور دیانت سب سے زیادہ ضروری خیال کرتے ہیں،
تمول سے جو تکبر و نخوت پیدا ہوتی ہے اُس کو اور اسراف اور تعیّش کو نہایت
مذموم قرار دیتے ہیں اور خدمتگاروں اور زیردستوں کے ساتھ منصفانہ
اور فیاضانہ سلوک کرنے کی تاکید اکید کرتے ہیں۔ اگرچہ مذہبی عقیدے

کی بناپر دولتمندی اور تموّل کو قضاو قدر کے الطاف و عنایات پر محمول کرتے ہیں مگر اسی کے ساتھ ہی اکتساب دولت کے لئے ذاتی کوشش اور کفایت شعاری کو بھی نہایت ضروری خیال کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ مذہبی حکومتوں میں بھی یہ رجحان دیکھا جاتا ہے کہ رائے اور مشورے کو بمنزلہ حکم کے خیال کرتے ہیں اور قوم کے ہر فرد کے تمام حرکات و سکنات کے اوقات، طور طریق، اور لوازم کو اس طرح سے بالتفصیل مقرر کرتے ہیں کہ اُن کی پابندی نہایت دقیق و دشوار ہو جاتی ہے۔ افراد قوم کے افعال واقوال پر اس طرح جو نگرانی قائم کی جاتی تھی وہ محض روحانی و مادی قوتوں کے اتحاد و اختلاط کا نتیجہ تھا، اسی لئے جو جو امور قوم کی فلاح و بہبود سے متعلق ہوتے تھے اُن کی براہ راست اوامر و نواہی سے پابندی کرائی جاتی تھی، اس کے برعکس موجودہ زمانے میں یہ چیزیں عام عقلی اور اخلاقی اثرات کے تفویض کی جاتی ہیں۔

قدیم وجدید قوموں کے تمدّن اور معاشی جدوجہد کا فرق۔

معاشیات کے عملی میدان میں قدیم یونانیوں اور رومیوں کی جو حوصلہ مندیاں رہی ہیں، اگر ہم خاص خاص مخالف اثرات سے قطع نظر بھی کرلیں، تو بھی وہ موجودہ زمانے کے کثرت وسائل اور کاموں کے پیمانے کی وسعت کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ موجودہ زمانے میں مشینوں اور کلوں پر ساری صنعت اور پیدائش دولت کا مدار ہے مگر زمانۂ قدیم میں علوم طبیعی بہت ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ حالت میں تھے اور طبیعی قوتوں کی موجودگی سے لاعلمی ہونے کا یہی نتیجہ تھا کہ پیدائش دولت میں پوشیدہ عاملین قدرت سے مدد نہ لیجا سکی یا مشینوں اور انجنوں کا استعمال وسیع پیمانے پر نہ ہوسکا۔ زمانۂ قدیم میں جغرافی معلومات بھی بالکل ادھوری تھیں اور ذرائع آمد و رفت اور وسائل بار برداری ناکمل و ناقص حالت میں تھے اسی سبب سے تجارت بین الاقوام کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہوگئی تھیں ان رکاوٹوں کی وجہ ایک حد تک یہ بھی تھی کہ صنعتی جدّ وجہد بالکل بیجان اور ابتدائی حالت میں تھی اور صنعتی جدّ وجہد کی تنظیم یا اُس کی توسیع و ترقی

8 اس وجہ سے ناممکن تھی کہ عہد قدیم کے مخصوص اصول اسکی راہ میں حائل تھے، مگر بعض مصنّف قدیم وجدید عہدوں کے فرق کو محض خیالی اور غیر اہم تصوّر کر کے اُس سے قطع نظر کرنا چاہتے ہیں اور جدید قوموں اور مشرق کی مذہبی حکومتوں میں جو نمایاں فرق ہے اُس کو نظر انداز کر کے یہ ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ قدیم اہل یونان و روما موجودہ زمانے کے مغربی باشندوں کے خیالات، جذبات اور اعمال سے نمایاں مشابہت رکھتے ہیں - یہ اُن کی ایک فاش غلطی ہے اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مقابلے میں محض علما و عقلا کا طبقہ ہی ان مصنّفوں کے پیش نظر ہے اور عوام نظر انداز کیئے گئے ہیں - قدیم وجدید قوموں میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ قدما کا مذہب جنگ تھا اور اس کے برعکس جدید قوموں کا رجحان شروع ہی سے صنعت وحرفت کی طرف رہا اور صنعتی ترقّی ان کا نصب العین ہے، مگر ان مختلف ومتضاد حالات کو ان مصنّفوں نے بالکل نظر انداز کیا ہے، حالانکہ ان حالات کا جو گہرا اثر انسانی زندگی کے ہر شعبے پر پڑا یا پڑ رہا ہے وہ ایسا کم اہم نہیں کہ اُس کو بالکل نظر انداز یا دماغ سے محو کر دیا جائے، قدیم معاشری نظام میں جنگ اور غلامی دونوں لازم وملزوم تھے اُس وقت اس قسم کا کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ رسم غلامی سے معاشی ومعاشری نقائص پیدا ہوں گے جیسا کہ حال میں جزائر غرب الہند اور امریکا میں پیدا ہوئے - بلکہ اُس زمانے میں رسم غلامی قوم کے طریق زندگی کے اس قدر مناسب حال تھی کہ بڑے بڑے فلاسفہ بھی اس کو ناگزیر خیال کرتے تھے، اور واقعہ بھی یہی تھا کہ رسم غلامی اگرچہ عارضی طور پر ہی سہی مگر ایک حقیقی ضرورت کو پورا کرتی تھی، اور اس امر کا لحاظ کرتے ہوئے کہ اس کی عدم موجودگی کی صورت میں کوئی دوسری خرابی اُس کی جانشین ہو جاتی، من حیث المجموع اس رسم کو ایک حد تک جائز اور مناسب کہہ سکتے ہیں - لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ معائب سے پاک تھی بلکہ اس میں چند نقائص بھی موجود تھے چنانچہ اسی کا اثر تھا کہ شہریوں کے دلوں میں صنعت و حرفت سے تنفّر پیدا ہوا، زراعت البتہ خفیف حد تک مستثنیٰ تھی مگر

پیدائش دولت کے باقی سب شعبے آزاد خیال شہری کے شایانِ شان
متصوّر ہوتے تھے، شریف پیشے صرف وہی خیال کئے جاتے تھے
جن کا تعلق براہ راست خدماتِ عامّہ سے مثلاً فوجی ملازمت یا
انتظامِ سلطنت وغیرہ سے تھا۔ جسمانی محنت عام طور پر ایک ذلّت
خیال کی جاتی تھی اور اس کو نیچ طبقوں کا پیشہ قرار دیا گیا تھا اور اگرچہ آزاد
دستکاروں کو اُن سے زیادہ وقعت حاصل تھی پھر بھی اُن کا پیشہ
ذلیل ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح پر تمام دولت کے پیدا کرنے والے
ذہنی تربیت اور اعلیٰ تعلیم سے بے بہرہ رہے اور وہ دوسرے
شہریوں کے خیالات، اغراض اور جدّوجہد میں شریک نہیں کئے 9
جاتے تھے۔ اس وجہ سے اور نیز اُن کے پیشے اور ذاتی حیثیت
کی وجہ سے اُن میں اختراع اور جدّت کے وہ اعلیٰ صفات وعادات
پیدا نہ ہوسکے جو صنعتی ترقی کی جان ہیں، اس کے علاوہ عام بدامنی اور
لوگوں کے جنگجویانہ عادات کی وجہ سے جان و مال خطرے میں
رہتے تھے خصوصاً اندوختوں کی حفاظت کا انتظام معقول طریقے
پر نہ ہوسکتا تھا۔ انھیں خرابیوں کی وجہ سے اصل کی کافی اور وافر مقدار
فراہم نہ ہوسکتی تھی کہ اُس سے وسیع پیمانے پر کاروبار چلایا جائے اور
نہ کاروباری اعتبار یا ساکھ کا قیام ممکن تھا، ان سب اسباب نے اور
معلوماتِ عامّہ اور معاشرتی تعلقات کی ناقص و نامکمل حالت نے
مل جل کر قدما کی زندگی کو بے انتہا محدود اور غیر تبدل پذیر بنا دیا تھا اور
اسی لیئے اُن کی زندگی موجودہ زمانے کی معاشی جدّوجہد کی گوناگوں
وسعت، کثرت وسائل اور مختلف انواع سے بیّن تضاد و تخالف
رکھتی تھی۔ کسی معاشرتی نظام میں دو متضاد و ناموافق خصوصیات کی موجودگی
کا خیال قائم کرنا محض لغو ہے۔ جس نظام نے جو کام انجام دیا ہے محض
اُسی کے لحاظ سے اس نظام کو جانچنا چاہیئے۔ اس اعتبار سے غور کیجئے
تو معلوم ہوگا کہ قدما کے تمدّن کی بنیاد جنگ پر تھی اور تاریخ بھی شہادت

دیتی ہے کہ اُن کا پیشہ جنگ تھا اور اُنھوں نے اپنی زندگی کی تنظیم صنعت کے ذریعے سے نہیں کی بلکہ جنگ کے ذریعے سے کی اور انجام کار جنگ وجدل سے ایسے حالات پیدا ہوئے جس سے اُس کا زور ٹوٹ گیا اور خود بخود ایک ایسے عہد کی بنا پڑ گئی جس کا مدار پُر امن صنعتی جدّ وجہد پر تھا۔

اہلِ یونان۔

اس پُر امن جدّ وجہد کے دور کی افتتاح رومیوں کے فتوح کے آخری نتیجے کی حیثیت سے رومتہ الکبریٰ کے ہاتھوں سے ہوئی۔ یونان کی مُلک گیریوں اور فوج کشیوں کا سلسلہ اگرچہ ایک مدّت دراز تک قائم رہا مگر سوائے اس مدافعانہ جنگ کے جو ایران سے ہوئی تھی اُس کی سب جنگیں اس معنیٰ میں بے نتیجہ ثابت ہوئیں کہ اُنھوں نے کوئی خاص معاشری خدمت انجام نہیں دی اور اس میں شک نہیں کہ محض فوجی زندگی اہلِ یونان کی فطری قابلیتوں کے اظہار کے لئے ناکافی تھی اس لیئے وہ اُس مُلک کے اعلیٰ دماغوں اور روشن خیال طبقے کو فتوح اور مُلک گیری کی طرف راغب نہ کر سکی بلکہ اُن کی کوششوں کو معقولات کی تحقیق کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ اسی ذہنی وعقلی جدّ وجہد کا نتیجہ تھا کہ جمالیات، فلسفے اور دوسرے علوم و فنون نے، جن کی تخم ریزی مذہبی حکومتوں نے کی تھی، اُن کے ہاتھوں ارتقائی مراحل طے کر کے باقاعدہ شکل اختیار کر لی۔

ہسیاڈ۔

اس طرح ہسیاڈ کے "ورکس اور ڈیز" میں معاشیات کے متعلق جو طوق خیالات نظر آتا ہے وہ مذہبی حکومتوں کے طرز خیالات کے بہت مشابہ ہے۔ اس میں ایک طرف تو قضا وقدر کی قوت فیصل اور بزرگان دین کے بنائے ہوئے ضوابط و احکام کو تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری طرف مشوروں اور مقولوں کی شکل میں عملی دانشمندی کا بھی اظہار کیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجرّد خیال کا نشو و نما تھیلس کے زمانے سے شروع ہوتا ہے اور شروع

ہوتے ہی یونانی تہذیب و تمدن کو اُس کی اصلی اور موجودہ کیفیت میں رنگ دیتا ہے، چنانچہ انسانی عقول کی تاریخ میں یہیں سے ایک نئے دور کی ابتدا ہوتی ہے۔

مجرد خیال کی تحریک اور یونانیوں کی علمی مصروفیتیں۔

مجرد خیال کی تحریک بنی نوع انسان کے مستقبل کو نئے سانچے میں ڈھالنے والی تھی اور جوں ہی یہ شروع ہوتی ہے مذہبی حکومتوں کے قدیم و موروثی نظام کی بنیادیں بتدریج کمزور ہو کر انجام کار اُن کا استیصال ہوجاتا ہے اور اُن کی جگہ تحقیقات کے سب شعبوں میں معقول و محقق نظریات قائم ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ یونان کے مشہور ترین حکما اور فلاسفہ ایک طرف تو ایجابی علم کی ترقی میں خاص طور پر دلچسپی لیتے ہیں اور ان میں سے اکثر صرف علم ہندسہ کی تحقیق و بحث میں مصروف نظر آتے ہیں اور صرف اسی علم کو حقیقی ایجابی علم تصور کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح ہر زمانے میں بعض معاشری ضروریات ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ اور پوری قوت کے ساتھ بڑے بڑے دماغوں کو متاثر کرتے رہتے ہیں اس زمانے میں بھی اعلیٰ دماغ اُن سے متاثر ہوئے۔ اسی لئے یونان کے بعض حکما اس قسم کے ضروریات سے متاثر ہو کر دوسری طرف معاشری زندگی کے حالات کی تحقیق و بحث میں بھی خاص طور پر مصروف و منہمک نظر آتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی علمی مصروفیتیں کسی قدر قبل از وقت تھیں، کیونکہ عمرانیات یا اخلاقیات کے باقاعدہ طور پر مدوّن ہونے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ حیاتیات اور غیر نامیاتی علوم کافی ترقی کر لیتے۔ لیکن ان مصروفیتوں کا اثر اتنا ضرور ہوا کہ اہل یونان کی عقلی و ذہنی جدّ و جہد میں نئی جان پڑ گئی اور تحقیقات کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا جس کی وجہ سے نہ صرف عوام کے معلومات میں اضافہ ہوتا رہا بلکہ بعض اس قسم کے انکشافات ہوئے جن کا مزید انتظار نسل انسانی کے امکان

سے باہر تھا۔ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ معاشی تحقیقات کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اس تحقیقات میں عقلی دلائل کام میں لائے جانے لگے، اوہام پرستی فنا ہوگئی اور مادّی و دُنیاوی اسباب مافوق العقل عاملین کے جانشین بن گئے۔ لیکن اس تحقیقات سے کوئی قابل لحاظ نتائج اس وجہ سے پیدا نہ ہوسکے کہ وہ عملی زندگی کی کسی وسیع بنیاد پر مبنی نہ تھے فوجی نظام اور رسم غلامی دونوں لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے اور جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے یہی رسم غلامی صنعت کی کم وقعتی اور بیقدری کا باعث ہوئی تھی۔ اگرچہ ان دونوں کی بحث کو فلاسفہ نے ترک کردیا مگر دوسرے سیاسی معاملات اُن کو متوجہ کرنے لگے۔ جتنا جتنا شہریوں کا رجحان استبدادی طریق حکومت کی طرف بڑھتا گیا اور فرقہ وارانہ کشمکش میں ان کی مصروفیت زیادہ ہوتی گئی، اُتنا اُتنا سیاسی سوالات کی اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا حتّٰی کہ معاشری مسائل پر بحث کرتے وقت بڑے بڑے مصنّف سیاسی دستوروں کی جانچ اور اُن کا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے میں زیادہ توجہ صرف کرنے لگے اور اُن کا زیادہ وقت اس سوال کے حل کرنے میں صرف ہونے لگا کہ شہریوں کو کون سا طریق تعلیم بہترین پیمانے پر خدمات عامّہ کی انجام دہی کے قابل بنا سکتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اُن کے تصانیف میں ہمیں معاشی معاملات کے متعلّق کوئی باقاعدہ اور تفصیلی حالات نہیں ملتے، البتّہ کہیں کہیں کچھ اشارات یا چند ایسے خیالات دستیاب ہو جاتے ہیں جن کو مابعد تحقیق کا پیش خیمہ کہنا چاہئے۔ 11

قدیم یونانیوں کا معاشی نقطۂ نظر۔

مثل دوسرے عمرانی مباحث کے معاشی سوالات کے متعلق ان لوگوں کا جو نقطۂ نظر تھا اُس میں مندرجۂ ذیل عام خصوصیتیں نظر آتی ہیں:۔ (۱) سلطنت کے مقابلے میں افراد قوم کا وجود بالکل تحتانی ہے، اور سلطنت ہی کی وساطت سے افراد کی فطرت صیقل پاکر مکمّل بن سکتی ہے، اس لئے افراد کی تمام

کوششیں سلطنت کی خدمت اور اُس کے قیام وبقا کے لئے صرف ہونی چاہئیں شہری دولت کا پیدا کرنے والا نہیں ہے بلکہ محض دولت کا مالک ہے لیکن دولت کی ملکیت محض نفس پروری اور عیش پسندی کا آلہ نہ ہونا چاہیے بلکہ اُس کی وساطت سے اعلیٰ اخلاقی اور رفاہ عام کے کام کرنے چاہئیں۔ جملہ سیاسی خیالات کا پہلا مقصد عمدہ شہری پیدا کرنا ہے اس لئے ہر معاشری سوال پر اخلاقی وتعلیمی نقطے سے نظر ڈالی جاتی ہے۔ (۲) بربنائے وجوہ متذکرہ بالا حکومت حق رکھتی ہے کہ معاشری زندگی کے ہر شعبے پر بشمول معاشی جدّوجہد کے اپنی نگرانی قائم کرے اور افراد کے اعمال وافعال کو رفاہ عام کا مؤید وہم آہنگ بنانے کی غرض سے براہ راست انتظامات کرے۔ (۳) ان اساسی اصول کے علاوہ ایک رجحان یہ بھی ہے کہ آئین وقوانین کو ایک غیر محدود تاثیر سے متصف کیا جاتا ہے گویا کہ قوم کے فطری رجحانات کوئی چیز ہی نہیں ہیں بلکہ قوم کسی بھی خارجی اثرات ومحرکات کے سامنے سر تسلیم خم کردے گی، اگر وہ کافی قوت اور تسلسل کے ساتھ اثر انداز ہوں

افلاطون - علم انیات کا ہر مشہور عالم بہ لحاظ اپنی بلند پروازی کے مملکت کا ایک نیا اور جداگانہ تصور قائم کرتا ہے جو بہ اعتبار اُس کے غور وفکر کی تنگی ووسعت کے حقیقت اور امکان سے دور یا نزدیک ہوتا ہے۔ ان خیالی نظاموں میں سب سے زیادہ مشہور نظام افلاطون کا ہے اس میں افراد کے سلطنت کے تابع وتحت ہونے کا خیال انتہائی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے افلاطون ایک ایسی جمہوریت قائم کرنا چاہتا ہے جس میں اعلیٰ طبقے کے شہریوں میں اشتراک ملک واشتراک ازواج رائج ہو، اور اسی اُصول کو قوم کی شیرازہ بندی کا سنگ بنیاد اور نیز ذاتی اغراض کے احساس کو دبانے اور افراد کو خدمات عامّہ کے لئے وقف کردینے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ قرار دیتا ہے۔ یہ خیال کہ افلاطون کی تجویز بالکل انوکھی اور قدیم تمدّن کے لئے نامناسب اور

ناقابلِ عمل تھی غالباً صحیح نہ ہوگا اس لئے کہ قدیم قوموں کا ماحول اور اُن کے حالات ہی ایسے تھے کہ اس قسم کی اصلاح کو بہت جلد جگہ دی جاسکتی تھی، مگر صنعتی دور کے شروع ہونے کے بعد اس نظام کا قائم رہنا ناممکن تھا۔ بہرحال افلاطون کی تجویز کو موجودہ زمانے کے عبقریوں[1] اور خیالی حکومتوں کے منصوبوں کا پیش خیمہ کہا جاسکتا ہے۔ علمی دماغ تو اس کو قبول کرنے سے رہے البتہ ادبی ذوق رکھنے والے محض مصنف کی جادو بیانی، اُس کی عبارت کی شگفتگی اور خوش اسلوبی کی وجہ سے، اُس کے دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ افلاطون کی تصنیف[2] میں دو قسم کے خیالات ہیں ایک تو وہ جن کو ہم وہمیات سے موسوم کر سکتے ہیں اور دوسرے دلچسپ اعلیٰ اخلاقی خیالات ہیں، ان کے علاوہ بعض صحیح معاشی تحلیلات بھی ملتے ہیں مثلاً تقسیم عمل اور اتحادِ عمل کی جس طرح قوم میں ابتدا ہوتی ہے اُس کا صحیح خاکہ اُس نے پیش کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ معاشری نظام کی تہ میں معاشی اغراض پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن ہماری رائے میں محض معاشی اغراض کو معاشری نظام کی بنا قرار دے دینا زیادتی ہے، بے غرضانہ اور بے لوث معاشری جذبات ومحرکات کا لحاظ بھی ضروری ہے اس لئے کہ ان سے انسانوں میں باہم اتحاد ومحبت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن وہ اس کی تشریح کرتا ہے کہ افراد کے مختلف احتیاجات اور مختلف صلاحیتیں کس طرح آپس میں ایک دوسرے کے خدمات انجام دینے کا صرف موجب ہی نہیں ہوتی ہیں بلکہ اس کی طالب بھی ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی تشریح کرتا ہے کہ کس طرح ہر شخص اپنی حیثیت، قابلیت اور تعلیم وتربیت کے لحاظ سے کسی خاص پیشے کی موزونیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے

---

[1] Utopias [2] Republic

ہر فرد کے لیے پیشے کی تخصیص کر دینے سے سب کی ضرورتیں زیادہ عمدگی اور سہولت کے ساتھ پوری ہو سکتی ہیں۔

افلاطون، تمام واضعان قوانین کے انداز میں ایک ایسے ملک کا خواہاں ہے جو اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لے اور دوسرے ملکوں سے کوئی سروکار یا واسطہ نہ رکھے اُس کی دانست میں غیر ممالک کے باشندوں کی آمد و رفت اور اُن سے میل جول کا پیدا ہونا، ملک کی اندرونی تنظیم میں رخنہ ڈالنے والی اور اہل ملک کے عادات و اخلاق کو بگاڑنے والی چیز ہے۔ اس بنا پر وہ ممالک غیر سے تجارت کرنے کا مخالف ہے اور اسی غرض سے وہ اپنے خیالی ملک کو سمندر سے کچھ فاصلے پر بساتا ہے اور اس ملک کے حدود پر سخت نگرانی قائم کرتا ہے۔ افلاطون اس ملک کی آبادی کے اضافے کو روکنے کی غرض سے کئی تدابیر پیش کرتا ہے مثلاً صغر سنی کی شادی کا انسداد اور موسمی شدائد میں بچوں کی بقا کی صلاحیت کی آزمائش کرنا نیز ہر کاشتکار کے پاس معین و مشخص قطعۂ زمین رہنے کا انتظام کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ افلاطون کو اس طرح کا کوئی خوف نہ تھا جس طرح کہ مالتھس کو ہوا کہ اضافۂ آبادی سے غذا کی قلت محسوس ہوگی بلکہ وہ محض سیاسی اور اخلاقی اسباب کی بنا پر یہ تدابیر پیش کرتا ہے ملک کے معمولی صنعتی پیشوں میں حتی الامکان املاک کی مساوات رکھنا چاہتا ہے اور اپنے زمانے کے رنگ اور
مذاق کے مطابق اس طبقے کو حکمراں اور فوجی جماعتوں کی نسبت 13
کسی قدر نظر حقارت سے دیکھتا ہے۔ افلاطون دستکاروں کے پیشے کو کام کی نوعیت کے لحاظ سے، دماغ کو ناکارہ اور جسمانی حالت کو کمزور کرنے والا خیال کرتا ہے، اسی لئے اُس کی دانست میں جو کوئی یہ پیشہ اختیار کرتا ہے، بحیثیت انسان اور شہری ہونے کے اعلیٰ فرائض کو انجام دینے سے قاصر رہتا ہے۔ افلاطون ادنیٰ

قسم کی محنت مزدوری کو غلاموں اور اجنبیوں کا پیشہ قرار دیتا ہے اور قدیم نظریئے کے اندازمیں، قیمتی فلزات کو جہاں تک ممکن العمل ہو، داخلی تجارت میں استعمال نہ ہونے دینے بلکہ اُن کو ملک سے خارج کردینے کا خواہاں ہے، وہ نہ صرف سود کے لین دین کا مخالف ہے بلکہ اصل قرضے کی رقم کے ادا کئے جانے کو بھی قرض گیر کی مرضی پر چھوڑتا ہے اور قرضۂ حسنہ کو رواج دینا چاہتا ہے، جملہ معاشی کاروبار کی نگرانی کو حکومت کا فریضہ قرار دیتا ہے اور اس نگرانی سے اُس کا منشا نہ صرف ظلم و فریب کا انسداد ہے بلکہ عیش پسندانہ عادات و اطوار کی روک تھام اور اہل ملک کے ضروریات حیات و راحت کا اعتدال و مناسبت کے ساتھ بہم پہنچانا ہے۔

زینوفن۔

افلاطون کی مبالغہ آمیز تصوریت کے بالمقابل زینوفن کی کسی قدر محدود مگر اعلیٰ عملی قابلیت ہے۔ اگرچہ زینوفن میں عملی جذبہ غالب ہے مگر عام طور پر یونانیوں میں تعمق خیال اور بلند پروازی کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ بھی اُس میں موجود ہے اُس کی تصنیف "اکنامیکس[1]" اس وجہ سے پڑھنے کے لائق ہے کہ اُس میں اُس زمانے کی زندگی کے بعض شعبوں کی سحر نگار اور دلکش تصویر کھینچی گئی ہے، اور سمسمنڈی کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ اُس میں ہمدردی اور نیک نیتی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگرچہ مصنف نے انتظام خانہ داری کی حد سے آگے قدم نہیں بڑھایا لیکن ان حدود کے اندر ہی اندر اُس نے اپنی عقل سلیم اور دانائی کا نہایت شائستہ پیرائے میں ثبوت دیا ہے۔ اُس نے معاشیات کے علم میں اضافہ نہیں کیا بلکہ محض شخصی مِلک کی عاقلانہ نگرانی کے متعلق بعض ضابطے مقرر کئے اور خاندان اور اُس کے متعلقین کے انتظام کے متعلق بعض

[1] Economicus

سنجیدہ مشورے دیے جن سے ہمیں سر دست کوئی سروکار نہیں۔ مگر پھر بھی اس محدود حلقے کے اندر اور دائرۂ مقروں میں عموماً زینوفن کا اصلی حسن پوشیدہ ہے۔ جس طرح اُس کے دوسرے ہم وطن مصنّف زراعت کو دوسرے پیشوں پر بالعموم ترجیح دیتے تھے اسی طرح وہ بھی زراعت ہی کا طرفدار ہے، اپنی قوم کے لئے زراعت کو وہ اس وجہ سے پسند کرتا اور اُس کا سرگرم مدّاح ہے کہ یہ فن نہ صرف حبّ الوطنی اور مذہبیت کے احساسات کو اُبھارتا ہے اور افرادِ قوم میں ملک کی توقیر 14
کا خیال پیدا کرتا ہے بلکہ قوم کو فوجی زندگی بسر کرنے کی بہترین طریقے پر تربیت دیتا اور معقولات وسیاسیات میں حصّہ لینے اور غور کرنے کا بھی کافی وقت اور موقع بہم پہنچاتا ہے۔ بایں ہمہ زینوفن اپنے عملی حس کی بنا پر اکثر دوسرے یونانی مصنّفین سے زیادہ زراعت کے مقابلے میں دستکاری کو اور اس سے بھی بڑھ کر تجارت کو اہمیت دیتا ہے اور دستکاری وتجارت کی عام حالت اور اُن کی ترقّی کے متعلّق سوالات پر تفصیلی طور پر نظر ڈال کر حکومت سے اُن کی سرپرستی ونگرانی کی سفارش کرتا ہے۔ زر کی نوعیت کے متعلّق اُس کے خیالات مبہم اور بعض اوقات غلط بھی ہیں، لیکن وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اشیا کے مبادلے میں زر کی برآمد کرنے سے قوم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور نہ قومی دولت میں کمی ہوتی ہے، اور تجارت خارجہ کی ترقّی کے لئے امن وامان کا قائم کرنا، اجنبی تاجروں کے ساتھ نیک اور باعزّت سلوک کرنا اور اُن کی قانونی چارہ جوئیوں کا مستعدی کے ساتھ منصفانہ فیصلہ کرنا وہ نہایت ہی ضروری خیال کرتا ہے۔ رسم غلامی کو قوم کے لئے مُضر نہیں تصوّر کرتا بلکہ اُس زمانے کے حالات کے اعتبار سے ضروری خیال کرتا ہے، عتیقہ کی مال گزاری میں اضافہ کرنے کی غرض سے حکومت سے یہاں تک سفارش کرتا ہے کہ کہ وہ غلاموں کو اجرت دے کر اُن سے معدنیات میں کام لے،

اگر غلام فرار ہونے کی کوشش کریں تو اُن کو داغے اور کاروباری منافع سے دوسرے غلام خرید کر تعداد میں اضافہ کرے۔

ارسطو

یونان میں شروع سے لے کر ارسطو کے زمانے تک، جو نظام خیالات تھا تقریباً سب کو خود ارسطو ہی نے اپنی تصنیف میں پیش کیا ہے اور اس لحاظ سے اُس کی تصنیف کو بحر المعارف کہنا بیجا نہ ہوگا۔ یوں تو ریاضیات اور علم ہیئت میں بعد میں چل کر ترقی ہوئی مگر عمرانیات کی بحث میں کوئی یونانی مصنف اس قدر محقق و متبحر نہیں معلوم ہوتا جس قدر کہ ارسطو، اور اس عالی مرتبت فلسفی کے تحریرات اُس کی زندہ شہادت ہیں، ارسطو کی خداداد قابلیت اور اُس کی زندگی کے حالات دونوں عمرانی تحقیق میں ممد و موثر ثابت ہوئے، اس فاضل میں باریک بینی کے ساتھ ساتھ قوت تعمیم اور زبردست قوت فیصلہ کے ساتھ رفاہ عام کا جوش، عدیم المثال طریقے پر موجود تھا، یونان کی سیاسی زندگی میں جو جو اہم اور اصلی چیزیں تھیں چونکہ ان سب کا ظہور اُس کے زمانے اور اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا اس لیے اُس کو وسیع پیمانے پر گوناگوں تجربے کر کے صحیح نتائج اخذ کرنے کا موقع ملا۔ اُس زمانے کے عوام کی زندگی سے علیحدہ اور دور رہ کر اس نے تدبر اور سنجیدگی کے ساتھ واقعات کا مشاہدہ کیا اور بے لاگ فیصلہ صادر کیا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض متذکرۂ بالا وجوہ کی بنا پر عمرانی تحقیقات کو وہ اس درجہ کامل نہ بنا سکا جس درجے تک کہ وہ اب پہنچ گئی ہے کیونکہ اُس نے اس حد سے تجاوز ہی نہیں کیا جس کو آجکل سکونی عمرانیات کہتے ہیں اور وہ عمرانی مظاہر کے تاریخی نشو و نما کے قوانین کا تصوّر ہی نہ رکھتا تھا بجز اس کے کہ سیاسی جماعتوں کے یکے بعد دیگرے آنے والے حالات کے ارتقا کے قوانین کا کچھ علم رکھتا ہو۔ لیکن اُسکی تحریروں سے

معاشری نظام کے اصول و عمل کے متعلق صحیح اور بیش بہا خیالات کا ایک ذخیرہ دستیاب ہوتا ہے۔ رہی معاشی مسائل پر کوئی خاص بحث تو وہ اس قدر مفصل اور وسیع نہیں ہے جو ہمارے مطالب کو پورا کر سکے۔ مثل دوسرے یونانی فلاسفہ کے وہ بھی صرف ایک نظریۂ مملکت کو تسلیم کرتا ہے جس کے تحت اخلاقیات، سیاسیات اور معاشیات بحیثیت مختلف شعبوں کے موجود ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں مگر ان مختلف شعبوں کے درمیان جو حدّ فاصل ہونی چاہیئے وہ بہت زیادہ نمایاں نہیں ہے۔ دولت سے بحث کرتے وقت وہ دولت کو بجائے خود ایک مقصد یا نصب العین نہیں قرار دیتا بلکہ معاشری زندگی کے اعلیٰ عناصر اور قریبی مقاصد کے لحاظ سے دولت پر نظر ڈالتا ہے۔

ارسطو نہایت معقول طریقے پر یہ ثابت کرتا ہے کہ قومیت کی ابتدا معاشی ضرورتوں کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ بنی نوع انسان کے جبلّی معاشری جذبات اُس کے محرّک و موجب ہیں اور معاشری اتحاد کی نوعیت کو کچھ تو قدرتی اثرات اور کچھ انسانی آئین و قوانین پر مبنی قرار دیتا ہے، لیکن ان دونوں اثرات کو معاشری اتحاد کے قیام و تعین کے لئے ناگزیر خیال کرنے کے باوجود، افراد کو جدّ و جہد میں آزادی حاصل ہونے کے خیال کا کافی احترام کرتا ہے، اور اسی بنا پر وضع آئین و قوانین میں انفرادی آزادی کا لحاظ رکھنا ضروری سمجھتا ہے اور افراد کو مملکت کا انتہائی دست نگر بنا کر اُن کی آزادی کو سلب کرنے اور اُن کی جدّت طبع کو دبانے کا سخت مخالف ہے، تاہم افلاطون کے مجوّزہ اشتراک اموال و اشتراک ازدواج کو وہ اپنی حکمراں جماعت میں رواج دینے کی اس بنا پر مخالفت کرتا ہے کہ اشتراک اموال قومی مفاد کے لئے مضرت رساں ہے اور اس سے امن عامہ میں

رخنہ پڑتا ہے، شخصی ملکیت کے اُصول کو انسانی فطرت کا جزو لاینفک سمجھتا ہے اور شخصی ملکیت کے نظام کی طرف جو خرابیاں منسوب کی جاتی تھیں اُن کو دراصل انسانی فطرت کی کمزوریوں یا دوسرے معاشرتی آئین و قوانین کی خرابیوں کا نتیجہ خیال کرتا ہے۔

قوم کی مادّی ضرورتیں پورا کرنے والے طبقے یعنی کاشتکاروں اور اہل حرفہ کو سرکاری عہدوں پر مقرر کرنے یا اُن کو نظم و نسق سلطنت میں کوئی حصّہ دینے کا ارسطو مخالف ہے اور اُن کو اس کام کا اس بنا پر نااہل خیال کرتا ہے کہ اوّل تو اُن کو خود اپنے کاموں سے فرصت
ملنا دشوار ہے اور دوسرے یہ کہ وہ اعلیٰ تعلیم و تربیت سے بے بہرہ 16
ہوتے ہیں، اور اس کے علاوہ خود اُن کے پیشوں کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ان میں اعلیٰ دماغی کام انجام دینے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ ارسطو ایک مقام پر رسم غلامی کے ایک نئے نظریئے کی توجیہ کرتا ہے اور اُس میں بتاتا ہے کہ غلامی کی بنیاد ایک طرف تو حکم اور اطاعت کے عام تعلق پر قائم ہے اور دوسری طرف اُس فطرتی تقسیم پر قائم ہے جس کی رو سے حاکم اور محکوم جماعتوں میں امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ وہ غلام کو کسی آزاد رائے کا مالک نہیں تصوّر کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ غلام اپنے آقا کے ہاتھ میں محض "ایک جاندار آلہ" ہے، اس موقع پر وہ یہ رائے بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر آقا آرام کی زندگی بسر کرنا چاہیں اور اس "جاندار آلے" کو بھی آرام دینا چاہیں تو یہ ضروری ہے کہ نہایت دانشمندی کے ساتھ اُس پر قابو رکھیں۔ مگر یہ خیالات جن سے موجودہ زمانے کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے، ارسطو کی ایجاد نہیں بلکہ یہ دراصل یونانیوں کی زندگی کے واقعات کا نظری پہلو ہیں اور ان سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اُس زمانے میں شہریوں کی ایک ___ ایسی جماعت کے دوش بدوش جو نہایت تربیت یافتہ اور مہذب تھی، ایک ایسا مظلوم طبقہ بھی موجود تھا جو ہیچ سمجھا جاتا تھا، اعلیٰ خدمات کی

انجام دہی سے محروم رکھا گیا تھا اور محض ایک خاص طبقے کی خدمتگزاری کے لیے وقف تھا۔

ارسطو معاشی اکتساب کے طریقوں کو دو حصّوں پر تقسیم کرتا ہے۔ ایک طریقہ ہے قدرتی پیداوار پر دسترس حاصل کرکے اُس سے روزمرّہ کی ضرورتیں پوری کرنا، مثلاً شکار، ماہی گیری، گلّہ بانی اور کاشتکاری وغیرہ اور اس ابتدائی اور "قدرتی" طریقے کے برعکس دوسرا طریقہ وہ ہے جس کو ارسطو "معاشی طریق" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس طریق میں زر کی وساطت سے پیداوار کا مبادلہ کیا جاتا ہے اور زر کمانے کے خیال سے مسابقت ومقابلہ کیا جاتا ہے، ارسطو موخرالذکر "مصنوعی" طریقے کو (جسے اوّل الذکر فطری طریق پیدائش کے برعکس اس نام سے موسوم کرنا زیادہ بہتر ہوگا) فطری طریق زندگی کے بعد آنے والا ضروری مرحلہ تصوّر کرتا ہے۔ اگرچہ وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ یہ طریقہ کثرت کار و بار کا لازمی نتیجہ ہے اور اس کے ذریعے سے احتیاجیں کما حقہٗ پوری ہوتی ہیں لیکن اس طریقے کو ناجائز منافع حاصل کرنے کی غرض سے اور منافع کو بے اعتدالی کے ساتھ عیش میں اُڑانے کی نیّت سے وسیع پیمانے پر ترقی دینا بہت ہی مذموم خیال کرتا ہے اور اس لحاظ سے اس طریق کو اخلاق بگاڑنے والی چیز سمجھتا ہے۔ ارسطو نے اس سوال پر محض اخلاقی حیثیت سے نظر ڈالی ہے، مگر بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی مثل اٹھارھویں صدی کے فطرائینوں کے صرف زراعت (بشمول گلّہ بانی وغیرہ کے) ہی کو ایک حقیقت میں پیداآور اور منفعت بخش پیشہ خیال کرتا تھا اور زراعت کے علاوہ دوسری صنعتوں کو، جو قدرتی پیداوار کی شکل وصورت میں تغیّر پیدا کرتی ہیں یا جو اس پیداوار کو بطریق مبادلہ تقسیم کرتی ہیں، غیر منفعت بخش خیال کرتا تھا یعنی یہ کہ وہ قومی دولت میں اضافہ نہیں کرتیں خواہ

17

وہ بظاہر کتنی ہی آسان و مفید کیوں نہ ہوں۔

ارسطو زر کو دولت سے ایک بالکل جداگانہ چیز قرار دیتا ہے۔ اور اس کا یہ تصور بالکل صحیح ہے، زر اور دولت کے فرق کو اُس نے میڈاس کی حکایت سے واضح کیا ہے۔ ارسطو اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ گو زر کا استعمال رسم و رواج پر مبنی ہے۔ لیکن زر کیلیے کوئی ایسی شے قرار دینی چاہیئے جس میں ذاتی قدر موجود ہو۔ سودی قرض کی مضرت ثابت کرنے میں اُس نے جو زبردست دلائل پیش کیے ہیں، اُن سے پتا چلتا ہے کہ اصل کا صحیح مفہوم اُس کے ذہن میں نہ تھا، سود کے لین دین کا وہ محض اس بنا پر مخالف ہے کہ "زر ایک بانجھ مرغی کی مانند ہے جو انڈے نہیں دے سکتی"۔

مثل یونان کے دوسرے علمائے عمرانیات کے ارسطو بھی حکومتوں سے اس امر کی سفارش کرتا ہے کہ وہ وسعت ملک اور آبادی کے مابین خاص تناسب کو ملحوظ رکھیں اور اس سلسلے میں ایک طرف تو یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ شہریوں کی تعداد معیّن و محدود رکھنے کی غرض سے تجرّد اختیار کرنا، شادی بیاہ میں تاخیر کرنا اور طفل کشی یا دوسرے تدابیر سے شرح تولید کم کرنا ضروری ہے۔ وہیں یہ بھی کہتا ہے کہ آبادی کی افراط و تفریط دونوں علی الترتیب قیام امن و امان اور مُلک کی آزادی کیلیے مضرت رساں اور خطرناک ہیں۔

رومی

ہر چند رومیوں کی طبیعت عملی، افادہ پسند اور حقیقی ضرورتوں کو سمجھنے والی تھی، مگر معاشی میدان میں اُنھوں نے کوئی کارنمایاں انجام نہیں دیا، جس طرح صنعتی کاروبار کی ترقی و وسعت میں اُنھوں نے کوئی حصّہ نہیں لیا اسی طرح تجارت بھی اُن کی بے توجہی کا شکار رہی، اُن کی تاریخی خدمت محض جنگ اور سیاسیات کی حد تک تھی اور اُن کی کوششیں زیادہ تر فتوح اور مُلک کے نظم و نسق میں صرف ہوئیں۔ اس میں شک نہیں کہ رومی ابتدا ہی سے

زراعت سے دلچسپی رکھتے تھے اور وہ تمام بہادر اور جفاکش سپاہی جن کے ہاتھوں متعدد ممالک فتح ہوئے اسی پیشے سے تعلق رکھتے تھے مگر انقلاب زمانہ کے ساتھ ملک کے پیشہ ور کاشتکاروں نے بتدریج کھیتی باڑی بھی ترک کردی، اور اُن کی بجائے غلاموں کا انبوہ کثیر جو رومیوں کے فتوح کے طفیل بڑھتا گیا، کھیتیوں میں اجرت پر کام کرنے لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے چھوٹے قطعات زمین
کی بجائے بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیریں[۱] قائم ہوگئیں اور بقول بلینی 18
یہی جاگیریں انجام کار اطالیہ کی تباہی و بربادی کا اصلی باعث ثابت ہوئیں۔ رومی، صنعتی فنون و تجارت اور بالخصوص چھوٹی موٹی دکانداری کو رذیل پیشہ سمجھتے تھے اور اُن کو آزاد شہریوں کی شان سے گرا ہوا تصور کرتے تھے، یہی نہیں کہ صرف تنگ خیال اور جاہل طبقہ ہی ان پیشوں کو بنظر حقارت دیکھتا ہو بلکہ سسرو کا سا علامہ اور دوسرے سربرآوردہ فلاسفہ بھی انھیں کے ہم خیال تھے۔

بعض رومی مصنف۔ رومیوں میں بلند پروازی اور اصلیت کے فقدان سے جیسی توقع ہوسکتی ہے، اطالیہ میں معاشی مباحث کے متعلق ہمیں کسی باقاعدہ اور سنجیدہ نظری تحقیق کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ اُنھوں نے معاشی مباحث پر یا دوسرے عمرانی مسائل کے متعلق جو کچھ خیالات ظاہر کئے ہیں ان سب کا ماخذ یونان کے فلاسفہ ہیں۔ رومیوں میں سے اگر کسی نے معاشی معاملات کے متعلق تھوڑے بہت اصلی خیالات کا اظہار کیا تو وہ ایک تو گروہ فلاسفہ ہے، دوسرے وہ مصنف ہیں جنھوں نے دیہاتیوں کے حالات زندگی قلمبند کئے، اور تیسرے مقنن ہیں۔ ان تینوں طبقوں کی مجموعی تحریرات پر نظر کر کے بعض اہل الرائے رومیوں کو معاشیات کی تاریخ میں

۱؎ Latifundia

خاص مرتبہ دینے کے مدّعی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے، جیساکہ ان تحریروں
پر نظر غائر ڈال لینے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان میں سوائے بیّن حقائق اور مبہم
تعمیمات کے اور کچھ نہیں ہے۔

رومی فلاسفہ

سِسرو، سے نیکا اور پلینی اعظم جیسے مشہور و معروف
فلاسفہ نے (موخّر الذّکر فلسفی ہونے کے اعتبار
سے جس قدر شہرت رکھتا ہے اُس سے کہیں زیادہ لغوی اور مورّخ
ہونے کی حیثیت سے مشہور ہے) صنعت کے زوال یا عوام کے
اخلاق کی مبتذل حالت اور اپنے ہم وطنوں کی نفس پرستی اور عیش پسندی
کے متعلق خیالات ظاہر کئے ہیں اور اُن کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے
کہ اُس زمانے میں مفتوحہ قوموں کے معائب اور نقائص رومیوں
کی فطرت ثانیہ بنے ہوئے تھے۔ ان تحریروں کے علاوہ اُس زمانے
کی نظمیں اور مختلف تحریریں ملتی ہیں اُن سے زراعت کی تصنّع آمیز
طرفداری اور دیہاتی زندگی اور قدیم رومی عادات و خصائل کی مبالغہ آمیز
مدح سرائی ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس طرح روسو
نے اپنے زمانے کی خرابیوں کے خلاف آواز بلند کی تھی اسی طرح
متذکرۂ بالا تحریریں بھی رومیوں کے معائب و نقائص کے خلاف
ایک طرح کی صدائے احتجاج تھیں، لیکن ان میں بھی مثلِ روسو کے تحریرات
کے، مروّجہ معاشی نقائص اور اُن کی اصلاح کے بارے میں نہ تو سنجیدہ 19
خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور نہ کوئی تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ پلینی،
روسو کے انداز میں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تجارت و مبادلات
میں زر کو استعمال کرنے کی مخالفت کرتا ہے اور اشیا کے اَدل بدل
کے طریق کو طریق مبادلہ زر اور استعمال زر پر ہر طرح فوقیت دیتا ہے، اور
موجودہ زمانے کے تجارئین کے مثل زر کی برآمد کو روکنے کی ضرورت
پر زور دیتا ہے۔ پلینی کی آخری رائے کو سسرو اس قدر شدّ و مدّ کے ساتھ
نہیں پیش کرتا مگر بظاہر اُس کا موّید معلوم ہوتا ہے۔ کیٹو، ویرو اور کالومیلا

نے صنعتی ترقی و معاشری خوش حالی کے عام حالات پر بحث کی، لیکن اس سے زیادہ فن زراعت کے بارے میں انھوں نے مشورے دیئے۔ موخر الذکر دونوں مصنفوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آزاد مزدور کو غلام پر ہر طرح مرجح خیال کرتے ہیں اور کالو میلا، رومہ میں زراعت کی تنزل پذیری و انحطاط کو رسم غلامی کی طرف منسوب کرتا ہے، مگر تینوں اس امر پر متفق ہیں کہ فقط زراعت کی تجدید و تنظیم کے ذریعے سے رومیوں کی خوفناک اور روز افزوں اخلاقی خرابیوں کا سدباب کیا جاسکتا ہے، ان میں قدیم صفات پیدا کی جاسکتی ہیں، اور جمہوریت ایک مضبوط بنیاد پر قائم ہوسکتی ہے۔ ان تینوں کے خیالات اور فطرآئینوں کے خیالات میں اس لحاظ سے نمایاں مماثلت پائی جاتی ہے کہ فطرآئینوں نے بھی اپنے زمانے کی اخلاقی خرابیوں کی اصلاح کرنے اور معاشری نقائص کے دور کرنے کا طریقہ کاشتکاری اور زراعت کی اصلاح کو قرار دیا۔ یہ سوال کہ فوائد کے لحاظ سے زراعت بر پیمانۂ کبیر بہتر ہے یا پیمانۂ صغیر پر، جس طرح آجکل یورپ میں بحث طلب ہے اسی طرح رومی دنیا میں بھی حل طلب رہا۔ مگر کالو میلا زراعت بر پیمانۂ صغیر کا قطعی طور پر طرفدار معلوم ہوتا ہے۔

رومی مقنن۔ اصول قانون اور معاشیات کے نقطۂ نظر میں بعض اوقات جو توافق و تطابق واقع ہوتا ہے اُس کے لحاظ سے مقنن واقعات کو خاص ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ان میں کم و بیش دقیق فرق قائم کرتے ہیں، چنانچہ ان طریقوں کو موجودہ زمانے کے علمائے معاشیات نے یا تو مقننوں سے سیکھ کر اختیار کیا ہے یا خود اپنے طور پر ایجاد کر لیا ہے۔ بہر حال زر کی نوعیت کے متعلق مقننوں کے خیالات بظاہر صحیح معلوم ہوتے ہیں، مقنن تسلیم کرتے ہیں کہ زر میں قدر ذاتی موجود ہے، یہ قدر نہ رسم و رواج سے متاثر ہوسکتی ہے اور

نہ سرکاری قواعد وضوابط اس میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں بلکہ یہ محض معاشی حالات کی بنا پر متعین ہوتی ہے۔ نیبری اور کار کی اس خیال کے مؤید ہیں، مگر ییگ نینی مخالف ہے۔ لیکن ہم اپنی توقع کے مطابق عام
20 طور پر یہی دیکھتے ہیں کہ ان مصنفوں کی تحریریں اصلی خیالات و آزادانہ تصورات پر مبنی نہیں ہیں بلکہ محض رومیوں کے واقعات زندگی کو بیان کرتی ہیں اور ان میں حکومت کی معاشی حکمت عملی پر تاریخی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس آخری نقطۂ نظر سے یہ تحریریں نہایت دلچسپ ہیں، کیونکہ ملکیت و جائداد اور اُن کے قبضے کے متعلق وقتاً فوقتاً کیا قوانین نافذ کئے گئے، مسرفوں پر کونسی بندشیں عائد کی گئیں، غلاموں کا کیا درجہ رکھا گیا تھا اور بہبود عام اور دیگر امور کے لئے عہد بعہد کون کون سے قوانین وضع کئے گئے، یہ سب حال اُن تحریروں سے معلوم ہوتا ہے اور اسی ذریعے سے اُن حالات کا بھی بخوبی علم ہوتا ہے جن کا اثر ایک مدت دراز تک تاریخ رومہ میں اور اس کے بعد تاریخ یورپ میں قوی رہا۔ لیکن یہاں ان کی بحث بالکل فضول ہے اس لئے کہ ہمارا تعلق معاشیات کے اُصول کے ایک خاص اور محدود دائرے سے ہے۔ البتہ صرف ایک سوال یعنی زر قرض پر سود کے لین دین کا سوال قابل توجہ ہے کیونکہ اس کے متعلق نہ صرف وقتاً فوقتاً قوانین وضع کئے جاتے تھے بلکہ مشہور رومی مصنفوں نے بھی اس سے بحث کی ہے۔

شرح سود کا تعین اور سود کے لین دین کا سوال۔

پہلے تو دوازدہ الواح[۱] کے قوانین کی رو سے شرح سود مقرر ہوتی رہی مگر بعد میں (۳۴۱ ق م) جینوسی قانون[۲] کی رو سے سود پر قرض دینا قطعاً ممنوع قرار پایا۔

۱؎ Twelve Tables

۲؎ Genucian Law

جسٹی نیئن نے ایک قانون وضع کیا جس کی رو سے بلحاظ نوعیت معاملہ ۴ سے لے کر ۸ فی صدی تک سود جائز قرار دیا گیا۔ تجارتی اغراض کے لئے ۸ فی صدی سود جائز تھا مگر سود در سود کا لینا قطعی طور سے ممنوع تھا۔ جملہ رومی حکما اور محققین متفقہ طور پر سودی قرض کے لین دین کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ بقول سسِرو، کیٹو سود کا لین دین قتل عمد کے مساوی سنگین جرم سمجھتا تھا۔ سسِرو، پلینی اور کالومیلا متحدہ طور پر سود کے لین دین کو مذموم قرار دیتے ہیں۔ اس امر کی توجیہ چنداں مشکل نہیں کہ ابتدائی عہدوں میں سود کا لین دین کیوں ناجائز قرار دیا گیا تھا، وجہ یہ تھی کہ ان عہدوں میں افراد قوم کی حالت عام طور پر خستہ و خراب تھی اور تمدن نے معقول ترقی نہ کی تھی مگر ایک ایسے دور میں جبکہ تاجرانہ کاروبار نے معقول ترقی کر لی ہو ان مصنفین کا سود کے لین دین کی برابر مخالفت کئے جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل کی نوعیت اور اصیل کی کارگزاری کے متعلق ان کے خیالات بالکل ادھورے اور مبہم تھے مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ سود کے لین دین کے متعلق امتناعی قوانین اور قواعد وضع کئے جانے کے باوجود عوام نے ان کی مطلق پروانہ کی اور سود کا لین دین جاری رہا۔ تاریخ اور تجربے سے بھی اس بات کا ثبوت ملے گا کہ اگر عوام رضامند نہ ہوں اور مخالفت پر تلے رہیں تو قانون یا کسی اصول کی تعمیل اور پابندی کسی قدر مشکل ہی سے کرائی جا سکتی ہے خاصکر سود کے بارے میں رومیوں کی مثال اس سے مستثنیٰ نہ تھی، قانون مذکور کا کچھ بھی اثر نہ ہوا، انھوں نے زر کی تجارت کو برابر جاری رکھا، اور بازار کی حالت کے مطابق شرح سود میں تخفیف و اضافہ ہوتا رہا۔ 21

معاشی سوالات کے بارے میں قدما کا نقطۂ نظر اور زمانۂ قدیم میں

قدیم معاشی تحقیقات کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ لمبی طریق پر نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ اس میدان میں یونانیوں اور رومیوں کی

معاشی تحقیقات کی عام حالت۔

حوصلہ مندیاں بہت ہی محدود تھیں۔ ڈمیورنگ کی یہ رائے کہ قدیم فلاسفہ نے معاشی سوالات پر بجائے حقیقی معاشی نقطۂ نظر کے سیاسی حیثیت سے نظر ڈالی بالکل صحیح ہے اور جیساکہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مسئلۂ آبادی پر اُنھوں نے محض سیاسی نقطۂ نظر سے بحث کی۔ علیٰ ہٰذا تقسیم عمل کی بحث میں بھی یہی بات نظر آتی ہے۔ مثلاً اگرچہ افلاطون اور ارسطو نے تقسیم عمل کے مسئلے پر صرف جزدی حیثیت سے روشنی ڈالی، مگر دونوں کا نقطۂ نظر محض معاشری و سیاسی تھا یعنی وہ یا تو اُصول تقسیم عمل کو معاشری جماعت بندیوں کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہیں یا صرف اس حیثیت سے اس اُصول کو پیش کرتے ہیں کہ گویا مختلف عملوں کے طبیعی اتحاد باہمی پر قومیت مبنی ہے لیکن حقیقی معاشی نقطۂ نظر سے تقسیم عمل کے متعلق تین اہم قضیئے بیان کئے جا سکتے ہیں وہو ہٰذا:۔

(۱) پیدائش کے کسی شعبے میں تقسیم عمل کو وسیع پیمانے پر رواج دینے سے پیداوار ارزاں ہوتی ہے۔

(۲) تقسیم عمل کا مدار بازار کی وسعت پر ہے۔

(۳) بمقابلۂ زراعت صنعت میں عمل کی تقسیم زیادہ وسیع پیمانے پر ہو سکتی ہے لیکن ان قضیوں میں سے ایک بھی افلاطون و ارسطو یا دوسرے قدیم مصنفوں کی تصانیف میں نہیں ملتا بلکہ قدیم تحریروں میں ان کا تلاش کرنا محض تحصیل حاصل ہے۔ البتہ صرف پہلا قضیہ ایک حد تک اُن کی بحثوں سے مستخرج ہوتا ہے۔

قدما کی تحقیقات کے بارے میں جرمنی کے معاشیئین کی رائے

قدما نے علم معاشیات میں جو اضافہ کیا، اس اضافے کی وسعت اور اُس کے فائدے کو جرمانی علمائے فن بہت زیادہ مبالغے کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ہم بھی اس بات کا یقین دلا سکتے ہیں کہ معاشی

ترقی کے کسی تاریخی تبصرے میں یونانی اور رومی مصنفین کو نظر انداز کرنا بڑی سخت غلطی ہے مگر یہ بھی بخوبی ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ یونانیوں اور رومیوں کی تحریروں سے معاشی حقائق کے متعلق محض ابتدائی معلومات اور سطحی اشارات حاصل ہوتے ہیں۔ معاشیات نے تو موجودہ زمانے میں علم کی شان حاصل کی، چنانچہ ہمیں آئندہ صفحات میں یہی دکھانا مقصود ہے کہ علم معاشیات درحقیقت کبھی دور جدید سے پہلے اپنی موجودہ حالت میں مدون ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

تیسرا باب

قرونِ وسطیٰ

(۴۰۰ عیسوی سے ۱۴۰۰ عیسوی تک)

(۱) قرونِ وسطیٰ کی اہمیت (۲) عہدِ قدیم کے تین دور (۳) جاگیری نظام (۴) کیتھولیکیت (۵) صلیبی جنگوں کا اثر (۶) مذہبی مقننِ (۷) سنت تامس اکوئیناس (۸) مزدوروں کی آزادی، رسمِ غلامی کا انسداد (۹) صنعتی ترقی (۱۰) مجالسِ تجارت۔

قرونِ وسطیٰ کی اہمیت۔ قرونِ وسطیٰ کو مثل یورپ کی عام تاریخ کے معاشی تاریخ میں بھی خاصی اہمیت حاصل ہے۔ اس عہد میں انقلابِ عظیم کا ظہور ہوا اور اُسی میں دَورِ جدید کے تخم بوئے گئے اگرچہ اُن کے نتائج بعد کے عہد میں چل کر نمودار ہوئے۔ یورپ جدید جن جن اہم تحریکات کا مظہر بنا رہا اُن میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو قرونِ وسطیٰ میں موجود نہ ہو، اگرچہ وہ نہایت ہی ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ حالت میں پائی جاتی ہے۔ 22

ایک اعتراض اور اُس کا جواب۔

گزشتہ صدی کی آزاد خیال جماعتوں میں اس بنا پر عہد متوسط کی کوئی وقعت نہیں کی جاتی کہ اُس میں علم و ادب نے بہت کم ترقی پائی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بنی نوع انسان کے لیے ادبیات سے کہیں زیادہ دوسری چیزیں اہم ہیں۔ اگر عہد متوسطہ کے مشاہیر نے ادبیات کی طرف توجّہ نہ کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرف متوجہ رہے اور اُنھیں میں اُن کی تمام تر کوششیں صرف ہوئیں۔ کئی صدیوں تک اکثر بلند پایہ فلاسفہ اور عملی لوگ کیتھولک آئین و ضوابط کی تنظیم و ترقّی میں مصروف رہے اور امن و امان کا تدریجی قیام و دوام، جو "مغربی" سلطنت کی شکست و زوال کے بعد نہایت ضروری تھا، اُن کی پوری توجّہ کا مرکز بنا رہا۔

قرون وسطیٰ کے تین دور۔

(۱) پہلا دور سنہ ۴۰۰ع سے سنہ ۸۰۰ع (۲) دوسرا دور سنہ ۸۰۰ع سے سنہ ۱۱۰۰ع اور (۳) تیسرا دور سنہ ۱۱۰۰ع سے سنہ ۱۴۰۰ع تک۔ پہلے دور میں ایک نئے کلیسائی و معاشری نظام کی تاسیس و تکوین کی سخت پُرآشوب کشمکش جاری رہی۔ دوسرے دور میں اس نظام کو حملہ آور قوموں کی دست بُرد سے محفوظ و مصئون رکھنے اور اُس کو مستحکم کرنے میں کوششیں صرف ہوئیں۔ صرف آخری دور میں جبکہ مسلمانوں کے خلاف متّفقہ طور پر جنگی کارروائی کرنے کے خیال سے عیسائی قوموں میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہوئی اُس وقت کہیں یورپ کے لئے سکون و اطمینان کی حالت نصیب ہوئی اور اُس دور کی اصلی خصوصیت رونما ہوئی اور بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوئے۔

جاگیریت و کیتھولکیت۔ اس تمام عہد میں جاگیریت نشو و نما پاتی رہی، اس نظام نے ابتدا میں مختلف جماعتوں کا زور توڑا اور سب کی درجہ وار تقسیم کرکے اُن پر جماعت وار نگرانی قائم کی۔ صرف دوسرے

دور میں اس کی تحریک شارل مین کے فائدہ رساں تسلّط و مطلق العنانی کی وجہ سے عارضی طور پر معرضِ التوا میں پڑ گئی تھی لیکن آخری دور کی پہلی صدی سے قبل جاگیریت کامل طور پر منضبط و منتظم نہ ہوئی۔ علیٰ ہذا آخری دور ہی میں کیتھولکیت کی تحریک بڑے پیمانے پر شروع ہوئی۔ اگرچہ کیتھولکیت کا تسلّط قائم کرنے میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی لیکن اس کی سعی و کوشش ہمیشہ قابلِ داد و ستائش رہے گی۔

جاگیری نظام۔ جاگیریت کے کامل تسلّط و عروج کے زمانے میں صنعت و تجارت کی ترقی کی کوشش ناممکن تھی۔ اگرچہ جیساکہ فلسفۂ تاریخ کے اکثر علما کا قول ہے، جاگیرداری نظام قیامِ امن و امان اور حفاظتِ عامہ کے لئے ناگزیر تھا اور اُس کی بدولت عام تہذیب میں اہم عناصر کا اضافہ ہوا، نیز ہم اس نظام کو اُس زمانے کے لیے موزوں اور نفع رساں بھی تسلیم کر سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم اس بات کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ اس نظام میں وہ تمام خوبیاں بھی موجود تھیں جو اُس کی اصلی نوعیت اور اُس کی تاریخی خدمت سے بہت بُعد رکھتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس نظام میں جس جماعت کو غلبہ حاصل تھا وہ صنعت سے مطلقاً کوئی دلچسپی نہ رکھتی تھی یہ جماعت دستکاروں کو اور اُن کے پیشے کو حقارت سے دیکھتی تھی بجز اُن پیشوں کے جو جنگ سے اور جاگیرداروں کے تفریحی مشاغل سے متعلق تھے۔ گویا افرادِ قوم کی معاشی زندگی کا مدار بیشتر جائدادِ غیر منقولہ کی ملکیت اور زراعت پر تھا۔ جاگیردار کی آمدنی کا ذریعہ اُس کے کھیتوں کی پیداوار اور لگان تھا اور یہ آمدنی نہ صرف جاگیردار کی ضرورتیں پوری کرتی تھی بلکہ اُس کے خدّام کی خدمت کے معاوضے میں اور اُس کے متوسّلین کی پرورش میں صرف ہوتی تھی گویا اس طرح نہ تو صنعت و حرفت میں حصّہ لینے ہی کی ضرورت تھی اور نہ ان کی کوئی گنجائش ہی باقی رہی اور تجارت میں تو اتنا موقع بھی نہ تھا۔ جاگیردار

اپنے اپنے کھیتوں پر صرف اتنی کاشت کرتے تھے جس سے اُن کے خاندانوں کی یا زیادہ سے زیادہ اُن کے گرد و پیش کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں، اسی لیے زرعی پیداوار کے بازار کے وسیع ہونے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔ مختصر یہ کہ اس دور کی معیشت نہایت ہی سادہ اور خارجی محرکات کی عدم موجودگی کی وجہ سے غیر ترقی پذیر رہی۔

صلیبی جنگوں کا اثر۔

مگر قرونِ وسطیٰ کے آخری حصے میں بہت سے ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے جن سے متذکرۂ بالا حالات میں تغیرِ عظیم واقع ہوا۔ صلیبی جنگوں نے معاشی زندگی کو بڑی حد تک متاثر کیا۔ یعنی اکثر صورتوں میں یہ ہوا کہ جاگیرداروں کی جائدادیں اور املاک اُن کے ہاتھوں سے نکل کر اہلِ حرفہ کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔ مختلف قوموں اور فرقوں کا باہمی ربط و اتحاد بڑھ جانے سے خیالات
میں وسعت پیدا ہو گئی اور معلومات میں اضافہ ہوتا گیا، فنِ جہازرانی 24
میں خاصی ترقی ہو جانے کی وجہ سے تجارت بین الاقوام کے جسدِ مُردہ میں نئی جان پڑ گئی، شہروں کی آزادی اور شہری جماعت کی روز افزوں اہمیت نے جاگیرداروں کے لیے متوازن قوت کا کام کیا، اور اُن معاشی عناصر کو صنعت کے باقاعدہ انتظام سے مزید تقویت حاصل ہو گئی۔ دیہات میں تو جاگیری نظام مسلط رہا مگر شہروں میں اہلِ حرفہ کی جماعت غلبہ رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ ہر طرف حرفتی و تجارتی جتھے قائم ہو گئے۔ شہروں میں جتنی جتنی زرعی پیداوار کی مانگ زیادہ ہوتی گئی اتنا اتنا دیہات میں کھیتی باڑی کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ صرف ہونے لگی، اس طرح فنِ زراعت کی ترقی کے دن آئے اور اس میں تحقیقات کا میدان وسیع ہوا۔ ان تمام تغیرات و ترقیات کے سلسلے میں وسائل باربرداری اور ذرائع آمد و رفت کی بھی بہت کچھ اصلاح و توسیع ہو گئی۔ مگر تجارتی حوصلہ مندیوں کا دائرہ ہر جگہ تنگ ہی رہا۔ لیکن خاص خاص مرکزوں میں جہاں تجارت کے لئے حالات موافق تھے تجارت و صنعت نے

البتہ ترقّی کی ۔چنانچہ اطالوی جمہوریتوں کی یہی حالت رہی ۔لیکن یہاں بھی فوجی حوصلہ مندیوں نے ان تمام عادات وصفات کی ترقّی میں جو صنعتی پیشے کے لئے ضروری ہیں رکاوٹیں پیدا کیں۔ کیونکہ دوسرے ممالک کے برعکس یہاں کے طبقۂ امرا کا دباؤ تجارتی طبقوں کی فوجی حوصلہ مندیوں کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

کیتھولک اصول اور اُن کا اثر۔

انسان کے مستقبل اور اُس کے کردار کے اساسی اُصول کے متعلّق خیالات میں جو انقلاب عظیم ہوتا ہے، مادّی اغراض پر اُس کا اثر پڑنا ضروری ہے، اسی لئے کیتھولکیت کی تحریک بھی اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ مذہب کیتھولک نے قرونِ وسطیٰ کی معاشی زندگی کو بڑی حد تک متاثّر کیا، اس مذہب نے جفاکشی، کفایت شعاری، دیانت اور حکومت وقت کی اطاعت وغیرہ خاص خاص معاشی محاسن کی تعلیم اپنے سے زیادہ قدیم مذہبوں سے بہتر طریقے پر تو غالباً نہ دی مگر زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو ان مذہبوں سے زیادہ شد و مد کے ساتھ پیش کیا، اور زیادہ موثر طریقے پر سکھایا اور اس طرح مختلف معاشری تعلّقات کو ایک سطح مرتفع سے دیکھنے کا موقع بہم پہنچایا اور گھر کی زندگی کے بہت سے نقائص دور کئے۔ اس مذہب نے انسانوں کو اُصول مساوات کا سبق سکھایا، مزدوروں کے وقار کو بڑھایا اور محبّت، رحم، عفو اور غربا کے حقوق ملحوظ رکھنے کی خصوصیت کے ساتھ تعلیم دی۔ ان تمام معاشری اصلاحوں سے معاشی زندگی میں بہت کچھ اصلاح ہوگئی اور متعدد اہم معاشی نتائج پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ نئے نئے خیالات عام دل و دماغ کے سامنے
مسلسل پیش ہوتے رہے اور اُن پر کوئی معقول اعتراض بھی علما کے 25
کسی گروہ یا کسی فرقے کی طرف سے نہ ہوا، اس لئے عوام کے قلوب پر

ان خیالات کا اخلاقی اثر پڑنا ایک ناگزیر امر تھا۔

کیتھولکیت کا معاشی مسئلہ۔

اس اثر کے علاوہ کلیسا کا بھی اثر پڑا، کلیسا ایک منتظم جماعت کی حیثیت سے مذہب کے اُصول کی تعلیم دینے اور اُن کی تعمیل کرانے کا ذریعہ تھا۔ مذہبی کتابوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کلیسائی قوانین بھی "اہل ایمان" کی ہدایت کی غرض سے وضع کئے گئے تھے اور یہ ہدایت نہ صرف معاشرتی زندگی کی حد تک تھی بلکہ معاشی جدّ و جہد بھی اس میں شامل کر دی گئی تھی۔ اس طرح صدہا سال کی تیاری اور کوششوں کے بعد مذہبی قوانین کا ایک مجموعہ مرتّب ہوا، اس میں دوسری بہت سی باتوں کے علاوہ ایک وہ چیز بھی ہے جسکو "کیتھولکیت کے مسئلۂ معاشی" سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں "مسئلہ" سے مراد کوئی مدلّل تشریح یا نظریہ نہیں ہے، بلکہ صرف ایسے خیالات عبارت ہیں جو طریق عمل کے متعلق تجاویز یا مشوروں کی حیثیت رکھتے ہیں؛ اس مسئلے میں زندگی پر روحانی فلاح و بہبود کے اعتبار سے نظر ڈالی گئی ہے اور انسانوں میں ایک حقیقی خدائی حکومت کا قائم و رائج کرنا اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے:۔

مذہبی مقنن اور اُن کے معاشی خیالات۔

جذبات کا جہاں تک تعلق ہے، مذہبی مقنن اشتراک اموال کے تصور کو اپنے پاس جگہ دیتے ہیں، اُن کا قول ہے کہ "اشتراک اموال نہایت خوش گوار چیز ہے" اگرچہ وہ ما و شما کے امتیاز کو ایسی رسم خیال کرتے ہیں جو حضرت آدم کے خلد سے اخراج کی بنا پر ضروری ہو گئی ہے۔ لیکن اُن کی دانست میں ضرورت کے وقت حکومت قدیمی اشتراک کو دوبارہ قائم و رائج کرنے میں حق بجانب ہے، مفلسوں اور معذوروں کی دستگیری اور اعانت کو وہ کسی شخص کی مرضی اور اختیار پر نہیں چھوڑتے بلکہ اُن کی جملہ ضرورتوں کی بہم رسانی کے فرض کو ہر شخص پر قانوناً عائد کرنا چاہتے ہیں۔

اُن کے نزدیک لالچ بُت پرستی کے برابر ہے اور حرص خواہ اُس سے دوسروں کے اغراض کو صدمہ پہنچے یا نہ پہنچے، امّ الخبائث ہے اسی لیے وہ حرص وہوا کا وجود مٹانا چاہتے ہیں۔ اُن کی نظر میں زراعت اور دستکاری ضروریات حیات پورا کرنے کا جائز اور حلال طریقہ ہے مگر وہ تجارت کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اُس زمانے میں عام طور پر یہ بات ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ تجارت مکر وفریب اور ریاکاری کی تعلیم دیتی ہے، چنانچہ زراعت کے متعلق تو یہ کہا جاتا تھا کہ "خدا اس کو ناپسند نہیں کرتا" مگر تاجر کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ "خدا کو اُس کی کارگزاری اچھی نہیں معلوم ہوتی" ہر فروشندہ قانوناً اس بات پر مجبور کیا جاتا تھا کہ اشیاء کی قیمت اُن کی اصلی لاگت اور صرفے کے حساب سے وصول کرے اور اُن کی قیمت بازاری شرح کے مطابق مقرر نہ کرے جیسا کہ قانون توازن طلب ورسد کی بنا پر قرار پاتی ہے، تاجر کے لئے اپنے مال تجارت کے نقائص کو خریدار سے پوشیدہ رکھنا اور خریدار کی ضرورت یا جہالت سے فائدہ اُٹھاکر واجبی قیمت سے زیادہ وصول کرنا قانونی جُرم تھا۔ سود کالین دین بھی قانوناً ممنوع قرار دیا گیا تھا، 26
بقول روشر سود خواری کی ممانعت مذہبی قانون کے پورے معاشی نظام کا مرکز تھی اور کلیسا کے قانون کا بیشتر حصّہ اسی پر مبنی تھا۔ چونکہ سود خواری فریقین کی رضا ورغبت سے ہر لین دین میں ہوسکتی تھی اسلیے ایسے فعل کے قابل اعتراض ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے اُس کی حرمت اور جواز کا فیصلہ صحیح معنوں میں کلیسا پر ٹھہرا، یعنی ایسے معاملات کا تصفیہ یا تو کلیسا کے مجتہد کرتے تھے یا کلیسائی عدالتیں۔

اس میں شک نہیں کہ مندرجۂ بالا اُصول وقوانین میں نہایت ہی اعلیٰ وارفع مقصد پیش نظر تھا مگر بعض اوقات شدید مذہبی سختیوں کی وجہ سے یہی اُصول وقوانین صنعتی ترقی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے لگے، مثلاً اضافۂ آبادی کے ساتھ پیشوں اور کاموں کی تقسیم تو وسیع اور مستحکم ہوگئی

اور اس طرح مشاغل اصل کے لیے نہایت وسیع میدان نکل آیا مگر قوانین ربا اس قسم کی ترقی میں مزاحم بن گئے، پھر بھی ترقی کا قدرتی سیلاب ایسی کمزور مصنوعی بندشوں سے بھلا کب رُکنے والا تھا، ہر شخص نے قوانین کے خلاف عمل کرنا شروع کر دیا۔ کاروبار کی شکلیں بدل بدل کر اور قانونی گرفت سے بچ بچ کر سود خواری برابر جاری رکھی گئی۔ حتّٰی کہ بے شمار مستثنیات کے پیدا ہو جانے سے قانون اپنے منشا کی پابندی کرانے سے قاصر ہوتا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے قوانین معاشری زندگی کے شروع شروع زمانے میں مرتب ہوئے تھے اور یہ تھے بھی اُسی زمانے کے لیے موزوں، اس لیے کہ اُس زمانے میں روپیہ یا تو تعیشات اور دوسرے خرافات میں خرچ کرنے کی نیت سے قرض لیا جاتا تھا یا جیسا کہ عیسائی رحم دلی کا مقصد ہو سکتا تھا، مستحقین اور معذورین کی امداد و خیرات کی غرض سے حاصل کیا جاتا تھا اور ان حالتوں میں ان قوانین کا نفاذ نہ صرف جائز و درست بلکہ ضروری بھی تھا۔ مگر ایسے دور میں کہ جس میں کاروباری اولوالعزمیوں کے لیے مزدوروں کی اجرت ادا کرنے اور اشیائے خام خریدنے کے لیے روپے کی شدید ضرورت ہو اور روپیہ قرض لیا جاتا ہو سود خواری کے بارے میں امتناعی قوانین کا وضع یا نافذ کرنا بالکل مہمل اور ناموزوں تھا۔ مذہبی پیشوا مثل دوسرے معاملات کے اس معاملے میں بھی زمانے کی رفتار اور بدلنے والے حالات کا ساتھ نہ دے سکے، اور یہ اُن کی خود رائی اور ہٹ دھرمی تھی کہ قوم کے تغیر یافتہ حالات کے مطابق عملی قواعد کا مرتب کرنا یا پہلے کے قواعد و ضوابط میں ترمیم کرنا وہ گوارا نہ کر سکتے تھے۔ اس معاملے میں تو ان علما اور پیشواؤں سے جاہل عوام ہی غنیمت تھے کیونکہ اُنھوں نے صنعتی زندگی کی اساسی ضرورتوں کو زیادہ بہتر طریقے پر سمجھ لیا۔

ذہنی گرما گرمی کے آثار۔ سنٹ ٹامس اکوئیناس۔

یہ تو ظاہر ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے بڑے حصے میں ذہنی و عقلی ترقی، معاشری مشاغل کی بنا پر رُکی رہی، مگر اس

عہد کے اختتام پر ذہنی گرماگرمی میں حیات تازہ کے آثار نمودار ہوئے اور انسانی معاملات کو بہتر اور معقول طریقے پر سمجھنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اس ضرورت کو، بہترین یونانی نظریات کے نتائج کو بطور بنیاد تسلیم کر کے، پورا کیا گیا۔ چنانچہ سنٹ تامس اکوئیناس نے اپنی تحریروں اور تالیفوں میں ارسطو کے سیاسی و معاشی اُصول کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ پیش کیا ہے اور عیسائی مذہب کے نقطۂ نظر سے ان
127 اصولوں میں اپنی طرف سے کہیں کہیں اضافہ یا تخفیف کی ہے۔ اکوئیناس اپنے اُستاد ارسطو کا کس حد تک معتقد تھا، اس بات سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی ایک کتاب[1] میں (اگر حقیقت میں یہ اُس کی تصنیف ہے) ارسطو کے نظریۂ غلامی کو بجنسہٖ تسلیم کیا ہے، حالانکہ خود اکوئیناس کے زمانے میں حکومتیں اور قومیں رسم غلامی کے باقی ماندہ نشانات کو یورپ کے ممالک سے مٹانے اور دور کرنے میں مصروف عمل تھیں۔

رسم غلامی کا انسداد اور مزدوروں کی آزادی۔

اس رسم کو مٹانے کی کوشش وہ یادگار کام ہے جس کو قرون وسطیٰ کا اہم ترین عملی نتیجہ کہنا چاہیے۔ چنانچہ اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ غلامی کے بدلے مزدوروں کو آزادی نصیب ہوئی جس سے صنعتی و معاشرتی زندگی میں عظیم انقلاب ہو گیا۔ مزدوروں کی آزادی کی تحریک میں سب سے پہلی منزل یہ تھی کہ حقیقی غلامی زرعی غلامی سے مبدل ہو گئی۔ زرعی غلام کی قسمت زرعی زمین کے ساتھ وابستہ تھی، زرعی غلام کی نقل و حرکت پر نگرانی قائم تھی، اُس کے خاندانی تعلقات نہایت محدود و مختصر تھے، اگرچہ اُس کو اتنی وقعت ضرور حاصل تھی کہ وہ قوم کی مذہبی زندگی میں شریک کیا جاتا تھا مگر اُس کی زندگی کے عام حالات اُس سے زیادہ آزادی کے مقتضی تھے اور اُس

لہ De Regimine Principum

زمانے کے خیالات وجذبات کا رجحان بھی اسی طرف تھا۔ بمقابلہ دیہات کے قصبوں میں زرعی غلامی کی رسم کا بہت جلد خاتمہ ہوا یعنی دوسری منزل میں تمام شہروں اور قصبوں سے زرعی غلامی ناپید ہوگئی۔ اور تیسری منزل میں دیہات سے بھی اس کا نام ونشان مٹ گیا۔ دیہات سے یہ رسم کیوں ناپید ہوئی، اس کو آدم اسمتھ ذاتی اغراض کی طرف منسوب کرتا ہے اور اُس کی رائے ایک حد تک معقولیت رکھتی ہے، اس لیے کہ ایک طرف تو مالکان زمین آزاد مزدوروں سے کاشت کروانا اور اُن سے محض اُجرت پر کام لینا اپنے ذاتی مفاد کے لیے زیادہ مناسب سمجھتے تھے کیونکہ اس طریقے پر پیداوار زیادہ مقدار میں اور اعلیٰ درجے کی حاصل ہوتی تھی اور دوسری طرف رؤسا اور بادشاہ وقت کے اغراض تھے۔ بادشاہ، جاگیرداروں کی روز افزوں قوت سے خائف تھے اور اُن سے حسد رکھتے تھے، چنانچہ وہ نیچ طبقوں کو اُن کے خلاف اُکسا اُکسا کر جاگیرداروں کا اقتدار کم کرنے میں اُن کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ لیکن کلیسا نے جو عظیم الشان حصہ اس انقلاب میں لیا اس میں بظاہر کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ اخلاقی جذبات نے سیاسی اور معاشی محرکات کے ساتھ مل کر عمل کیا ہے۔ کلیسائی زمینوں پر زرعی غلاموں کے ساتھ نہایت عمدہ اور ہمدردانہ سلوک ہوتا تھا، اور شمالی فتوح کے بعد تو یہ حالت ہوئی کہ پادریوں کی جماعت نہ صرف اپنے منصب مذہبی کے اعتبار سے بلکہ اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بھی نیچ اور مظلوم طبقوں کی محافظ اور سرپرست قرار پاگئی۔

مزدوروں کی آزادی اور صنعتی وتجارتی ہل چل۔

زرعی غلاموں کی آزادی سے موجودہ زمانے کی فرقہ بندی کے ابتدائی آثار آجر ومزدور کی شکل میں نمودار ہوئے۔ آزادی نے مزدوروں کے جسم مُردہ

میں نئی روح پھونک دی، اُن کے حوصلے بڑھا دیے اور اُن میں خودداری پیدا کر کے دولت پس انداز کرنے کی ترغیب دی۔ اس آزادی کے سلسلے میں مجالس تجارت معرض وجود میں آئے اور ان مجالس نے مُلک میں امن و امان قائم کرنے کی غرض سے جو عمدہ انتظامات کیے اُن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندوختوں کی مقدار میں معتد بہ اضافہ ہوگیا اور اس طرح اصل داروں کی ایک مستعد جماعت قائم ہوگئی، اصل دار سب سے پہلے تجارت میں نمودار ہوئے، شہروں میں اشیائے تعیّش کی مانگ کثرت سے تھی اور سرمایہ دار اُس کی تجارت میں فائدہ دیکھ کر مُلک کی پیداوار کے مبادلے میں تعیّشات اور قیمتی مصنوعات، ممالک غیر سے خرید خرید کر شہروں میں فروخت کرتے تھے اور منافع سے اپنی جیبیں بھرتے تھے، ان تجارتی شہروں کے باشندے مختلف ممالک کے درمیان حمل و نقل کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارتی اولوالعزمیوں کے لیے وسیع گنجائش نکل آئی، مُلک کی صنعت کو جو ترقّی ہوئی وہ بقول آدم اسمتھ تجارت ہی کی بدولت نصیب ہوئی، اس کی وجہ اوّلاً یہ تھی کہ مصنوعات ممالک غیر میں فروخت کرنے کی غرض سے تیار کیے جاتے تھے، ثانیاً یہ کہ بعض بیرونی مصنوعات اس بنا پر درآمد کیے جاتے تھے کہ اُن کی نقل اُتار کر ویسی ہی چیزیں مُلک میں تیار کی جائیں، اور سوم یہ کہ مُلک میں مصنوعات تیار کرنے کے لیے جو اشیائے خام درکار تھے وہ مُلک میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے باہر سے طلب کیے جاتے تھے۔ یوں تو قرون وسطیٰ کے آخری حصّے میں صنعتی ترقّی کی ابتدا ہو چکی تھی، مگر اصل دار اور آجروں کی کوئی باقاعدہ جماعت حقیقی معنوں میں قائم نہ ہوئی، البتہ چودھویں اور پندرھویں صدی میں یہ کمی پوری ہوئی اور صنعت کو اچھا خاصا فروغ حاصل ہوا۔ مگر زراعت میں اتنی بھی ترقّی نہ ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ زمیندار اور جاگیردار اپنے کو زرعی کاروبار کے منتظم اور آجر

بنانے کی طرف مائل تھے، مگر اُن کے جبلی عادات اور اُن کے "اعلیٰ" خیالات اس تحریک کے سدِّ راہ بن گئے اور زراعت میں ترقی کی رفتار دھیمی ہی رہی، پھر بھی زراعت میں جو کچھ ترقی ہوئی اُس کا محرک ایک تو جاگیرداروں کی یہ خواہش تھی کہ وہ غیر ممالک سے درآمد کردہ یا مقامی دستکاروں کے تیار کردہ اعلیٰ قسم کے مصنوعات حاصل کریں اور دوسرا محرک یہ تھا کہ شہر کے آجر اور اصل داروں نے صنعت و تجارت کے ذریعے سے اپنی جمع کردہ دولت زراعت کی ترقی میں صرف کرنا شروع کردی۔

مجالس تجارت اور اُن کے کام کی اہمیت۔ یوں تو بظاہر شہروں میں مدت مدید سے مجالس تجارت قائم تھے۔ لیکن اُن کو اصلی شہرت اُس وقت حاصل ہوئی جبکہ تیرھویں صدی میں انھیں قانوناً تسلیم کرلیا گیا اور اُن کی باضابطہ تنظیم عمل میں آئی۔ اکثر علمائے معاشیات، جو قرونِ وسطیٰ پر اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی کے خیالات کا اطلاق کرنا چاہتے ہیں، ان مجالس کی طرف متعدد خرابیاں منسوب کرتے ہیں۔ ذرا سے غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اُن کا یہ خیال حق بجانب نہیں ہے۔ اس سے بلاشبہہ کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ مجالس اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی کے لیے بالکل ناموزوں تھے اور اُن کا وجود بالکل فضول اور غیر ضروری معلوم ہوتا تھا، مگر قرونِ وسطیٰ میں تو اُن کا وجود مختلف حیثیتوں سے فائدہ بخش ثابت ہوا اس لیے کہ یہی مجالس نئی صنعتی قوتوں کا منبع اور مرکز تھے، اور انھیں کی بدولت ایسا فرقہ وارانہ جوش اتحاد پیدا ہوا جس نے نئی قوتوں کو محکم اور استوار بنیادوں پر قائم کردیا۔ یہی وہ مجالس تھے جنھوں نے ہر ایک مقام پر اشیا کو عمدگی اور انتہا درجے کی خوبصورتی کے ساتھ تیار کروانے کا خاص طور پر اہتمام کر رکھا تھا اور اس طرح سے نیز دوسرے تدابیر اختیار کرکے صنعتی

مہارت کا معیار بہت بلند اور اعلیٰ کر دیا تھا، چنانچہ سنٹ لوئی نے پیرس میں حرفتی جتھوں کی اصلاح و تنظیم کا کام محض صنعتی فنون کو فروغ دینے کی غرض سے شروع کیا۔ یہ بھی انھیں مجالس تجارت کے نظام عمل کا اثر تھا کہ مختلف پیشوں کے افراد کی خود بخود نگرانی اور ان کی اخلاقی حالت کی اصلاح ہوتی رہی۔ مختصر یہ کہ انھیں مجالس نے ایک ایسے زمانے میں جبکہ ایک وسیع قومی جذبے کے وجود کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی ہر ایک پیشے کے اندر اعلیٰ معاشری اور فرقہ وارانہ جذبات پیدا کر دیے۔

چوتھا باب

عہد جدید

پہلا اور دوسرا دور 30

(۱۳۰۱ء سے ۱۷۰۰ء تک)

(۱) عہد جدید کے تین دور (۲) دور اوّل کے خصوصیات
اور اُس کی التباسی نوعیت (۳) مسلک تجاریت اور بعض مصنف۔

عہد جدید کی ابتدا۔ عہد متوسط کو پندرھویں صدی کے آخر تک شمار کرنا غلطی ہے بلکہ بقول کونت اصل یوں ہے کہ تیرھویں صدی کے ساتھ ہی عہد متوسط ختم ہوگیا اور چودھویں صدی کے آغاز سے عہد جدید شروع ہوا۔ عہد جدید میں بڑی بڑی معاشی ترقیات رونما ہوئیں، مگر مدارج ترقیات کے لحاظ سے عہد جدید میں تین نمایاں اور یکے بعد دیگرے آنے والے دور نظر آتے ہیں، اور یہ دور انجام کار وہ صورت حالات پیدا کرتے ہیں جو خود ہمارے زمانے کی نمایاں خصوصیت ہے۔

پہلا دور پہلا دور چودھویں صدی سے شروع ہو کر پندرھویں صدی

کے آخر میں ختم ہوتا ہے۔ اس دور میں "کیتھولیکی وجاگیری" نظام بتدریج کمزور ہوتا جاتا ہے اور اس کی تباہی کا باعث خود اُسی کے ارکانِ اعظم یعنی بادشاہ اور جاگیردار بنتے ہیں اور ان دونوں کی باہمی رقابت اور اُن کے باہمی اختلافات اس درجہ بڑھ جاتے ہیں کہ دونوں، حرفتی جتھوں کی حوصلہ افزائی کر کر کے اور صنعتی شہروں اور قصبوں کو اپنی سرپرستی میں لے لے کر، اپنی طاقتوں کو بڑھانا شروع کرتے ہیں اور اس طرح بالواسطہ جاگیری نظام کے توڑنے کے موجب بنتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نظام کی شکستہ بنیادوں پر ایک نئے نظام کی عمارت تیار ہونے لگتی ہے۔ اُس زمانے کے تحریکات کا حال کسی معاصر معاشی تصانیف سے مطلقاً نہیں ملتا۔

دوسرا دور۔ دوسرا دور سولھویں صدی سے شروع ہوتا ہے اور سترھویں کے آخر میں ختم ہوتا ہے، جاگیری نظام کی تباہی کو ایک قسم کی خودکشی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ پہلے دور میں شروع ہو چکی تھی مگر سولھویں صدی کے آغاز میں اُس پر اس قدر مسلسل اور شدید حملے ہوئے کہ وہ بالکل منہدم ہوگیا۔ اس دور میں مرکزی حکومت کی بنیاد نہایت محکم ہوگئی اور اُس کے ذرائع نہایت وسیع ہو گئے، صنعت و تجارت کے عناصر جدید کو اپنے قابو اور نگرانی میں لے کر حکومت نے اُن کو ترقی دینے کی کوشش ایک تو اس وجہ سے کی کہ عوام کا رجحان اُنھیں کی طرف تھا اور اُنھیں کی ترقی کے لیے نہایت جوش و خروش ظاہر کیا جا رہا تھا۔ دوسری وجہ سیاسی تھی، یعنی حکومت نے اس وجہ سے بھی صنعت و تجارت کی ترقی کو اپنا سیاسی آلہ بنالیا کہ اسی ذریعے سے فوج کشی اور مُلک گیری کے لیے کافی دولت مہیا ہو سکتی اور اربابِ حکومت کی شان و عظمت برقرار رہ سکتی تھی، انھیں عملی کوششوں کے ساتھ نیز اُن معاشری رجحانات کے ساتھ جن پر

یہ کوششیں مبنی تھیں، معاشیات کا مسلکِ تجاریت ایک خاص قریبی تعلق رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یورپ کی حکومتیں اس نئی حکمت عملی پر کاربند ہوگئیں اور اس میں اُنھوں نے ایک حد تک کامیابی بھی 31
حاصل کی، لیکن من حیث المجموع اُن کو ناکامی ہوئی، جو ایک لازمی امر تھا۔ اس لیے کہ اوّل تو بلحاظ اپنی ابتدا اور نوعیت کے صنعتی تحریک کی سرپرستی و رہبری کی وہ صلاحیت نہ رکھتی تھیں، اور دوم یہ کہ مذہبی نظام کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے حکومتوں کی قوت کم زور پڑ گئی اور اُن کا وہ اخلاقی اثر جاتا رہا جو کلیسا کی موجودگی اور اُس کے تعامل سے ممکن تھا۔

تیسرا دور

تیسرے اور آخری دور یعنی اٹھارھویں صدی کے دوران میں ایک بالکلیہ نئے معاشرتی اور مذہبی نظام کے قائم کرنے کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔ یہ رجحان پہلے تو اُس زمانے کے فلسفے اور عام ادبیات میں ظاہر ہوا اور اس کے بعد اُس نے فرانس کے عظیم الشان انقلاب کی عملی صورت اختیار کی۔ سابقہ دور میں پروٹسٹانٹزم کی تحریک نے ایک عام انتقادی اُصول کا اعلان کیا تھا اور یہ اُصول اُسی سابقہ دور کے آخر ہی میں انگلستان میں باقاعدہ طور پر مرتب ہوچکا تھا، اب فرانس کے مصنفوں نے اس انتقادی اُصول کی اشاعت اور تبلیغ شروع کی۔ اس اُصول میں انفرادیت کا جذبہ پنہاں تھا اور وہ ضروریات وقت کے لحاظ سے مناسب و موزوں تھا، چنانچہ اُصول معاہدۂ معاشری اور اُصول غیر مداخلت کا جس جوش اور تپاک کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے کی یورپ کی قومیں انفرادی قوت اور آزادی کی خواہاں تھیں، نظریے اور عمل کے ایک نئے اور مستحکم نظام کے قائم ہونے سے قبل اس چیز کی سخت ضرورت تھی کہ شخصی قوت کافی وسیع ترقی کرلے، انفرادی جدوجہد میں زیادہ آزادی حاصل ہو، اور اجتماعی قوتوں کو

شخصی جدّ وجہد پر اس سے زیادہ اقتدار حاصل نہ ہو جو کہ بد امنی کو روکنے کے لیے ضروری ہے۔ حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا اور وہ بالکل واجبی مطالبہ تھا کہ حکومتیں کسی معاشری تحریک میں براہ راست کوئی حصہ نہ لیں اور حتی الامکان اپنی مداخلت کو امن واماں کے قیام تک ہی محدود رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ حکمت عملی بلحاظ اپنی نوعیت کے عارضی طور پر اختیار کی جا سکتی تھی لیکن چونکہ سلبی فرقے کا رجحان یہ تھا کہ وہ ہر عارضی چیز کو اور ہر استثنا کو مستقل اور عام قانون بنا دیتا تھا اس لیے اُس نے اس حکمت عملی کو بھی مستقل اور معیاری قرار دے دیا۔ یورپ میں آزادیٔ عمل کی تحریک عام طور پر ہر طرف جاری تھی اور وہ بعض اوقات عوام میں زبردست جوش اور ہیجان کی صورت اختیار کرتی رہی۔ آزادی حاصل کرنے کے لیے مختلف اصول اور مختلف طریقہ ہائے عمل تھے اور اُن کے لحاظ سے اس تحریک کے بانیوں اور تائید کرنے والوں میں بھی مختلف جماعتیں تھیں۔ چنانچہ ان جماعتوں میں سے سب سے پہلی جماعت جس نے بڑے پیمانے پر اس تحریک کے معاشی پہلو کی نظری حیثیت سے نمائندگی کی وہ فطر آئینوں کی جماعت تھی اگرچہ فطر آئینی مسلک نے جس کام کا بیڑا اُٹھایا تھا اُس کو عمل کے تخریبی اور تعمیری دونوں پہلوؤں کے لحاظ سے آدم اسمتھ نے زیادہ مکمل اور موثر طریقے سے انجام دیا، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ آدم اسمتھ نے فطر آئینوں کے کام کو جاری ہی نہیں رکھا بلکہ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ 82

یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ تحریک جدید کے پہلو بہ پہلو بہت سی اخلاقی خرابیاں بھی موجود تھیں۔ جس قسم کی عام تعلیم و تربیت کو قرون وسطیٰ نے جاری کرنا چاہا تھا اُس میں ایک حد تک کامیابی حاصل ہوئی مگر چونکہ اس ضبط و ترتیب کی بنیاد مستحکم نہ تھی اس لیے اس کی شکست کے بعد دورِ جدید میں فرض شناسی اور اتحاد کا جذبہ کم زور ہو گیا اور نظری انفرادیت نے انانیت فی العمل کو رواج دینا شروع کر دیا،

یہ نتیجہ معاشی جدّ وجہد میں خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً قومی خود غرضی اور انفرادی طمع کا ہر طرف دور دورہ ہو جاتا ہے اور صنعتی پیشوں میں تفریق ہی نہیں ہو جاتی بلکہ ان میں باہمی بغض و عناد کی آگ بھی بھڑک اُٹھتی ہے، اس میں شک نہیں کہ عناصر جدید میں سائنس اور صنعت اپنا تسلّط تبدریج جمار ہے تھے اور ان میں انضباط و تربیت کا ایسا مادّہ موجود تھا جو بمقابلہ منہدم شدہ نظام کے بہت زیادہ موثر اور ثبات پذیر تھا لیکن آخری ترکیب و تنظیم ہنوز اس قدر بعید اور اپنی نوعیت میں اتنی غیر متعین تھی کہ ان عناصر کی ابتدائی ترقی کے زمانے میں اُس کی اہمیت کا احساس بمشکل ہو سکتا تھا۔ بایں ہمہ اب وہ ترکیب بتدریج محسوس ہوتی جاتی ہے، اور اس ترکیب کی طرف جو قدم آگے بڑھ رہا ہے اور اس ترکیب پر جو عملی نظام قائم کرنے کی کوشش ہے، یہی وہ شے ہے جس سے ہمارے زمانے کو اُس کی نوعیت امتیازی حاصل ہے، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہو گا، قوم کی اس فطری کوشش سے معاشی مسائل و نظریات کی ایک نئی شکل رونما ہوتی ہے اور اس کے رونما ہونے سے معاشیات عمرانیات میں ضم ہو جانے اور اخلاقیات کے تحت آنے کی طرف مائل ہو رہی ہے۔

آئندہ ابواب کا مقصد

آئندہ ابواب کا مقصد اُسی خاکے کی تصدیق و مفصّل تشریح کرنا ہے جس کو اس باب میں اجمالاً بیان کر دیا گیا، ان ابواب میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ عصر حاضر کے یکے بعد دیگرے آنے والے مختلف دوروں کے خصوصیات کے ساتھ معاشی تحقیق کے تاریخی نشو و نما کو فرداً فرداً کیا تعلّق ہے۔

عہد جدید پہلا دور

(۱۴۰۰-۱۶۰۰) 33

پہلے دور کی ابتدا کا اعلان ایک طرف تو قرون وسطیٰ کے نظام کے خود بخود شکست ہو جانے سے ہوا اور دوسری طرف اس دور کا افتتاح یوں ہوتا ہے کہ اس میں نئے نظام کے مختلف اہم عناصر نمودار ہوتے ہیں۔ یعنی ایک طرف تو روحانی قوت کمزور ہوتی گئی اور اپنا اخلاقی فرض انجام دینے میں سست پڑتی گئی اور دوسری طرف معاشری تحریک آئے دن ایسے افراد کے ہاتھوں میں آتی گئی جو عام طور پر حرص و ہوا کو اپنا مشرب سمجھتے تھے، طاقتور حکومتیں قائم ہوئیں اور انھوں نے ملک کی ذہنی اور اخلاقی بدنظمی کے باوجود ملک میں امن و امان قائم کرنے کی کوشش کی۔ عوام نظام سیاسی میں بحیثیت ایک عنصر کے عام طور پر داخل کر لیے گئے، اس سے صنعتی جماعتوں کی روز افزوں قوت ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ اس کا اظہار مزدوری پیشہ طبقے کی سرکشی سے بھی ہوتا ہے، ملک میں ہر طرف امن و امان کے قائم ہو جانے کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ تنخواہ دار فوج کا طریق جاری ہوا جو پہلے پہل عارضی تھا اور بعد میں دائمی طور پر قائم ہو گیا۔ اور یہ فوج جو کل آبادی کا ایک قلیل حصہ ہوتی تھی، جنگی مشقوں اور فوجی کاموں میں حصہ لیتی تھی

اور صنعتی جدّ و جہد میں کسی قسم کے خلل کے واقع ہونے کو روکتی تھی مصنوعات کی اہمیت روز بروز بڑھتی گئی اور معاشی جدّ و جہد کے اس شعبے میں سب سے پہلے باقاعدہ طور پر اصل داروں اور مزدوروں کے دو گروہ نمودار ہوئے مگر ان دونوں گروہوں کے درمیان معیّن تعلقات کا قائم رکھنا، فوجی تعلیم و تربیت کو ایک خاص پیشے سے مخصوص کر دینے سے ممکن ہو سکا۔ قطب نما کی ایجاد نے فن جہاز رانی میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، چھاپے کی ایجاد نے اعلان کر دیا کہ صنعتی ترقی اور ادبی و علمی تحریک میں باہم رشتۂ ارتباط قائم ہونے والا ہے اور یہ دونوں مشترکہ قومی اغراض و مقاصد کے لیے کام کرنے والے ہیں۔

فلورنس، وینس اور جنیوا میں ہالینڈ اور انگلستان سے بہت پیشتر ہی مالیات کے شعبے نے بہت اہمیت حاصل کر لی۔ اس دور کے خاتمے پر جب امریکہ دریافت ہوا اور ہندوستان کا راستہ کھلا تو ایک طرف تو تجارت میں انقلاب پیدا ہو گیا اور دوسری طرف نوآبادیات کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، اور ان دونوں کی وجہ سے صنعتی کاروبار کی روز افزوں توسیع و ترقی میں بہت سہولتیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ صنعتی جدّ و جہد کے آخر الامر عام ہو جانے کے آثار پیدا تھے۔

دور اول کی التباسی نوعیت۔

یہ دور، جو قرون وسطیٰ اور صحیح دور حاضر کے مابین ہے، بلاشبہہ ایک التباسی نوعیت رکھتا ہے چنانچہ اس میں نظری پہلو پر کوئی ایسی شے نہیں ملتی جو اس دور کے حیرت انگیز عملی ہیجان اور ترقی کے مقابلے میں ذرا بھی اہمیت رکھتی ہو۔ اکو نیاس کے عام سیاسی اصول محض خفیف سے تغیّر و تبدّل کے ساتھ قائم رکھے گئے۔ بظاہر صرف ایک معاشی مسئلے کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجّہ کی گئی اور وہ زر کی نوعیت اور زر کے فعل کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے کی اہمیت اُس وقت سے محسوس ہونی شروع ہوئی جب سے کہ جنس اور خدمت کی شکل میں مطالبات کو ادا کرنے کی رسم

موقوف ہوئی اور باضابطہ طور پر محصول لینے کا قاعدہ جاری ہوا۔

نکول آرسم

سنہ ۱۳۶۱ء میں ایک کتاب شائع ہوئی،[۱] اس میں زر کے سوال پر بحث کی گئی ہے اور ایک نظریہ بھی پیش کیا گیا ہے، جو انیسویں صدی کے خیالات کے معیار کے مطابق تقریباً بالکل صحیح ہے، اور اس درجہ اختصار، سلاست اور توضیح کے ساتھ یہ نظریہ بیان کیا گیا ہے کہ کتاب کسی جید اُستاد کی تصنیف معلوم ہوتی ہے، اس کتاب کا مصنّف بقول روشر و والوسکی نکول آرسم ہے جو چارلس پنجم شاہ فرانس کا اُستاد تھا اور سنہ ۱۳۸۲ء میں انتقال پانے تک لیسوکس کا پادری رہا، روشر مصنّف کو ایک نہایت بلند پایہ عالم معاشیات خیال کرتا ہے۔

---

[۱] Tractatus de origine, natura, jure, et mutationibus monetarym

عہد جدید: دوسرا دور

(پ)

(۱۶۰۰ء-۱۸۰۰ء)

(۱) اُصول تجاریت (۲) عہد تجاریت کے مصنّف
(۳) سلبی تحریک کا نشو و نما (۴) اس کے اصول (۵) بعض مصنّف۔

تجاریت عہد جدید کے دور اوّل میں نئی معاشرتی قوّتوں کا نشو و نما قدرتی طور پر آپ سے آپ ہوا تھا مگر دوسرے دور میں حکومتوں نے حوصلہ افزائی کرکرکے اُن کو باقاعدہ طور پر ترقی دی جب حکومتیں محسوس کرنے لگیں کہ قرون وسطیٰ کا مالی نظام اطمینان بخش نہیں ہے اُن کو اپنے سیاسی و فوجی اغراض کے لیے بہ نسبت پہلے کے بہت زیادہ دولت درکار ہے اور ان اغراض کی تکمیل سوائے اضافۂ محصول کے کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں ہو سکتی تو صنعت و حرفت اُن کی مستقل دلچسپی کا مرکز ہی نہیں بنی، بلکہ اُن کی حکمت عملی کا خاص مقصد بن گئی۔ اس صورت واقعات کی قدرتی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ نظام تجاریت کا نشو و نما ہوا اور ستّرھویں صدی کے وسط تک اس نظام نے مکمّل طور پر ترقی کر لی۔

تجارتی اصول، اگر اپنی انتہائی شکل میں بیان کیا جائے تو اس میں دولت و زر ایک ہی شے قرار دی جاتی ہے اور ایک مُلک کا دوسرے

ملک سے اس طرح کاروبار کرنا کہ قیمتی فلزات کا بڑے سے بڑا
ممکنہ حصہ اسی کو ملے، قوم کا سب سے بڑا مقصد خیال کیا جاتا ہے۔ 35
اور اس لحاظ سے ہر ملک پر واجب ہے کہ وہ اپنے مصنوعات
کی زیادہ سے زیادہ مقدار بیرونِ ملک روانہ کرنے کی کوشش
کرے اور دوسرے ممالک سے حتی الامکان کم سے کم درآمد
کرے تاکہ اشیائے درآمد و برآمد کی قیمتوں کا فرق سیم و طلا کی
شکل میں اس ملک کو وصول ہو۔ یہ فرق توازن تجارت کہلاتا ہے
اور "توازن" "ملک کے" "موافق" اُس وقت ہوتا ہے جبکہ
واجب الوصول واجب الادا رقم سے زیادہ ہو۔ ایسے موافق
توازن کو حاصل کرنے کے لیے تمام ممکنہ اور ضروری تدابیر
اختیار کرنا حکومت کا فریضہ خیال کیا جاتا ہے، مثلاً بیرونی اشیا کی
درآمد کو ممنوع قرار دینا یا اُن پر گراں بار محصول عائد کرنا، مصنوعات ملکی
کی برآمد پر امداد دینا اور قیمتی فلزات کی برآمد پر بندشیں قائم کرنا وغیرہ۔
لیکن اس طرح بیان کردہ اُصول، اگرچہ وہ کتبِ نصاب میں بکثرت
شائع ہیں، اُن تمام افراد کے خیالات کی صحیح طور پر نمائندگی نہیں کرتے
جنھیں مسالکِ تجاریت کا پیرو سمجھنا ضروری ہے۔ اکثر افراد کا تصور
بہت صاف اور صحیح تھا۔ چنانچہ وہ دولت کو محض سونے چاندی
کی حد تک محدود نہ خیال کرتے تھے، اُن کے نزدیک دولت
اس سے زیادہ وسیع تھی۔ گو اس امر کے تسلیم کرنے سے کہ مفکرین
کی کسی جماعت نے اس قسم کا خیال ظاہر کیا تھا موجودہ زمانے کے
طلبہ کو انکار ہے۔

تجاریت کے نظری رجحانات۔

بقول روشر تجاریین کسی خاص معاشی نظریئے کے پیرو
نہیں ہیں بلکہ ان میں بعض نظری رجحانات کم و کیف
کے اختلافات کے ساتھ مشترکہ طور پر پائے جاتے
ہیں، اور یہ حسب تفصیل ذیل بیان کئے جا سکتے ہیں:۔

(۱) قیمتی فلزات کی ایک بڑی مقدار کی ملکیت کو انتہا سے زیادہ اہمیت دینا (ب) خارجی تجارت کو داخلی تجارت پر فوقیت دینا (ج) صنعت کو زراعت پر غیر ضروری ترجیح دینا (د) گنجان آبادی کو قومی طاقت کا ایک عنصر ہونے کی حیثیت سے بہت اہمیت دینا (ہ) حکومت سے استعانت کرنا کہ وہ بذریعہ قواعد و قوانین مختلف پسندیدہ مقاصد کے حصول و ترقی میں سہولتیں پیدا کرے۔

تجارتی مسلک کی ابتدا اور صنعت و تجارت کو ترقی دینے کی کوشش۔

اگر ہم اُس زمانے کے مغربی یورپ کی صورت حالات
پر نظر ڈالیں تو بلا کسی دقت کے معلوم ہو جائے گا
کہ ان رجحانات کا پیدا ہونا ایک امر ناگزیر تھا۔ 36
نئی دُنیا میں معدنیات کے جو انکشافات ہوئے
اُن کی بدولت یورپ کے سکوں میں انقلاب عظیم
پیدا ہو گیا تھا۔ قدیم جاگیری معیشت جو زیادہ تر جنس کے لین دین اور مبادلے پر مبنی تھی جدید "معیشت" زر سے مبدل ہو گئی اور موخرالذکر کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ زر کا رواج ہر طرف بسرعت بڑھنے لگا دور دراز مقامات کی آمد و رفت میں سہولتیں پیدا ہو گئیں اور شہری زندگی اور جائداد منقولہ کی اہمیت بڑھتی گئی۔ تجارئین اس امر سے متاثر ہوئے کہ زر دولت کی خاص اور عجیب و غریب قسم ہے۔ یعنی یہ کہ ہر وقت زر کی عام طور سے مانگ ہوتی ہے اور اُس کا مالک تمام دوسرے اشیا کے حاصل کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اُس دور کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اُس میں بڑی بڑی سلطنتیں طاقتور حکومتوں کے زیر نگرانی قائم ہوئیں اور ان حکومتوں کو خصوصاً مذہبی اور اطالوی جنگوں کی غرض سے مستقل طور سے اور وسیع پیمانے پر فوجوں کا انتظام کرنے کی وجہ سے زر کثیر کی اور آدمیوں کی سخت ضرورت پیش آئی۔ اس کے علاوہ درباری اخراجات بھی بہ نسبت پہلے کے بہت زیادہ ہو گئے اور ملازمین اور عہدہ داران سرکاری کی تعداد میں

اضافہ ہوگیا تھا۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شاہی علاقے یا اُن کے محاصل کفایت نہیں کرسکتے تھے۔ چنانچہ بادشاہی حکومتوں کی ضرورتوں کی افزائش کے ساتھ زیادہ محصولات عائد کیے جانے لگے۔ مدبّران سلطنت کو معلوم ہوا کہ اُن کے خود سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے صنعتوں کا ترقّی کرنا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ اُن کے نزدیک آبادی میں بمقابلۂ زراعت صنعت سے بہت زیادہ اضافہ ہوسکتا تھا اور مصنوعات کی برآمد سے زرعی پیداوار کی مجموعی قیمت کے مقابلے میں زیادہ قیمت مُلک کو وصول ہونی ممکن تھی اور اس کے علاوہ یہ کہ صنعتی کاروبار میں حوصلہ مندیوں اور اولوالعزمیوں کا زیادہ موقع تھا اس لیے صنعت حکومت کی خاص عنایت اور سرپرستی کا مرکز بن گئی اور زراعت مقابلتہً پسماندہ حالت ہی میں رہی۔ صنعتی ترقی نے یوں بھی تجارت میں وسعت پیدا کردی تھی مگر نوآبادیات کے قائم ہوجانے سے تجارت کا میدان اور بھی زیادہ کشادہ ہوگیا۔ نوآبادیات محض ایک طرح کی جاگیریں خیال کی جاتی تھیں اور اُن پر کام کرنے کا منشا محض مادر وطن کو فائدہ پہنچانا تھا۔ چنانچہ مدبّران سلطنت کا مقصد یہ تھا کہ نوآبادیات کی تجارت کو فروغ دے کر عام سرکاری محاصل میں مزید اضافہ کیا جائے۔ اس طرح ہر قوم اپنی قوّت بڑھانے کی طرف مائل ہوئی اور دول عظمیٰ اپنا اپنا تسلط بڑھانے کی کوشش کرنے لگے، مدبّران مُلک بخوبی واقف تھے کہ بغیر معاشی تسلّط کے سیاسی عظمت ناممکن ہے اس لیے مقابلے کے جوش میں آکر سب قوتیں نہ صرف سیاسی میدان میں بلکہ معاشی میدان میں بھی تگ و دو کرنے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشی معاملات نے قومی دلچسپی حاصل کرلی اور حکومت بحیثیت قوم کے نمائندے کے معاشی کاروبار کی نگران کار بن گئی۔ سلطنتیں قوانین کے ذریعے سے پوری گرمجوشی کے ساتھ شہری صنعتوں کی اپنے علاقے میں اُسی طرح پرورش کرنے لگیں 37

جس طرح کہ باغبان غیری پودوں کے لیے آب وہوا کے موافق مصنوعی مکان بناکر پودے اُگاتا ہے۔ مُلک سے عمدہ اور ارزان اشیا برآمد کرنے کے خیال سے اور اس طرح بیرونی ممالک کے بازاروں میں ملکی اشیا کی نکاسی کی غرض سے پیدائش کے تمام شعبوں کی باقاعدہ تنظیم عمل میں آئی۔ صنعتی کاروبار کی نگرانی ایک حد تک براہ راست حکومت کرتی تھی مگر یہ کام زیادہ تر حقوق یافتہ انجمنوں اور تجارتی کمپنیوں کے سپرد کیا گیا۔ خارجی اشیا کی درآمد پر بھاری محصول عائد کرنے کا طریق اختیار کیا گیا۔ اس کا مقصد ابتداً زیادہ تر توفیر آمدنی تھا لیکن بعد میں قومی پیدائش کا مفاد اُس کی غایت بن گیا۔ تجارتی معاہدے سیاسیات کا خاص مطمح نظر بن گئے اور اُن کا مقصد ممالک غیر کے بازاروں میں دوسری قوموں کو مقابلہ کرنے سے باز رکھنا تھا۔ اور اسی کے ساتھ مُلک کے اندر اشیائے خام کے سوا کسی دوسرے بیرونی اشیا کو بھی داخل نہ ہونے دیا جاتا تھا۔ نوآبادیات اس بات کے پابند کیے گئے کہ سوائے مادر مُلک کے یوروپ کی کسی دوسری سلطنت سے تجارت نہ کریں چنانچہ وہ اپنے اشیائے خام یا قیمتی فلزات مادر وطن کو روانہ کرتے تھے۔ اس سے واضح ہو جائے گا کہ نظریۂ تجاریت جس چیز کو کہا جاتا ہے وہ اصل میں کسی عالمانہ غور و فکر کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اُسی زمانے کی عملی جدّوجہد کا نظری رخ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قوموں اور حکومتوں نے اس کو کسی عالمانہ غور و فکر کے بعد اختیار نہیں کیا بلکہ محض خارجی حالات کے اثر نے اور عملی واقعات کے مشاہدے نے اُن کو اس حکمت عملی کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

پھر بھی اگر اس مسئلے پر فلسفۂ تاریخ کے اعلیٰ ترین نقطۂ نظر سے غور کریں تو یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اس دور میں جو عام صنعتی و تجارتی سرگرمی ظاہر ہوئی وہ بلحاظ اس کے کہ اُس نے قوموں کو معاشری

ترقّی کی شاہراہ پر پہنچادیا، نہایت مستحسن قرار دی جا سکتی ہے، لیکن اگر اس نظریئے کے قائم ہونے کا موجب اُس زمانے کے حالات و واقعات نہ ہوتے بلکہ معاشری اغراض کی پیش بینی اس کا موجب ہوتی تو سرگرمی کے آثار بدرجہا زیادہ نمودار ہوتے اور نتائج بھی بہت عظیم الشان ہوتے۔

زراعت کی پسماندہ حالت۔

اس دور میں زراعتی کاروبار میں کوئی نمایاں ترقّی نہ ہو سکی، اس لیے کہ اُس کے انتظامات اس وقت تک جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھے، اور جاگیردار صنعتی کاروبار کے اُصول سے بالکل نابلد تھے، یہ طبقہ نہ تو عام صنعتی و تجارتی عادات و صفات سیکھنے کی حقیقی صلاحیت رکھتا تھا اور نہ اپنے کھیتوں میں مزدوروں کے ساتھ کافی ہم آہنگی دیکھتی کے ساتھ بسر کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ دیہات میں زراعت پسماندہ حالت میں رہی اور شہروں میں صنعت کو روز افزوں ترقّی ہوتی گئی، اور زراعت میں جو کچھ بھی ترقی ہوئی وہ صنعت کے طفیل ہوئی۔ حکومت نے جب دیکھا کہ صنّاعوں کے طبقے کو روزافزوں اہمیت حاصل ہو رہی ہے تو پہلے اسی طبقے 38 اور اُس پیشے کی طرف توجّہ کی اور پہلے اُسی کی بہبود اور ترقّی کے متعلّق قواعد و ضوابط وضع کیے اور اس کے بعد کاشتکاروں کے انضباط کی طرف توجّہ کی۔

حکومت نے صنعت و تجارت کو ترقّی دینے کے لیے جو کوششیں کیں وہ بقول آدم اسمتھ حقیقت میں مؤثر ثابت ہوئیں۔ اس رائے کے مبنی بر واقعیت ہونے کے بارے میں شبہہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی، اگرچہ اُصول آزاد تجارت کے اکثر پرجوش وکیل اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ حکومت کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کا ہی نتیجہ تھا کہ صنعتی مہارت میں گوناگوں ترقی ہوئی، دوسرے ممالک کے مہارت یافتہ دستکاروں کو بلا بلا کر اور

ملک کی کمزور صنعتوں پر محصول کا بار کم کر کے حکومت نے پیدائش دولت کے نئے طریقوں کو فروغ دیا، حکومت ہی نے تجارت اور آمد و رفت میں سہولتیں پیدا کرنے کی غرض سے بری و بحری مراسلت اور باربرداری کا بہت زیادہ سرعت کے ساتھ معقول انتظام کیا۔ ان تمام کوششوں کا ایک نہایت اہم اثر یہ ہوا کہ ان جماعتوں کے وقار کے مقابلے میں جو پہلے کامل تسلط رکھتی تھیں صنعتی پیشوں کا معاشرتی وقار بہت بڑھ گیا۔

نظام تجاریت علمی نظریہ پر مبنی ہے یا عملی ضروریات پر۔

یہ سوال بار ہا اُٹھایا گیا ہے کہ تجاریت کی بنیاد کس کی طرف منسوب کرنی چاہئیے؟ نظری استدلال کی طرف یا عملی ضروریات کی طرف؟ مگر اس سوال کا کوئی قطعی جواب نہیں دیا جا سکتا، صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ معاشی واقعات کو ایک خاص نقطۂ نظر سے دیکھنے کا طریقہ غیر علمی دماغوں میں خود بخود پیدا ہو گیا تھا اور اس طرح جو خیالات قائم ہوئے وہ یونانی اور لاطینی مصنفوں کی تحریروں میں ملتے ہیں۔ ان خیالات کی بنا پر جو حکمت عملی قائم کی گئی وہ، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، وہی حکمت عملی تھی جو عہد جدید کے شروع میں یورپ کے ممالک کے حالات کے لحاظ سے اختیار کی گئی تھی۔ اُس حکمت عملی کی باقاعدہ تشریح یا نظری تحقیق بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اُسکے مطابق عمل درآمد شروع ہو گیا۔ چنانچہ چودھویں اور پندرھویں صدی میں یہی اسی کا دور دورہ رہا۔ سولھویں صدی میں اس کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا حتّٰی کہ چارلس پنجم نے اُس کو اختیار کر لیا جس کی وجہ سے اس حکمت عملی کو مزید تقویت حاصل ہو گئی۔ ہنری ہشتم اور ایلیزبتھ نے جس طریق پر حکمرانی کی اُس میں اسی حکمت عملی کو ملحوظ رکھا۔ اس طرح بڑی بڑی سلطنتوں میں بہت جلد زبردست باہمی مقابلہ شروع ہوا، ہر سلطنت تجارتی و صنعتی تسلط حاصل کرنے کی دُھن میں اپنے تمام سیاسی اور مالی ذرائع صرف کرنے لگی

جہاں تک تجارت کا تعلق تھا۔ پوری سترھویں صدی کے دوران میں ہالینڈ کو تسلط حاصل رہا کیونکہ اطالیہ کی سابقہ عظمت اس کی سیاسی ناکامیوں کی وجہ سے نیز بحری راستوں کے دریافت ہو جانے کی وجہ سے خاک میں مل چکی تھی، اور ہسپانیہ و جرمنی بھی مسلسل طولانی جنگوں اور اندرونی بد امنی کے باعث تنزل پذیر تھے۔ ریلے، من، چائلڈ اور ٹمپل کی تصانیف سے پتا چلتا ہے کہ انگلستان کے مدبران سلطنت اور علمائے معاشیات ہالینڈ کے اس تسلط اور ترقی کو رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے ملک کو اس مرتبے تک پہنچانے کے دل سے خواہاں تھے۔ ہالینڈ کے تجارتی تسلط کے رشک نے فرانسیسی حکمت عملی پر جو قوی اثر ڈالا اس کا ثبوت کولبیر کے ایک مشہور خط سے ملتا ہے جو کہ اس نے یم۔ دی۔ پامپون سفیر مقیم ریاستہائے ہالینڈ کو لکھا تھا۔ کرامول اور کولبیر دونوں مدبران سلطنت عملی حیثیت سے اصول تجاریت کے نمائندے تھے، کرامول نے ایک ایسا قانون جہازرانی وضع کیا جس کی وجہ سے ہالینڈ کی تجارت نقل و حمل کو بہت بڑا صدمہ پہنچا اور بتدریج انگریزوں کی بحری سلطنت و قوت قائم ہو گئی، اور کولبیر نے فرانس کے داخلی و خارجی معاشی معاملات میں جو حکمت عملی اختیار کی اس سے اصول تجاریت کی صحیح ترجمانی ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک مشہور اطالوی مصنف و جریدہ نگار رینگوتی موخرالذکر جلیل القدر مدبر سیاست کی یادگار میں اصول تجاریت کو نظام کولبیر کا لقب دیتا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے کہ فرانس کا وزیر اعظم تجاریت کے کل اصول بلا کم و کاست تسلیم کرتا تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے تدابیر کو محض عارضی خیال کرتا تھا۔ مثلاً وہ محصول تایین کو مثل بیساکھیوں کے سمجھتا تھا کہ جب ان کے سہارے چلنے سے اہل حرفہ میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی قوت آجائے اور کام نکل جائے تو ان کو الگ کر دیا جائے۔ کولبیر سے پہلے سلّے نے بیرونی اشیا کے

اخراج کا طرزِ عمل اختیار کیا تھا، اس کی وجہ کچھ تو شاہی خزانے کو بھرنے کی نیت تھی اور اصلی سبب یہ تھا کہ سلّی زراعت کا خاص طور پر طرفدار تھا اور تعیشات کی درآمد کو مُلک وقوم کے لیے نہایت مضرت رساں تصوّر کرتا تھا۔ اس کے برعکس کولبیر نے ۱۶۶۴ء میں ایک قانون محصول نافذ کیا جس کی وجہ سے نہ صرف محصول ادا کرنے والوں کے لیے سہولتیں پیدا ہوگئیں بلکہ محصول کی مقداریں بھی بہت کچھ تخفیف ہوگئی، اس میں شک نہیں کہ ۱۶۶۷ء کے قانون نے محصول میں اضافہ کر دیا مگر اس کا منشا وہ نہ تھا جو کہ سلّی کا تھا بلکہ یہ ایک سیاسی حربہ تھا جو ولندیزوں پر زد کرتا تھا، یہ تو بلاشبہ ایک امر واقعہ ہے کہ کولبیر نے فرانس میں جو حکمت عملی اختیار کی بظاہر اُسی کی بدولت مُلک کی تجارت وصنعت میں گوناگوں ترقی ہوئی اور ایسی ترقی ہوئی کہ اُس زمانے کی یوروپ کی قوموں کو محوِ حیرت کر دیا، چنانچہ اس کی تصدیق عہدِ ہیئی کے انگریز مصنّفوں کی تحریروں سے ہوتی ہے، مگر اس حکمت عملی میں جو نقائص موجود تھے اُن سے انکار نہیں کیا جاسکتا مثلاً حکومت کی بے شمار قانونی بندشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ (۱) صنعت میں عوام کے مذاق اور طلب کے مطابق وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتے رہنے کی بجائے صنعت ایک غیر تبدّل پذیر حالت میں پڑی رہی۔ (۲) مصنوعات کو تیار کرنے کے لیے کوئی آسان طریقہ ایجاد کرنے کی آزادی حاصل نہیں تھی۔ (۳) عمل کی تقسیم کو وسیع کرنے یا آلات جدید کو استعمال کرنے کی آزادی نہ تھی۔ ذکاوتِ طبع، اختراع وجدّت وغیرہ قوّتوں کو دبانے اور فنا کرنے کی کوشش کی گئی اور اس طرح ایک بڑی حد تک نتائج بعید کو نتائج قریب پر قربان کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں اُن کو دور کرنے کے لیے روشن خیال مدبّروں نے اور خود کولبیر نے بہتیری کوششیں کیں مثلاً مہتمموں کا تقرر کرکے اُن کے ذریعے سے صنّاعوں کی اصلاح کرنے اور دوسرے

ترقی یافتہ ممالک کے حالات معلوم کرانے کا انتظام کیا گیا اور صنعت کے مختلف شعبوں میں پیدائش کے مختلف نئے نئے طریقے سکھانے کا اہتمام کیا گیا۔ چنانچہ اس سے ایک حد تک خرابیوں کی اصلاح بھی ہو گئی مگر انجام کار یہ کوششیں بحیثیت مجموعی پورے طور پر مفید اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔

عہد تجاریت کے مصنف۔

اس دور کے مصنفوں نے عام معاشیات کی کوئی تشریح نہیں کی اور نہ ہم کو اُن سے اس قسم کی کوئی توقع رکھنی چاہیئے، اس لیے کہ اوّل تو اُس دور میں جو تصانیف شائع ہوئے اُن کے محرک خاص خاص فوری ضروریات تھے۔ اور مصنفوں نے خاص خاص مسائل پر جو بالعموم عملی نوعیت رکھتے تھے اور جو اُس زمانے کے بڑے بڑے تحریکات کی پیداوار تھے، غور کیا۔ ان تحریروں میں حکومت کو مختلف مشورے دیئے گئے ہیں، اور ملک کی پیداآور قوتوں کو ترقی دینے اور سلطنت کے مختلف ذرائع کو وسیع کرنے کے بارے میں بحث کی گئی ہے، بقول لسٹ ان تصانیف کا نقطۂ نظر محض قومی ہے اور عالمیت کا تصوّر ان میں بالکل مفقود ہے۔ ان تصانیف میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن میں تجاریت کا کوئی اثر نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں جو مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ نظریۂ تجاریت سے بظاہر کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن ان میں سے اکثر تصانیف میں اصلی نظریۂ تجاریت کا خاکہ موجود ہے جو بالآخر مصنف کے نتائج میں مضمر معلوم ہوتا ہے۔ امریکہ کے معدنیات کے انکشاف کے بعد قیمتوں میں جو عام اضافہ ہوا اُس پر مبصروں اور محققوں نے منجملہ دوسرے مسائل کے سب سے پہلے توجہ کی۔ اشیا کا نرخ گراں ہو جانے سے اُس زمانے کی معاشی زندگی اور معاشی تعلقات میں بہت بڑا انقلاب ہو گیا، اس انقلاب کا اثر ہنگامی نہ تھا بلکہ روز بروز بڑھتا گیا، اور اُس سے عام بےچینی

اور پراگندگی کا پیدا ہونا ایک امر لازمی تھا مگر اس کا اثر اس وجہ سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا کہ انقلاب حالات کی علت کسی کی فہم میں نہ آتی تھی، مزید براں یہ کہ جمہوروں اور خود مختار بادشاہوں 41
نے آمیزش کر کے سکے ڈھالنے شروع کر دیئے جس سے عوام کی مصیبتوں اور دقتوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اطالیہ یوں بھی سب سے زیادہ ان مصائب و آلام میں گرفتار رہا مگر اندرونی سیاسی بدنظمی نے اس کی حالت کو اور بھی ابتر اور ناگفتہ بہ کر دیا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر اور خرابیوں کو دور کرنے کی غرض سے کونٹ گسپارو اسکاروفی نے ایک کتاب[1] ۱۵۸۲ء میں شائع کی، اس میں مصنف مذکور نہایت دلیری کے ساتھ ایک ایسا سکہ جاری کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے جو تمام عالم میں رائج ہو، اور یہ کہ یہ سکہ ہر جگہ ایک ہی دھات کا بنایا جائے اور ہر جگہ اس کی شکل، اس کا وزن، اور اس کا نام ایک ہی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تجویز بالکل قبل از وقت تھی اور وہ زمانہ اسکے لیے موزوں نہ تھا، حتیٰ کہ خود اطالیہ کے والیان ریاست جن کو مصنف نے خاص طور پر اس طرف متوجہ کرایا ہے، اس تجویز پر عمل کرنے تیار نہ ہوئے لیکن اس میں بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک ایسی اصلاحی تجویز تھی جو آئندہ کسی نہ کسی زمانے میں عملی جامہ پہنے گی اور پوری ہو کر رہے گی۔

جین ڈوناٹو ٹربولو۔

۱۶۲۹ء میں ایک کتاب[2] شائع ہوئی، جس کا مصنف نیاپولس کے دار الضرب کا ناظم جین ڈوناٹو ٹربولو تھا۔ اس نے اپنی مذکورۂ بالا تصنیف میں سکے میں آمیزش کرنے کے خلاف

۱ Discorso sopra le monetee della vera proporzione fra l'oro el'argento (1582)

۲ Discorsie Relizione

سخت احتجاج کیا ہے۔ فلورنٹائن برنارڈو ڈیوانزاٹی جو ٹیسی ٹس کے قابل مترجم کی حیثیت سے مشہور ہے، مسئلۂ زر کے بارے میں اُس کی ایک کتاب[1] ۱۵۸۸ء میں شائع ہوئی، اگرچہ یہ تصنیف ادنیٰ درجے کی ہے اور معلومات میں کوئی خاص اضافہ نہیں کرتی، مگر بلحاظ اختصار وجامعیت اور بیان کی پاکیزگی کے ایک قابل قدر تصنیف ہے۔[2]

جین بودن

فرانس کے ایک مشہور مصنّف جین بودن نے ایک بالکل جداگانہ نقطۂ نظر سے مسئلۂ زر پر بحث کی چنانچہ اس بارے میں اُس کی دو کتابیں[3] قابل ذکر ہیں جن میں اُس نے دوسروں کی نسبت بہت زیادہ معقولیت کے ساتھ عام قیمتوں کے تغیّرات کے اسباب کی توضیح کی ہے۔ اور قدر زر کے تغیّرات کی شرح سے اشیاء کے بازاری نرخ کے تغیّرات کو اور مزدوروں کی اجرت کو جو تعلّق ہے اس کو بھی بیان کیا ہے، چنانچہ وہ اس پر زور دیتا ہے کہ صرف مروجّہ زر کی مقدار کو ملک کی کُل دولت سمجھنا غلطی ہے اور قیمتی دھاتوں کی برآمد پر قانونی بندشیں عائد کرنے کے طرزِ عمل کو وہ اس وجہ سے بیکار اور لاحاصل خیال کرتا ہے کہ تجارتی ضروریات کی بنا پر اُن پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

بودن اُس زمانے کی ادبی تاریخ میں خاص طور پر اہم مرتبہ رکھتا ہے، اُس کی توجہ صرف معاشی مسائل تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ وہ دوسرے شعبہ ہائے علوم میں بھی کافی دستگاہ رکھتا تھا،

---

[1] Lezioni delle monete

[2] رومیو بولو کی تصنیف اس سے بہت زیادہ قابل قدر ہے اور یہ ۱۶۱۱ء میں لکھی گئی اور ۱۶۲۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کی مفصل تنقید لوگا بز کی تصنیف میں موجود ہے ۱۲

[3] (1) Reponse aux paraloxes de M. Malestioit touchant l'encherissement de tentes les choses et des mounaies (1568)

(2) Discoure sur le rehaussement et la diminution des Monnaies (1578)

اس کا ثبوت ایک تصنیف[1] سے ملتا ہے جو سنہ ۱۵۷۶ء میں شائع ہوئی تھی، یہ تصنیف اُس کے زمانے کے حالات و خیالات کا آئینہ ہے، اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خودمختار بادشاہی کے طریق کو پسند کرتا تھا اور اس لئے پسند کرتا تھا کہ اس طریق حکومت میں رعایا کی بہبود اور حفاظت کرنے کی صلاحیت دوسرے طریقہ ہائے حکومت سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے، اسی سلسلے میں بوون نے افلاطون اور مور کی اشتراک جائداد کی تجویز سے سخت اختلاف کیا ہے اور اس کی بجائے وہ انفرادی ملکیت کی نہایت شدّ و مد کے ساتھ وکالت کرتا ہے گو کہ اُس کے زمانے میں انابیسٹسٹ فرقے کی زیادتیوں نے اشتراکی عقائد کے خلاف سخت برہمی پیدا کر رکھی تھی مگر بوون نے اپنی تصنیف میں کسی عملی ضروریات وقت کے لحاظ سے انفرادی ملک کی بحث کو نہیں چھیڑا بلکہ اُس کی تصنیف کا موضوع ہی ایسا تھا کہ اُس میں اس مسئلے پر بحث کرنا ناگزیر تھا۔

بوون تجارئین کے خیالات سے بڑی حد تک متاثر معلوم ہوتا ہے چنانچہ وہ حکومت کو صنعتی معاملات میں مداخلت کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور بیرونی مصنوعات پر زیادہ محصول عائد کرنے اور ملکی اشیائے خام اور اشیائے خور و نوش پر محصول کم کرنے کی رائے دیتا ہے، نیز گنجان آبادی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے مگر پھر بھی وہ اُصول تجاریت کا مقلد کور نہ تھا، اس کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ وہ اکثر صورتوں میں غیر محدود آزاد تجارت کے اُصول پر زور دیتا ہے اور اُن میں کسی قسم کی مداخلت کرنے سے باز رہنا حکومت کے لیے ضروری سمجھتا ہے، بوون کو اُس کے زیادہ مشہور معاصر مانٹین پر صرف اس لحاظ سے فضیلت

[1] Six Livres de la Republique

Anabaptist

حاصل ہے کہ بوون نے مان ٹین کے برعکس اس امر کو ثابت کر دکھایا ہے کہ ایک قوم کے فائدے سے دوسری قوم کو نقصان پہنچنا لازمی نہیں ہے۔ بوون کی توجہ کا خاص مرکز مالیات ہے جس کو وہ سلطنت کے عضلات سے تعبیر کرتا ہے، اس بارے میں اُس نے حکومت کے فرائض بیان کیے ہیں، چنانچہ محصول عائد کرتے وقت عدل و انصاف کو خاص طور پر ملحوظ رکھنے کے متعلق زور دیا ہے، غرض عام نظر سے دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ بوون قوم کی مادی ترقی اور تنظیم میں قوم کے اعلیٰ مقاصد و اغراض کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے۔ اور اُس کی بنا پر وہ مستحق تحسین ہے۔

43 **ولیم اسٹافورڈ۔** ۱۵۸۱ء میں ایک کتاب[1] شائع ہوئی جو ملکہ ایلیزبتھ کے نام سے معنون تھی، اُس کا مصنف ایک انگریز ولیم اسٹافورڈ نامی تھا۔ اس کتاب سے قیمتوں کے عام اضافے کے اسباب کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ مصنف نے مکالمے کی شکل میں کتاب لکھی ہے اور مکالمہ کرنے والے اشخاص کی زبان سے وہ اپنے پرجوش خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ کتاب میں جابجا بوون کا بھی حوالہ ملتا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ مصنف بوون سے ناواقف نہ تھا۔ مصنف نے زر کی نوعیت کے بارے میں نہایت سنجیدہ طرز پر بحث کی ہے، سکے میں آمیزش کرنے سے جو فتنے اُٹھتے ہیں اُنکو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور گزشتہ زمانے میں سکوں کی آمیزش سے اور قیمتی فلزات کی قدر و قیمت کے تغیرات سے ملک کے مختلف اغراض پر جو اثرات پڑے اُن پر تاریخ وار روشنی ڈالی ہے۔ اُس کے زمانے میں زرعی زمینیں عام طور پر رمنے اور چراگاہیں بن رہی تھیں، اس رجحان کو

[1] Brief conception of English Policy

وہ قانون غلّہ کی طرف منسوب کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ غلّے کی برآمد پر جو بندشیں قائم تھیں اُنھیں کا یہ کرشمہ ہے، چنانچہ وہ ان بندشوں کو ہٹانے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ جہاں تک مصنوعات کا تعلق ہے مصنف وہی خیالات ظاہر کرتا ہے جو کہ بعد کے تجاریین نے ظاہر کیے یعنی جو اشیاء ملک کے اندر بآسانی تیار کئے جا سکتے ہیں، اس قسم کے اشیاء کی درآمد کو قطعاً روکنے کے بارے میں وہ زور دیتا ہے اور جن ملکی اشیائے خام کو ممالک غیر طلب کرتے ہیں اور اُن سے مصنوعات تیار کر کے واپس بھیجتے ہیں اُن کی برآمد کو ممنوع قرار دینے کی تحریک کرتا ہے۔

جرمنی کے ایک نامعلوم مصنف کی کتاب۔

زر کے مسئلے کے بارے میں جرمنی میں بھی ایک کتاب شائع ہوئی اور اس ملک میں یہ کتاب معاشیات کی سب سے پہلی مشہور تصنیف ہے جو قومی رنگ میں اور ملک کی زبان میں لکھی گئی، ہوا یہ تھا کہ ۱۵۳۰ء میں کہ سکسنی میں ارنسٹ خاندان کے فرماں رواؤں نے سکّۂ رائج الوقت میں آمیزش کرنے کی کارروائی اختیار کی اور شاخ البرٹ نے اس حرکت کو اپنی سنجیدہ حکمت عملی کے خلاف ثابت کرنے اور اس سے اظہار تنفر کرنے کی غرض سے ایک مختصر سا مضمون مرتّب کروایا جو بعد میں ایک مشہور کتاب کی صورت میں شائع ہوا، اس کتاب میں جو دلائل پیش کیے گئے اُن کی تردید کرنے کی غرض سے اگرچہ ارنسٹ خاندان نے بھی ایک رسالہ مرتّب کیا جس کا جواب الجواب البرٹ خاندان کی طرف سے دوبارہ شائع ہوا، مگر واقعہ یہ ہے جیسا کہ روشر کا قول ہے، کہ ارنسٹی رسالہ غیر ادیبانہ، بے مغز اور سوفسطائیہ رنگ کا ہے اور اُس کو دلچسپ صرف اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ من کی تصنیف سے تقریباً ایک سو سال قبل اور بودان کی تصنیف سے ۴۶ سال قبل کے اساسی اُصول تجاریت بھی اس میں بیان کئے گئے

ہیں باقی اور کوئی دلچسپی اس میں نہیں ہے، اس کے برعکس البرٹ خاندان کی کتاب میں بقول روشر قومیت کا رنگ نظر آتا ہے، ملک کی دولت پر اور زر و تجارت کی نوعیت پر قومی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے، اور معاشی معاملات میں حکومت کا جو طرزِ عمل ہونا چاہیے اُس کے بارے میں اس قدر سنجیدہ طریقے سے خیالات ظاہر کیے گئے ہیں کہ روشر نامعلوم مصنف کو ریلے اور سولھویں اور سترھویں 44
صدی کے آخر کے دو دوسرے مشہور انگریز "حامیانِ مستعمرات" کا ہم پلّہ قرار دیتا ہے۔

نکولاس کوپرنی کس۔

اسی بحثِ زر کے سلسلے میں ہم ایک بلند پایہ مصنف کوپرنی کس سے متعارف ہوتے ہیں، شاہ سگس منڈ اول کی فرمائش پر اُس نے ایک کتاب[1] تصنیف کی جو پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۱۶ء میں طبع ہوئی، پولینڈ کے صوبوں میں پروشیا کی حکمرانی تھی اور ان میں مختلف قسم کے سکّے رائج تھے، اس کتاب میں اُنھیں نقائص کے دور کرنے کے بارے میں اصلاحی تجاویز اور اُصول بیان کیے گئے ہیں، مصنّف پوری ریاست میں واحد طریق زر کو رواج دینے کے بارے میں زور دیتا ہے بشرطیکہ سکّے کے خالص رکھنے کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے اور سکّوں پر اُسی قدر محصول لیا جائے جس قدر کہ مصارف ٹکسال کے لیے درکار ہو۔

انٹونیو سِرّا۔

بعض لوگ انٹونیو سِرّا کو معاشیاتِ جدید کا بانی مبانی قرار دیتے ہیں، انٹونیو سِرّا کیلبریا میں ایک مقام کوسن زا کا باشندہ تھا، اُس نے ایک کتاب[2] اپنے زمانۂ قید میں

---

[1] De Monetai cudendae Ratione (1526)

[2] Breve Tratto delle causi che Ponous fare abbonden li regin d'argento done non send miniere. (1613)

تصنیف کی جو ۱۶۱۳ء میں شائع ہوئی۔ اُس کی اسیری کا باعث یہ الزام خیال کیا جاتا ہے کہ اُس نے کمپانیلا کی سازش میں حصہ لیا تھا جس کا مقصد نیپلس کو ہسپانیہ والوں کے جوے سے آزادی دلانا اور ایک جمہوری حکومت کا قائم کرنا تھا۔ اُس کی مذکورۂ بالا تصنیف تقریباً ایک صدی تک غیر معروف رہی۔ جب گیلیانی اور دوسرے مصنفوں نے اس کی طرف لوگوں کو متوجہ کرایا تو وہ منظر عام پر آئی۔ کتاب کے عنوان ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اُصول تجاریت کا مقلد ہے اور حقیقت یہ ہے مصنف نے اپنی کتاب میں تجاریت کے اساسی اُصول کی نہایت باضابطہ اور مسلسل طریقے پر تشریح کی ہے۔ مصنف اس امر پر زور دیتا ہے کہ صنعت کا درجہ زراعت سے افضل ہے اور صنعت ہی قومی دولت کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ جنیوا، فلورنس اور وینس کی خوشحالی کی مثال دے کر یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ شہر صرف صنعتی ترقی کی بدولت اس درجہ متموّل بنے اور اسکے برعکس نیپلس کی پست حالت کو مقابلے میں پیش کرتا ہے۔ مصنف دوسرے اکثر تجاریین کے مقابلے میں اس لحاظ سے زیادہ صاحب بصیرت معلوم ہوتا ہے کہ وہ دولت کے اکتساب اور افزائش کے لیے صرف خارجی حالات کی موافقت ہی کو ضروری نہیں سمجھتا بلکہ مستحکم حکومت کی موجودگی اور رائج الوقت قوانین کے احترام کی ضرورت نیز افراد کے محنتی اور جفاکش ہونے کی اہمیت پر بہت زور دیتا ہے

45 مانٹ کرے تین ڈی واٹ وِتے

معاشیات کی سب سے پہلی باقاعدہ تصنیف ایک فرانسیسی مصنف مانٹ کرے تین دی واٹ وِتے نے لکھی جو ۱۶۱۵ء میں شائع ہوئی[۱]۔ بقول رو شر، مانٹ کرہی تین نے

---

[۱] کتاب کا نام Trait dl'economie Politique ہے ۱۶۲۱ء میں مان کری تین نے

سب سے بڑی خدمت یہ انجام دی کہ کتاب کا عنوان قائم کر کے علم کو پہلی مرتبہ اس نام سے نامزد کیا، کیونکہ خود بیکن بھی اس سے قبل لفظ "اکنامیا" سے محض "انتظام خانہ داری" کا نظریہ مراد لیتا تھا۔ اگرچہ تصنیف کا نام نہایت جامع ہے، لیکن تصنیف میں صرف صنعتی فنون، جہاز رانی، تجارت اور مالیات ہی پر روشنی ڈالی گئی ہے اور زراعت کو بالکل نظرانداز کیا گیا ہے۔ اس سے اُس زمانے کے رنگ کا پتا چلتا ہے کہ عام رجحانات اور مقاصد کیا تھے، تجارت خارجہ اور نوآبادیات کی نسبت عام جوش و خروش پھیلا ہوا تھا، مصنّف کا اس سے متاثر ہونا ایک لازمی امر تھا۔ مصنّف اس امر پر نہایت تشدد کے ساتھ زور دیتا ہے کہ بادشاہ اپنے ملک کی صنعت و حرفت کی نگرانی کریں، ہسپانیہ، ہالینڈ اور پرتگال کی حکومتوں نے اپنے ملکوں میں تجارت کے بارے میں حد سے زیادہ آزادی دے رکھی تھی، مصنّف اس حکمت عملی کو حکومتوں کے حق میں مضرت رساں ثابت کرتا ہے، اور اس لحاظ سے اس حکمت عملی سے اختلاف ظاہر کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ کتاب فرانسیسی زبان میں نظام تجارت کے اُصول کی ایک باقاعدہ شرح سمجھی جا سکتی ہے۔

تامس من۔

تامس مَن نے اسی کے مماثل خدمت انگلستان میں انجام دی۔ نظریۂ توازن تجارت کی اس نے سب سے پہلے نہایت صاف اور باقاعدہ تشریح کی اور یہ اُس کی دو کتابوں میں موجود ہے، پہلی کتاب[1] دوسری مرتبہ ۱۶۲۱ء میں شائع ہوئی اور دوسری کتاب[2]

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ تارمنڈی میں علم بغاوت بلند کیا اور رگلا دتر گو کے ہاتھوں جو ترگو اعظم کے خاندان سے تھا، مع اپنے چند رفقا کے قتل ہوا ۱۲۱۔

[1] A discourse of Trade from England into the East Indie (1621)

[2] England's Treasure by Foreign trade

اُس کے مرنے کے بعد ۱۶۶۴ء میں طبع ہوئی۔ ان کتابوں میں
مصنّف نے اُن ذرائع و اسباب کا بھی ذکر کیا ہے جن کی بنا پر
"توازن" انگلستان کے موافق ہو سکتا تھا۔ مَن حکومت کی معاشی
حکمت عملی کا سب سے بڑا مقصد یہ بتاتا ہے کہ مصنوعات
کی برآمد، اشیائے خام کی درآمد اور تجارت حمل و نقل پر حکومت
اپنی نگرانی قائم کرے اور چنگی کے محصول کا انتظام اپنے ہاتھ میں
اس طرح پر رکھے کہ بیرونی ممالک سے روپیہ کھینچ کر ملک کے اندر
آتا رہے، بایں ہمہ وہ بدیسی اشیا کی درآمد کے مبادلے میں سکّے
کی برآمد پر بندشیں قائم کرنے کا مخالف ہے اور اپنے عام
اُصول کے مطابق صرف اس شرط سے بدیسی اشیا کی درآمد کو جائز
رکھتا ہے کہ اُن سے مصنوعات تیار کر کے دوبارہ برآمد کی جائیں
اور بدیسی اشیا کے خریدنے میں جو قیمت دینی پڑے اُس سے زیادہ
ان مصنوعات سے وصول ہو جائے اور اس طرح مُلک کو 46
سونا، چاندی، وصول ہو۔ بدیسی اشیا کے خریدنے میں زر کی جو برآمد
کرنی پڑتی ہے اُس کو مصنّف تخم ریزی سے مشابہت دیتا ہے
اور مصنوعات کی دوبارہ برآمد سے زائد رقم جو واپس مل جاتی ہے
اُس کو فصل کی کٹائی سے تعبیر کرتا ہے، اشیا کی گرانی کا سبب مقدار زر
کے اضافے کو بتاتا ہے اور زیادہ مقدار میں زر کا رائج کرنا اس وجہ
سے بھی خلاف مصلحت سمجھتا ہے کہ گرانی کے سبب سے بیرونی
ممالک میں ملکی اشیا بہت کم فروخت ہوں گے۔ لیکن مصنّف
سرکاری خزانے کے قیام و انتظام کے بارے میں
زور دیتا ہے۔

سر جوشیا چائلڈ۔

سر جوشیا چائلڈ ایک نہایت مشہور اعتدال پسند
تجاری ہے اور اُن اشخاص میں سے ہے کہ جنھوں
نے ہالینڈ کو نمونہ قرار دے کر اپنے ہم وطنوں کو اُس کی تقلید پر

اُبھارا، جہاں تک سود کا تعلق ہے، سر جوشیا چائلڈ کم سے کم شرح کو
نہ صرف قومی دولت کے لیے بلکہ عام مرفہ الحالی کے لیے بھی مفید
سمجھتا ہے، چنانچہ ولندیزوں کی دولت و ثروت کا سبب اور راز
کم شرح سود کو قرار دیتا ہے۔ اُس کے نزدیک سود کو تجارت و زراعت
سے وہی نسبت ہے جو کہ روح کو جسم سے ہے۔ وہ بجائے یہ خیال
کرنے کے کہ ادنیٰ شرح کے رواج کا مدار حالاتِ معینہ پر ہے جو
از خود نمودار ہوتے ہیں اور جن میں دست اندازی نہ کرنی چاہیے
وہ یہ خیال کرتا ہے کہ حکومت کو شرح سود کو کم کرنے کا انتظام و اہتمام
کرنا چاہیے۔ چائلڈ اگرچہ اصول توازن تجارت کو تسلیم کرتا ہے
پھر بھی یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ قوم بدیسیوں سے اشیا خریدے بغیر
کبھی اُن کو اپنا مال ہمیشہ فروخت نہیں کر سکتی اور اس خیال کی بھی تردید
کرتا ہے کہ سونے چاندی کی برآمد لازمی طور پر نقصان رساں ہے۔
مثل سب تجارئین کے وہ بھی کثیر آبادی کا طرفدار ہے۔ جہاں تک
مادرِ مُلک اور نو آبادیات کی تجارت کا تعلق ہے، وہ اِس امر کی
وکالت کرتا ہے کہ مادرِ مُلک بلا شرکت غیرے تجارت کرنے کا حق
اپنے ہی لیے محفوظ رکھے اور اس بارے میں بعض تجارتی کمپنیوں
کو چند شرائط کے تحت خاص حقوق عطا کرنے کے لیے زور
دیتا ہے، قانون جہاز رانی کے بارے میں اس کا تصور بعینہٖ وہی
ہے جو کہ بعد میں چل کر آدم اسمتھ نے قائم کیا یعنی وہ اس قانون کو
معاشی اعتبار سے اس قدر منفعت بخش نہیں خیال کرتا جس قدر کہ 47
سیاسی لحاظ سے اہم سمجھتا ہے۔ اُس کے خیالات کسی قدر انتخابیت
کی طرف مائل نظر آتے ہیں، لیکن اُس کو اٹھارھویں صدی کے
آزاد تجارتی مسلک کا صحیح معنوں میں پیش رو نہیں کہا جا سکتا،
اگرچہ بعضوں نے اُس کی طرف یہ خصوصیت منسوب
کی ہے۔

سر ولیم ٹمپل اور چارلس ڈیونانٹ

یہاں پر دو مصنّف سر ولیم ٹمپل اور چارلس ڈیونانٹ بھی اس لحاظ سے قابل ذکر ہیں کہ ان کا رجحان انتخابیت کی طرف ہے۔ اگرچہ اُن کے خیالات بالعموم صحیح ہوتے ہیں مگر بعض اوقات اُن میں تجارتی تعصّبات کی جھلک بھی پائی جاتی ہے، ولیم ٹمپل کی ایک کتاب صوبہ ہائے ہالنڈ پر ایک نظر" سنہ ۱۶۷۲ء میں شائع ہوئی اور ایک مضمون" تجارت آئرلینڈ"[1] پر سنہ ۱۶۷۳ء میں شائع ہوا۔ ان میں مصنّف نے معاشیات کے اساسی اصول، مزدوروں کے فرائض اور پیدائش دولت میں پس اندازی کی اہمیت کو بہت اچھے اور سنجیدہ طور سے بیان کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ نظریۂ توازن تجارت کے بارے میں جو عام غلط فہمی پھیلی ہوئی تھی اُس میں وہ بھی مبتلا نظر آتا ہے، چنانچہ جہاں تک معاشی حکمت عملی کا تعلّق ہے، ریلے اور چائلڈ کی اتّباع میں وہ اپنے ہم وطنوں کو ولندیزوں کی مثال کی تقلید کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ چونکہ وہ ہالینڈ میں ایک مدت دراز تک سفیر کی حیثیت سے رہا تھا اور اُس کو بچشم خود حالات کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تھا اور اُن سے وہ متاثر ہوا، اسی بنا پر اُس نے اپنے ہم وطنوں کو تقلید کا مشورہ دیا۔ ڈیونانٹ کا ایک مضمون[2] " مشرقی ہند کی تجارت" سنہ ۱۶۹۶ء میں شائع ہوا اور دوسرا مضمون" توازن تجارت سے کیونکر نفع حاصل کیا جا سکتا ہے"[3] سنہ ۱۶۹۹ء میں شائع ہوا، ڈیونانٹ بھی انتخابیت کے رنگ میں

[1] Essay on the Trade of Ireland (1673)

[2] Essay on ths East India Trade (1696-97)

[3] Essay on the Probable ways of making the people gainers in the Balance of Trace (1699)

ڈوبا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ اگرچہ ان مضامین میں اُس نے دولت و زر کے بارے میں بعض صحیح خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ لیکن تجارت کا جہاں تک تعلق ہے اُس پر اُصولِ تجاریت کا اثر غالب نظر آتا ہے یعنی وہ اندرونِ مُلک تجارت آزادی کی پُرزور وکالت کرتا ہے اور اسی کے ساتھ نوآبادیات کی تجارت پر بندشیں قائم کرنے کے بارے میں حکومت سے شد و مد کے ساتھ سفارش کرتا ہے ۔

اصول تجاریت کا زوال اور سلبی تحریک کا نشو و نما۔

اگرچہ نظامِ تجاریت سے سترھویں صدی کے معاشی خیالات کے طرز کی نمائندگی ہوتی تھی اور یہی نظام میدانِ سیاسیات میں ہر طرف چھایا ہوا تھا، مگر اُسی کے پہلو بہ پہلو نئے خیالات بھی پیدا ہو رہے تھے اور یہ خیالات اُصولِ تجاریت سے نہ صرف مختلف بلکہ اُس کے متضاد تھے اور انجام کار یہی نظامِ تجاریت کا استیصال کرنے والے ثابت ہوئے ۔ ان معاشی خیالات کا نشو و نما انگلستان میں ہوا اور ایک صدی بعد اُن کو فرانس میں قبولیت عام حاصل ہوئی اور اُن کا اثر اس قدر بڑھا کہ وہ سیاسیات میں ایک قوت بن گئے ۔ ان خیالات کا پہلے انگلستان میں عملی جامہ پہنا اور اس کے بعد فرانس کے اہلِ قلم کے ذریعے سے یورپ میں اُن کی توسیع، ترویج و اشاعت کا ہونا بعینہٖ اُسی سلسلے کے تحت تھا جس سلسلے کے تحت اخلاقیات و سیاسیات میں عام سلبی اُصول کی تحریک 48 پھیلی تھی، یعنی سلبی تحریک کا آغاز بھی انگلستان ہی میں ہوا مگر فرانس کی آغوش میں پرورش پا کر وہ بسرعت تمام مہذب دُنیا میں پھیل گئی، غرض انگلستان میں معاشی خیالات کی نئی تحریک نے یہ شکل اختیار کی کہ واقعات و خیالات کی زیادہ صحیح طریقے پر تحلیل کی جاتی تھی اور اس کی بنیاد پر مروجہ معاشی اُصول پر فرداً فرداً نکتہ چینی کی جاتی تھی، فرانس میں اسکے برعکس

اس تحریک میں معاشری جذبات پوری قوت کے ساتھ داخل ہو گئے اور تحریک ایک گروہ کا خاص مسلک و مشرب بن گئی، چنانچہ اس مسلک کے پیروؤں نے موجود الوقت آئین و رواج کے خلاف سخت احتجاج کیا اور عملی اصلاح کا فوری مطالبہ کیا۔

نئی تحریک کے خصوصیات

نظری اعتبار سے دیکھا جائے تو نئی تحریک میں حسب ذیل ممتاز خصوصیات پائے جاتے ہیں:-

(ا) انتہا پسند تجاریین یہ تصور کرتے تھے کہ قومی دولت کا مدار سیم و طلا کی فراہمی پر ہے، نئی تحریک نے اس کی تردید کی اور انسان کی محنت اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو دولت کا اصلی ذریعہ بتایا۔

(ب) تجاریین مصنوعات اور تجارت خارجہ کو بہت زیادہ اہم سمجھتے تھے اور اُس کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے بہت زیادہ مبالغہ آمیزی سے کام لیتے تھے، نئی تحریک نے افراط تفریط دونوں سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا، زراعت کی ناقدری کے خلاف صدا بلند کی اور زراعت کو ایک کامیاب فن اور پیشہ بنانے کے بارے میں تجاویز پیش کیے۔

(ج) اُصول تجاریت کے لحاظ سے "موافق توازن تجارت" کا حاصل کرنا کسی قوم یا مدبر سیاست کا حقیقی مقصد تھا مگر نئی تحریک میں کل آبادی کی جملہ ضروریات زندگی کو پورا کرنا اور سہولتیں بہم پہنچانا مقصد بتایا گیا ہے۔

(د) حامیان اُصول تجاریت نے تجارت خارجہ پر بندشیں قائم کرنے اور ملک کی تجارت کو ترقی دینے کی غرض سے متعدد تجاویز پیش کیے تھے مثلاً تامینی محصول لگانا، یا امداد دینا، اجارے دینا اور تجارتی کمپنیوں کو خاص حقوق عطا کرنا وغیرہ اور یورپ کی حکومتیں صنعت و تجارت کے مفروضہ اغراض کی تکمیل کی غرض سے

انھیں آلات سے کام لیتی تھیں، ان سب تدابیر کو نئے مسلک نے محض فضول وبیکار ٹھہرایا اور ثابت کیا کہ یہ تدابیر صنعتی وتجارتی ترقی میں ممد ومعاون ہونے کی بجائے اُن کے لیے سدّ راہ ہیں، اور صنعتی وتجارتی آزادی پر نہایت شدّ ومد کے ساتھ زور دیا۔

نئی تحریک کے حامی

اس میں شک نہیں کہ یہ نئے خیالات صرف تبدریج رونما ہوئے اور اسی لیے اُن کے اوّلین نمایندے اُن کو نامکمل سمجھ کر احتیاط کے ساتھ اُن کی وکالت کرتے رہے، مگر ان خیالات کی اہمیت روز بروز بڑھتی ہی گئی اور اعلیٰ ترین دماغ اُن کی پیروی اور وکالت پر کمربستہ ہونے لگے اور ذی فہم عوام میں بھی اُن کے پیروؤں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔

ہابس

ان نئے رجحانات سے بعض مصنفوں کی تصانیف بھی متاثر نظر آتی ہیں چنانچہ ہابس کی دو کتابوں[1][2] میں بھی کہیں کہیں اس کا ثبوت ملتا ہے، ہابس ایک بلند پایہ فلسفی تھا اور اُس کا کمال زیادہ تر عام فلسفے میں ظاہر ہوتا ہے، اس نے سب سے پہلے سلبی اُصول کی تنظیم کی اور اس کے بعد موجود الوقت معاشری نظام کے انہدام کے لیے ایک قوی تحریک پیدا کر دی، اور یہی تحریک، جیسا کہ ہم کو آگے چل کر معلوم ہوگا، نہ صرف سیاسی بلکہ معاشی شعبے میں بھی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ 49

سر ولیم پٹی

سر ولیم پٹی کے تصانیف کا دائرہ تو وسیع نہ تھا، مگر وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہوشمند اور فہمیدہ تھا۔ اُس نے متعدد مضامین تحریر کیے اور ان میں صحیح طریقے پر معاشی اُصول کی تحلیل کی۔ وہ اپنی تمام تحریروں میں اس

ل (1) De cine

(2) Leviathan

اُصول پر زور دیتا ہے کہ "محنت، دولت کا باپ اور زمین دولت کی ماں ہے" وہ محنت کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے ایک تو پیدا آور محنت، جو مفید مادّی اشیا تیار کرے اور دوسرے غیر پیدا آور محنت، جو کوئی افادہ پیدا نہ کرے۔ پٹی کو اس لحاظ سے ریکارڈو کا پیش رو کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس امر کا قائل ہے کہ کسی شے کی قدر و قیمت کا دار و مدار مقدار محنت پر ہے جو اُس شے کی تیاری میں صرف ہوتی ہے، وہ قدر و قیمت کا ایک عام پیمانہ بنانے کا خواہاں ہے اور اس بارے میں جو معیار تجویز کرتا ہے وہ ایک شخص واحد کے ضروریات حیات پوری کرنے والی ارزاں ترین اور اوسط درجے کی غذا ہے، لگان کی نوعیت کے بارے میں اُس کا تصوّر بالکل صحیح ہے۔ وہ لگان کو ماحصل زائد سمجھتا ہے جو قیمت پیداوار میں سے مصارف پیدائش منہا کرنے کے بعد باقی بچ رہے، شرح سود کے بارے میں حکومتوں کا طرز عمل عام طور پر یہ تھا کہ حکومت بیشتر ین شرح سود کا تعین کرتی تھی۔ پٹی اس طرز عمل کی مخالفت اور صنعتی معاملات میں سرکاری مداخلت کو ناپسند کرتا ہے زر کے رواج کے بارے میں وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ ہر ملک کو اپنے تجارتی اغراض کے لیے زر کی ایک محدود و معیّن مقدار کی ضرورت رہتی ہے اور اس مقدار میں زیادتی ممکن ہے کہ باعث نقصان ہو۔ اسی لیے سونے چاندی کی برآمد پر بندشیں قائم کرنے کے بارے میں اختلاف کرتا ہے، وہ اس امر کو نہایت ضروری سمجھتا ہے کہ سونے چاندی میں سے صرف ایک دھات بطور زر کے رائج رہے اور دوسری دھات مثل دیگر اشیائے تجارت کے رکھی جائے۔ پٹی کا نام علم اعداد و شمار کی ترقی کے ضمن میں خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پٹی نے اس فن کی تحقیقات میں اتنا بہت سا قیمتی وقت صرف کیا اور اُس کو ایک علم کے مرتبے تک پہنچانے کی

کوشش کی، چنانچہ اُس نے اس علم کا نام "سیاسی علم الحساب" رکھا، چنانچہ پیٹی محض اپنی عددی تحقیقات پر بھروسا کرکے اُس متحدہ خیال کی تردید کرتا ہے جو برطانیہ لینگ وِنس[1] کے مصنّف، فارٹ رے، روجر کوک وغیرہ مشہور مبصروں نے پیش کیا تھا اور جس میں انگلستان کی خوشحالی کو تنزل پذیر بتایا گیا تھا۔

50 **سر ڈڈلے نارتھ**

اُس زمانے میں تجارت پر بندشیں قائم کرنے کا طریق عام ہوگیا تھا اور انقلاب نے اس کا اثر اور بھی زیادہ محکم اور قوی کردیا تھا، سر ڈڈلے نارتھ اس کا سخت مخالف ہے اور آزاد تجارت کے اُصول کو نہایت پرزور اور مکمّل طریقے سے اپنی کتاب[2] "مباحث تجارت" میں پیش کرتا ہے، یہ کتاب سنہ ۱۶۹۱ء میں شائع ہوئی، مصنّف ثابت کرتا ہے کہ دولت کا وجود بغیر سونے چاندی کے ممکن ہے یعنی سونے چاندی پر دولت کا انحصار نہیں بلکہ انسان کی محنت، خواہ وہ زمین کی کاشت میں صرف ہو یا مصنوعات کی تیاری میں، دولت کا اصلی ذریعہ ہے اور سونا چاندی قومی دولت کا ایک عنصر ہیں، جو نہایت اہم خدمات انجام دیتے ہیں اور زر کے بارے میں حسب ذیل خیالات ظاہر کرتا ہے کہ:۔ ایک ہی ملک میں مختلف اوقات میں زر کی افراط و تفریط دونوں ممکن ہیں اور تجارتی اغراض کے لیے جتنا زر درکار ہوتا ہے اُس کی مقداریں حالات کے لحاظ سے تغیّر ہوتا رہتا ہے۔ اور ان کا مدّ و جزر حالات کا تابع ہوتا ہے، زر کی قلّت تجارت میں جمود نہیں پیدا کرتی بلکہ اس جمود کے یہ اسباب ہیں۔ (۱) ملک کی منڈیوں میں اشیا کی افراط (۲) تجارت خارجہ کی

[1] Brittania Languens (1680)

[2] Discourses upon Trade (1691)

بد نظمی (۳) افلاس کی وجہ سے اشیاء کی مانگ اور صرف میں کمی، اور اشیاء کی درآمد میں زر کے برآمد کرنے سے اس کی دانست میں بجائے قومی دولت میں تخفیف ہونے کے اضافہ ہوتا ہے، اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتا ہے کہ تجارت میں زوائد کا مبادلہ ہوتا ہے یعنی فالتو اور غیر ضروری اشیاء کے مبادلے میں مفید اور بکار آمد اشیاء حاصل کیے جاتے ہیں۔ بقول مصنف قوموں کا تعلق عالم سے ایسا ہی ہے جیسا کہ شہر کا ملک سے یا خاندان کا شہر سے۔ نارتھ اپنے پیش روؤں کے مقابلے میں تجارت داخلی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ سود کو وہ اصل کی قیمت سمجھتا ہے جو مثل دوسرے اشیاء کی قیمت کے، قانون طلب کی بنا پر قرار پاتی ہے یعنی اصل کے اضافے سے شرح سود میں تخفیف ہوتی ہے اور اصل کی تخفیف شرح سود کو اعلیٰ کرتی ہے۔ چائلڈ وغیرہ کے برعکس نارتھ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ شرح سود کے تعین میں سرکاری مداخلت کبھی کارگر نہیں ہو سکتی، آزاد تجارت کے سوال پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ یہ رائے زنی کرتا ہے کہ اکثر افراد اپنے ذاتی مفاد کو خیر و شر کا معیار قرار دیتے ہیں اور ذاتی مفاد کے مدنظر دوسروں کو خرید و فروخت کے مساوی حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں، لیکن کسی ایک مفاد یا شعبۂ تجارت کو دوسرے مفاد یا شعبۂ تجارت پر ترجیح دینا عوام کے حق میں مضرت رساں ہے، عوام کے لیے کوئی تجارت فائدے سے خالی نہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ترک کر دی جاتی۔ جوں جوں تجارت ترقی کرتی جاتی ہے عوام بھی ترقی کرتے ہیں اور عوام کی ترقی سے تجارت کو فروغ ہوتا ہے، قیمتوں کا آپ سے آپ قرار پانا ضروری ہے، قانون اُن کو مقرر نہیں کر سکتا اور جبری مداخلت کا نتیجہ بجائے فائدے کے اُلٹا نقصان ہوتا ہے، حکومت کے قاعدے قانون کسی قوم کو متمول نہیں بنا سکتے

بلکہ صرف امن عامہ، صنعتی آزادی اور معاشی جدّوجہد سے تموّل
51 بڑھتا ہے۔ اس خلاصے سے ظاہر ہو جائے گا کہ نارتھ کا نقطۂ نظر اُن خیالات سے کس قدر ملتا جلتا ہے جن کا اظہار آدم اسمتھ نے ۸۰ سال کے بعد اپنی مشہور کتاب میں کیا۔

جان لاک

یوں تو لاک نے متعدد کتابیں تصنیف کیں مگر معاشیات میں اُس کی دو کتابیں[۱] خاص طور پر مشہور ہیں جو سنہ ۱۶۹۱ء اور سنہ ۱۶۹۵ء میں علی الترتیب شائع ہوئیں۔ روشر، لاک کو پیٹی اور نارتھ کا ہم پلّہ قرار دیتا ہے اور یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اُس زمانے میں انگلستان میں علمائے معاشیات کا یہی اتحادِ ثلاثہ تھا جس نے ایک نئے نظریے کی بنیاد قائم کی جو تجارئین کے نظریئے سے زیادہ معقول تھا۔ لیکن روشر کا آخری قول بظاہر بہت کچھ قطع و برید کے بعد تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لاک کی مذکور الصدر کتابوں کے حوالے سے الیب ٹنزیہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ مصنّف نے انتہائے ذہانت صرف کر کے مختلف مسائل پر نہایت پُرمغز بحث کی ہے مگر اس رائے کو بھی قطعی طور پر تسلیم کر لینا کسی قدر مشکل ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ لاک میں بہت صحیح اور سنجیدہ طریقے پر مشاہدات کرنے کا مادّہ تھا اور اُس نے تفصیلی طور پر واقعات و اُصول کی تحلیلات کیں اور اُن کی مدد سے بعض صحیح نتائج تک پہنچا، چنانچہ اُس کا یہ طرزِ عمل بھی قابلِ تعریف اور مستحقِ داد ہے کہ بعض عملی تجربہ رکھنے والے ماہروں کی وکالت کے باوجود اُس نے سکّے میں آمیزش کرنے کے بارے میں سخت اختلاف کیا اور اپنی حد تک اُس کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ بعض ایسی غلطیاں بھی کر جاتا ہے

(1) Considerations of the lowering of Interest and raising the value of money (1601)　(2) Further considerations (1605)

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کچھ کچھ تجارئین کے خیالات کا اثر باقی ہے، چنانچہ وہ زر کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اور دولت میں صرف سونے، چاندی کو شمار کرتا ہے کہ گویا ایک مُلک صرف اُسی وقت دولتمند کہلا سکتا ہے جبکہ اُس کے پاس بہ نسبت دوسرے ملکوں یا ہمسایوں کے قیمتی فلز زیادہ مقدار میں موجود ہوں - لاک بیان کرتا ہے کہ اگر کوئی مُلک دولتمند بننا چاہے اور اُس میں معدنیات نہ ہوں کہ قیمتی فلز ہاتھ آسکیں تو دولت حاصل کرنے کی غرض سے اُس مُلک کو تجارت کرنی چاہیے یا مُلک گیری کرنی چاہیے، چنانچہ اسی بنا پر وہ نظریۂ توازن تجارت کا قائل ہے، وہ شرح سود کے تعین کے بارے میں چائلڈ کے برعکس یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ قانونی مداخلت ہرگز کارگر نہیں ہوسکتی یعنی جس طرح جہازوں اور مکانوں کا کرایہ بذریعہ قانون مقرر نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح سود کی شرح کا معین کرنا بھی تحصیل حاصل ہے، لیکن اس زمانے میں شرح سود میں جو عام تخفیف ہوئی اُس کو وہ غلطی سے سونے، چاندی کی مقدار کے اضافے کی طرف منسوب کرتا ہے جو کہ امریکہ کی معدنیات کے دریافت سے ہوا تھا، گنجان آبادی کو بہت زیادہ قطعی طور پر اہمیت دیتا ہے اور اس لحاظ سے پیٹی کا بالکل ہم خیال ہے، اُجرت کے بارے میں یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اُجرت اتنی ہونی چاہیے جس سے مزدور کی ناگزیر ضروریات پوری ہوجائیں اور بس، جب اشیائے خورونوش کی قیمتوں میں اضافہ ہوگا تو اُجرت کی شرح بھی اُسی تناسب سے لازمی طور پر بڑھانی چاہیے ورنہ مزدور خیراتی فنڈ کا محتاج ہوجائے گا۔ اُس کے نزدیک زمین کے لگان میں تخفیف، قومی دولت کی تنزل پذیری کی بیّن علامت ہے۔ محصول کا جہاں تک تعلق ہے وہ یہ قضیہ پیش کرتا ہے کہ " ایک ایسے مُلک میں جس کی آمدنی کا دارومدار بیشتر زمین پر ہو، اگر کسی شخص پر محصول عائد کیا جائے خواہ وہ کسی طریق پر

کیوں نہو، تو اُس محصول کا بار انجام کار بڑی حد تک زمین ہی پر پڑے گا۔" اس قضیے میں فطرآئینوں کے "محصول مفرد" کی جھلک سی نظر آتی ہے، لاک نے جو کچھ بھی معاشی خدمت براہ راست انجام دی، ظاہر ہے لیکن مثل ہابس کے اُس کی اصلی اہمیت کا سبب اُس کے عام فلسفیانہ اور سیاسی اُصول تھے، یہی وہ اُصول تھے جن کا فرانس اور یورپ کے دوسرے ممالک کے خیالات پر نہایت قوی اثر پڑا، انھیں اُصول نے حکومت کی بے ضابطہ مداخلت کے خلاف زبردست ہیجان پیدا کیا اور اُنھیں اُصول نے اس قضیے کی بنیاد قائم کی جو "معاہدۂ معاشری" کی مکمل شکل میں رونما ہوا۔

(الف)

پانچواں باب

عہد جدید: تیسرا دور

فطری آزادی کا نظام

آدم اسمتھ کی پیدائش سے قبل

یورپ

(۱) عہد جدید کے خصوصیات (۲) نئی تحریک (۳)
فطرآئینی مسلک (۴) اُس کے سیاسی اُصول (۵) معاشی اصول
(۶) فرانس (۷) اطالیہ (۸) ہسپانیہ (۹) جرمنی (۱۰) ہالینڈ۔ 53

دو اہم تغیرات اور اُن کا اثر۔

تیسرے دور میں صنعتی شعبے کے اندرونی نظام میں دو تغیرات عمل میں آئے:-

(۱) بینک کا کاروبار عام تجارتی معاملات سے علٰحدہ کر دیا گیا، خصوصاً قرضوں کا لین دین شروع ہو جانے سے اس کاروبار میں گوناگوں وسعت پیدا ہو گئی۔

(۲) نئی نئی کلیں ایجاد ہوئیں اور عمل پیدائش میں اُن سے کام

لیا جانے لگا، حتیٰ کہ اٹھارھویں صدی کا نصف اوّل حصّہ گزرنے کے بعد کلوں نے بہت خاصی اہمیت حاصل کرلی۔ کلوں کے رواج کے باعث اس میں شک نہیں کہ مزدوری پیشہ طبقے کو مضمحل کردینے والی اور ادنیٰ قسم کی جسمانی محنت سے بہت کچھ نجات مل گئی اور اُن کا ذاتی وقار پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گیا مگر اُس کا اثر دوسری طرف یہ ہوا کہ آجروں اور مزدوروں کے تعلقات میں پہلے سے بہت زیادہ کشیدگی پیدا ہوگئی اور اس طرح یہ امر ثابت و واضح ہوگیا کہ صنعت کی باقاعدہ تنظیم کے لیے اخلاقی اصلاح پہلی اور ضروری شرط ہے۔

سیاسیات وصنعت کے تعلق میں تغیر

سیاسیات سے صنعت کے لگاؤ کا جہاں تک تعلق ہے اُس میں بھی اب ایک نمایاں تغیر واقع ہوا، گزشتہ دور میں یوروپ کی حکومتیں صنعت کو فوجی تسلط و تفوّق کا آلہ بنانا چاہتی تھیں اور اسی غرض سے صنعت کی باقاعدہ طور پر حوصلہ افزائی کرتی رہیں، اب اس کے برعکس اس دور میں فوجی جوش و خروش دب گیا، مُلک گیری کا جذبہ سرد پڑ گیا اور صنعتی اولوالعزمیوں کا دور دورہ شروع ہوا جس میں حکومت کے فوج ولشکر اور سیاسیات تجارت کے تابع کردیے گئے، چنانچہ اٹھارھویں صدی کے بڑے حصّے میں جتنی جنگیں ہوئیں وہ سب تجارتی جنگیں تھیں اور ان جنگوں کا مقصد گزشتہ دور میں جو نوآبادیات حاصل کی گئی تھیں اُن کی حفاظت یا اُن میں توسیع کرنا یا اُن مقبوضات سے جو صنعتی و تجارتی فوائد حاصل ہوسکتے تھے اُن سے حریف اقوام کو محروم رکھنا تھا، اس میں شک نہیں کہ سیاسیات اور صنعت کے تعلقات میں اس طرح پر تغیر واقع ہوجانے سے
54 یہ افسوسناک نتیجہ ظہور پذیر ہوا کہ قوموں میں باہمی حسد و عناد کی آگ پہلے سے زیادہ مشتعل ہوگئی، مگر پھر بھی اس تغیر کو ایک حقیقی اور اہم

ترقی کی تحریک کی ابتدا کہنا چاہیے جس نے اس بات کا صاف طور پر اعلان کر دیا کہ آیندہ اقوام عالم کا مستقل اور عملی مقصد صرف صنعتی جدوجہد ہوگا۔

فرانس اور انگلستان میں صنعتی تحریک کا اثر

اگرچہ فرانس اور انگلستان کی حکومتوں نے صنعت و تجارت کی ترقی کی طرف معقول توجہ کی اور وہ اپنے سیاسی طرز عمل سے نئے قوئی کے اثر و تسلط کو بڑھاتے رہے لیکن جب حکمراں جماعتوں پر یہ بات منکشف ہوئی کہ تحریک جدید کی تہ میں بعض ایسے رجحانات پوشیدہ ہیں جن سے اُن کے بعض سیاسی اغراض کے معرض خطر میں پڑ جانے کا امکان ہے تو انھوں نے مقاومت کی پالیسی اختیار کی، چنانچہ فرانس میں لوئی چہار دہم کے نصف آخر دور حکومت میں میڈم ڈی مین ٹی نن کے تباہ کن اثر نے نئی تحریک کے خلاف زبردست ہیجان پیدا کر دیا، اور انگلستان میں ۱۶۸۸ء کے قانون کے بعد سے حکومت طاقتور امرا اور قدامت پسند حکام کی دوہری بنیادوں پر قائم ہو چکی تھی اُس کی پالیسی اس قدر رجعت پسند نہ تھی جس قدر کہ حالت جمود و سکون کو ظاہر کرتی تھی، یوں تو اس زمانے میں فرانس و انگلستان دونوں ملکوں میں عقلی و ذہنی ترقی عام طور پر رکی رہی اور ایک مدت دراز تک یہ جمود رفع نہ ہوا مگر خصوصاً معاشی تحقیقات میں اٹھارھویں صدی کے تین عشروں میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا گیا اور چند کتابیں جو لکھی گئیں اُن میں بقول روشر وغیرہ کے اصلیت و جدت کے بجائے خالص انتخابیت کا رنگ نظر آتا ہے، پھر بھی ترقی کی راہ میں جو رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی وہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اس لیے کہ تحریک جو رک گئی تھی یا روک دی گئی تھی وہ پھر اُبھری اور اگرچہ اس تحریک کی نوعیت بدل چکی تھی مگر وہ پہلے سے زیادہ شاندار طریقے سے نمودار ہوئی، انگلستان میں سلبی فلسفے

کی نشوونما اور تشکیل ہوئی تھی مگر جس وقت فرانس میں اس فلسفے کی اشاعت ہوئی اور اُس کو قبول عام حاصل ہوا تو انقلاب سے قبل ہی ایک ایسی عام تحریک پیدا ہوئی جو ظاہر کرتی تھی کہ وہ ایک کامل معاشری کایا پلٹ پر ختم ہوگی، اس تحریک میں والٹیر اور روسو نے بھی ایک حد تک حصہ لیا اور نظام قدیم کو نئے نظام سے بدلنے کی کوشش کی مگر چونکہ دونوں شخص انقلاب حالات کے لوازم و شرائط سے کما حقہٗ واقفیت نہ رکھتے تھے یا کم از کم اُن کا لحاظ نہ کرسکے، اس لیے اُن کے مساعی سودمند ثابت نہ ہوئے بلکہ حالات نے نازک صورت اختیار کرلی، دیدرو کی قابل سرکردگی میں ایک فرقہ نمودار ہوا جس نے زیادہ صحیح و مکمّل اصول پیش کیے اور محض آزادیٔ عمل کے ذریعے سے کامل معاشری اصلاح و تنظیم کو ممکن خیال کیا، اس مسلک کا تعمیری نظام کتاب[1] "انسائکلوپیڈی" سے ظاہر ہوتا ہے، یہ کتاب متعدد دماغوں کی کد و کاوش کا نتیجہ ہے مگر اتحاد خیال بالکل برائے نام ہے اس لیے کہ اس میں اکثر مسائل پر باہمی اختلاف رائے پایا جاتا ہے، کتاب میں کوئی مکمّل نظام نہیں پیش کیا گیا ہے بلکہ صرف چند تجاویز اور اصول بتائے گئے ہیں، اسی وجہ سے اس کتاب کو تھوڑے ہی عرصے تک قبولیت حاصل رہی اور تجاویز کو عارضی طور سے کامیابی ہوئی، مگر یہی وہ عظیم الشان مسلک ہے جس سے فطرآئین گروہ کا خاص تعلق ہے؛ اور اگرچہ یہ دونوں 55
فرقے موجودالوقت معاشری نظام کو بُرا سمجھتے تھے اور اس میں کامل طور پر تبدیلی کردینے کی طرف مائل تھے مگر شاہی آمر مطلق کے ذریعے سے سیاسی نظام کو درہم و برہم ہونے سے بچانا چاہتے تھے یا سیاسی نظام میں صرف اتنی ہی تبدیلی کرنا چاہتے تھے جتنی کہ معاشری

[1] Encyclopedie

اصلاح کے لیے ضروری ہے، چنانچہ اسی قسم کے رجحانات کی بنا پر فطرآئین گروہ انقلاب پسند فرقوں سے ممتاز و ممیز ہے، مگر پھر بھی اُن کا طریق عمل اور اُن کے سیاسی خیالات بالکلیہ سلبی اور قانون فطرت پر مبنی ہیں۔

مباحث کی تقسیم

اس طرح پر فرانس میں خاصکر معاشی شعبے سے متعلق جو تغیرات و ترقیات رونما ہوئے، ہم پہلے اُن کا تفصیلی طور پر مطالعہ کریں گے اور اس کے بعد آدم اسمتھ کی پیدائش سے قبل یوروپ کے دوسرے ممالک میں فرانس کے بالمقابل جو تحریکات رونما ہوئے اُن کا حال معلوم کریں گے۔

فرانس

(آدم اسمتھ کی پیدائش سے قبل)

اصول تجاریت کے مضر اثرات اور اصلاح کی تحریک

فرانس میں اٹھارھویں صدی کے اوائل میں انتہائی تجاریت سیاسی حرص وہوس کا آلہ بنی ہوئی تھی جس کی وجہ سے صدہا خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں کاشتکاروں کی حالت نہایت خستہ وخراب ہو رہی تھی، محصول کا بار بالکل غیر منصفانہ اور ناقابل برداشت تھا ملک کی مالی حالت بھی غیر اطمینان بخش تھی اور ہر طرف بےچینی اور بے اطمینانی ہی نظر آتی تھی، انھیں خرابیوں کو محسوس کر کے فرانس کے روشن خیال حکما نے ان آزاد اور معقول اُصول کا نہایت پرجوش طریقے سے استقبال کیا جو انگلستان میں نئے مسلک کے فلاسفہ کی دماغی کدوکاوش کا نتیجہ تھے، جب فرانس میں ان نئے اُصول کا چرچا ہونے لگا تو ہر طرف سے کولبیر کی حکمت عملی پر اعتراضات کی بوچھار شروع ہوئی اور متعدد ممتاز اہل قلم کو کامل اصلاح کا مطالبہ کرنے کا موقع ملا۔

پیری باسے گلبیر

چنانچہ پیری باسے گلبیر[۱] ان ممتاز اہل قلم میں اہم ترین

---

۱ ۱۷۱۴ء میں فوت ہوا۔

شخص ہے اور وہ اپنی زندگی بھر اسی قسم کے بحث مباحثوں میں
مشغول رہا۔ اُس کی دو کتابیں[1] علی الترتیب سنہ ۱۶۹۷ء اور سنہ ۱۷۰۷ء
میں شائع ہوئیں، ان میں مصنف اعداد و شمار کے ذریعے سے
56 لوئی چہار دہم کے عہد حکومت کا تاریک پہلو دکھاتا ہے۔ اُس کی
نظری تصانیف تین ہیں[2]۔ ان کتابوں میں، وہ تجاریت کا نہایت
سرگرم اور جوشیلا مخالف نظر آتا ہے، وہ بار بار اس امر پر زور
دیتا ہے کہ دولت صرف سونے، چاندی کا نام نہیں بلکہ اسمیں
تمام مفید اشیا جن میں اوّلیت زرعی پیداوار کو حاصل ہے، شامل
ہیں، حتیٰ کہ وہ آگے بڑھ کر "نقرے" کو یہ الزام دیتا ہے کہ
وہ بجائے تجارت کا بندہ ہونے کے جیسا کہ حقیقت میں
اُس کو ہونا چاہیے تجارت کا جابر آقا بن بیٹھا۔ مصنف "فی الواقعی
فرانسیسی" سلی کا مرتبہ "اطالویت پرست" کولبیر سے برتر قرار
دیتا ہے، اور داخلی یا خارجی تجارت خصوصاً تجارت غلہ کے بارے
میں جو قواعد سرکار کی طرف سے مرتب کیے گئے تھے اُن کو
بیکار سمجھتا ہے، اُس کی دانست میں حکومت یا اُس کے
مرتب کردہ قواعد پر قومی دولت کا مدار نہیں ہے بلکہ سرکاری مداخلت
فائدے کے مقابلے میں زیادہ نقصان پہنچاتی ہے، اس لیے
کہ یہ فطرت کے معاشی نظام کے قوانین کے مطابق نہیں ہے،

---

[1] (1) Detail de la France Sous le regue present (1697)
(2) Factum de la France (1707) 07

[2] (1) Traite de la nature et du commerce des grains
(2) Dissertations sur la nature des richesses de l'argeut et des tributs
(3) Essai sur la rarete de l'argent.

مُلک کی مختلف جماعتوں کے اغراض آزاد نظام کے تحت ایک ہی ہوتے ہیں اور افراد کے اغراض حکومت کے اغراض کے مطابق ہو جاتے ہیں اور اسی طریقے سے مختلف قوموں کے درمیان بھی اتحاد پیدا ہو سکتا ہے، چنانچہ تجارت اور دوسرے معاشی معاملات میں آزادی حاصل ہونے سے اقوام کا تعلّق عالم سے ایسا ہی ہو جائے گا جیساکہ شہروں کا مُلک سے ہوتا ہے اور معاشی کاروبار کی آزادی سے نہ صرف خوشحالی بڑھے گی بلکہ اُمن و امان کا دور دورہ ہوگا۔ وہ انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے، ایک تو وہ گروہ جو کچھ نہ کرے اور عیش اُڑائے، دوسرا وہ جو صبح سے شام تک محنت مزدوری کرے اور معمولی غذا بھی اُس کو مشکل سے میّسر ہو۔ وہ دوسرے گروہ کا ہر طرح سے ہمدرد ہے جیساکہ اٹھارھویں صدی کے مصنّف عام طور پر نظر آتے ہیں، فرانس میں زراعت کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی گلبیر اس پر اظہار تاسّف کرکے زراعت کے حقوق پر خاص طور پر زور دیتا ہے اور اُس کی ترقی کے لیے آئین محصول کی نظر ثانی و اصلاح کو ضروری سمجھتا ہے۔ چنانچہ محصول بالواسطہ کو منسوخ کرکے آمدنی پر محصول لینے کا طریق جاری کرنا چاہتا ہے۔ وہ محصول کو بشکل جنس ادا کرنے کے طریقے کو از سر نو رواج دینے کا اس لیے خواہاں ہے کہ اس میں محصول کا بار سب پر یکساں پڑے گا اور ناانصافی رفع ہو جائے گی، گلبیر کے بعض خیالات عام نوعیت رکھتے ہیں اور بہت دلچسپ ہیں، مثلاً زرعی لگان کے متعلق اُس کی رائے صحت سے بہت قریب ہے اور وہ انسانی احتیاجات کو اُن کی شدّت کے مدارج کے لحاظ سے یوں بیان کرتا ہے:۔ کہ انسان کو اضافۂ دولت کے ساتھ سب سے پہلے ضروریات، اُن کے بعد سہولت و آرام کی چیزیں، زوائد اور پھر نمائشی اشیاء

درکار ہوتے ہیں۔ اور تخفیف آمدنی کے ساتھ اشیاء اس کے برعکس ترتیب کے ساتھ ترک کیے جاتے ہیں۔

باؤئے گلبیر پر والٹیر کا انتقاد۔

والٹیر نے باؤئے گلبیر پر ایسے انداز میں نقد کیا ہے جس سے موخر الذکر کی بے وقعتی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن والٹیر حق بجانب نہیں ہے، ہم نے مانا کہ گلبیر کا اثر اصولی یا عملی لحاظ سے اُس زمانے پر مطلقاً نہ پڑا پھر بھی اُس کے تصانیف حقیقت کے اہم نکات سے مملو ہیں اور معاشی تحقیقات کے لیے وہ خاص طور پر موزوں دماغ رکھتا ہے۔

مارشل ڈی وابن۔

مارشل ڈی وابن نے اپنے معاشی تصانیف میں خصوصاً اپنی ایک کتاب[1] میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے جیسے کہ باؤئے گلبیر کے تھے، اگرچہ اُس کی مذکورہ بالا کتاب کی اشاعت کو حکومت نے ممنوع قرار دیا اور بادشاہ کی سرپرستی اُس سے اُٹھ گئی، مگر اس سے مصنّف کی علمی قابلیت پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ علمی دُنیا میں اُس کی اور زیادہ شہرت ہوگئی اُس کے زمانے میں فرانس میں مزدوری پیشہ طبقے کی حالت نہایت خستہ وخراب تھی، چنانچہ وہ اپنے تحریرات میں اکثر مقامات پر اس طبقے کے ساتھ ہمدردی اور اُن کی حالت پر تاسّف ظاہر کرتا ہے، اُس کے نزدیک سب افراد قوم حکومت کی عنایت وسرپرستی کے یکساں طور پر مستحق ہیں، اسی لیے وہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ حکومت کا مقصد قوم کے تمام طبقوں کی ہواخواہی ہونا چاہیے، بلکہ نیچے کے طبقے کی خوش حالی کا سب سے پہلے انتظام کرنا چاہیے اس لیے کہ یہی طبقہ اکثر نشانۂ ظلم وستم بنا رہتا ہے۔ مصنّف محنت کو دولت کی جڑ اور زراعت کو محنت کی سب سے اہم

[1] Projet d'une dixme Royale (1707)

نوع سمجھتا ہے، اُس کی دانست میں صنعتی ترقی کی سب سے پہلی اور ضروری شرط آزادی ہے اور اسی بنا پر وہ تجارت وصنعت پر سے قانونی بندشیں ہٹا لینے کے بارے میں زور دیتا ہے، وہ رائج الوقت طریق محصول میں سراسر ناانصافی وعدم مساوات دیکھتا اور اس طریق کی پُرزور مخالفت کرتا ہے اور اُس کا یہ اختلاف بالکل بجا ہے، اس لیے کہ اُس کے زمانے میں اعلیٰ طبقے بعض محصولوں سے مستثنیٰ تھے اور محصول معاف کر کے اُن کو خاص حقوق عطا کیے گئے تھے۔ وہ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ کھانے پینے کی چند چیزوں کے سوا سب اشیاء کے محصول منسوخ کر دیے جائیں اور اُن کے عوض سب جماعتوں پر بلا کسی استثنائی کے صرف ایک محصول اُن کی آمدنی اور زمینوں کے لحاظ سے لگایا جائے، چنانچہ اس طریق محصول کو وہ "DIXME ROYALE[1]" کے نام سے موسوم کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار کاشتکاروں سے اُن کی پیداوار کا دسواں حصہ بشکل جنس اور صناعوں اور تاجروں سے اُن کی آمدنی کا دسواں حصہ بطور محصول وصول کرے۔

فینی لان کی ایک کتاب[2] اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس میں مصنف انسانی ہمدردی کے جذبات سے مملو نظر آتا ہے اور اسی بناء پر آزاد تجارت کی وکالت کرتا ہے اور مُلک کی خوشحالی
58 وترقی کو نہ صرف افراد مُلک کی تعداد کی کثرت پر بلکہ افراد مُلک کے عمدہ اخلاق، ذہانت وتیز طبعی و جفاکشی ومحنت پر منحصر تصور کرتا ہے، اس کتاب کا سب طبقوں اور فرقوں نے خیر مقدم کیا اور شوق سے مطالعہ کیا اور اس طرح اُس کے خیالات کی نہایت موثر طریقے پر

[1] اس نام کی ایک کتاب اُس نے لکھی تھی جس کا انگریزی ترجمہ بھی ۱۷۰۸ء میں شائع ہوا۔ ۱۲

[2] Telemaque

اشاعت ہوئی۔

ان مصنفین کے تصانیف کے بعد ایک مدت دراز تک معاشی کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ رُکا رہا، حتیٰ کہ ۱۷۳۱ء میں میلن کی کتاب[1] شائع ہوئی جو ایک حد تک تجارتی خیالات سے مملو ہے اور ایک ماہر قانون دیوتات کی کتاب[2] ۱۷۳۸ء میں شائع ہوئی اس کے بعد ہم ایک بلند پایہ مصنف مان ٹسک سے روشناس ہوتے ہیں۔

مان ٹسک۔ مان ٹسک نے ۱۷۴۸ء میں ایک کتاب[3] شائع کی، اس میں معاشی مباحث کے علاوہ دوسرے مباحث بھی ہیں، لیکن جہاں تک معاشی مباحث کا تعلق ہے، کتاب میں عام طور پر نظام تجاریت کی مخالفت کا رنگ نظر آتا ہے اور خاصکر زر کی بحث میں تجارئین کے خیالات کی تردید کی گئی ہے، صرف نوآبادیات وغیرہ کے بارے میں مصنف کا نقطۂ نظر تجارئین کے خیالات سے ملتا جلتا ہے پھر بھی مان ٹسک کی خدمت جاوید کا تعلق کسی خاص معاشی تحقیقات سے نہیں ہے بلکہ اُس کے پیش کیے ہوئے اس اُصول سے ہے کہ "مثل طبیعی مظاہر کے معاشری مظاہر بھی قوانین فطرت کے پابند ہیں"، فرانس میں مان ٹسک کے بعد دوسرا کوئی اہم اور بلند پایہ مصنف فطرآئینوں کے ظہور تک نہیں پیدا ہوا۔

فطرآئینی مسلک۔ فطرآئینوں کے ظہور سے معاشیات کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، فطرآئینی مسلک کے

[1] Essais Politiques sur le commerce (1731)

[2] Reflexious Politiques sur les Finances et le commerce (1738)

[3] Esprit des lois (1748)

بانی فرانکائے کوئنے (۱۶۹۴ء تا ۱۷۷۴ء) اور جین کلاڈ میری ونسنٹ گورنے (۱۷۱۲ء تا ۱۷۵۹ء) تھے، اگرچہ ایک آئرش نسل کے فرانسیسی تاجر رچرڈ کنٹلن[1] نے ۱۷۵۵ء میں ایک کتاب[2] شائع کی اور ان دونوں سے پہلے ہی فطرآئین نظام کے اصول پیش کیے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاتھوں میں آکر ان اُصول نے باقاعدہ اور مکمّل شکل اختیار کی اور انھیں دونوں کے مرتب کردہ اصول تھے جو بعد میں فلاسفہ اور عملی افراد کے ایک گروہ عظیم کا مسلک اور دستور العمل بن گئے۔

مسلک کا تسمیہ اور اُس کا اساسی تصور۔ فطرآئینی نظام کے وکیل اپنے کو "معاشئین" کے نام سے موسوم کرتے تھے لیکن جیساکہ ان میں سے ایک شخص دیوپون دی نی مور نے پوری جماعت کے لیے "معاشئین" کی بجائے "فطرآئین" کا لفظ تجویز کیا ہے، اس کو "فطرآئین" کے نام سے موسوم کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ یہ لفظ اس جماعت کے حسب حال اور پہلے لفظ سے زیادہ واضح اور جامع ہے، یوں تو یہ نام اس جماعت کے اس اساسی تصوّر کو ظاہر کرنے کی غرض سے رکھا گیا تھا کہ جملہ معاشری اور بالخصوص معاشی مظاہر ہمعصری و تسلسل کے معیّن تعلّقات کے تابع ہیں مگر لفظ فطرآئین اس سے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ اساسی تصوّر دراصل ایجابی اُصول ہے جو تمام حقیقی علوم کی بنیاد ہے، لیکن قانون فطرت جس کا حوالہ لفظ فطرآئین میں پایا جاتا ہے ایک مختلف شئے تھا۔ اس قانون فطرت کے تصوّر کو علمائے مابعد الطبیعیات نے قائم کیا۔ مذہبی عقیدہ یہ تھا کہ کائنات کے تمام کام حکمت و فیوض ربانی

---

[1] جیونس نے اس کی سوانح عمری لکھی ہے اور اُس کو معاشیات کا حقیقی بانی بتاتا ہے ۱۲

[2] Essai sur la nature du commaesce en general

کے منشا کے مطابق عمل میں آتے ہیں۔ چنانچہ اس عقیدے کو علمائے مابعد الطبیعات کے تصوّر نے "قانون فطرت" کی شکل دے دی اور اس سے اُن کا مفہوم ایک ایسا مفید و منظم قانون تھا جس کو اُن کے وجود عزیز یعنی فطرت نے منضبط و مدوّن کیا، جو انسانی آئین و قوانین سے متقدّم ہے، اور ایک ایسا مکمل نمونہ پیش کرتا ہے جس کے مطابق انسانی آئین و قوانین بنائے جانے چاہئیں۔ اس قانون فطرت کے تصوّر کے متعلق بظاہر یکل کا یہ قیاس ہے کہ وہ ہیجی سن کی ایجاد ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ یونانی فلاسفہ کے افکار کا نتیجہ ہے جس کو رومیوں نے اہل یونان سے اخذ کر کے اپنے قانون کی عمارت اس پر تعمیر کی، اور نئے سلبی فرقے نے ہابس سے لے کر روسو تک اسی تصوّر کو اپنے ہاں جگہ دی اور چونکہ موجود الوقت معاشری نظام کو وہ "فطری" نظام کا عکس اور بالکل ناقص سمجھتا تھا اس لیے اس تصوّر کو اُس کے خلاف بطور حربے کے استعمال کیا، اس طرح جو نظریہ بنا اُس سے طبائع یا حالات کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے کام لیا گیا، بعضوں نے اُس کو اُس زمانے کے غیر فطری عادات و رسوم کے خلاف استعمال کیا اور بعضوں نے اُس زمانے کے سیاسی آئین و قوانین کے خلاف استعمال کیا، مگر فطر آئین گروہ نے یوروپ کی حکومتوں کی معاشی حکمت عملی پر نکتہ چینی کرنے کی غرض سے اُس کو اپنا ایک خاص آلۂ عمل بنا لیا۔

اُن کے سیاسی اُصول اس طرح فطر آئینی گروہ کا عام سیاسی قضیہ یہ ہے:- قوم افرادِ مُلک کا مجموعہ ہے اور سب افرادِ مُلک مساوی فطری حقوق رکھتے ہیں، اگر سب افراد کی حیثیتیں (جیساکہ سلبی فرقے کے بعض ارکان کا خیال ہے) مساوی نہ ہوں تو ہر فرد کم از کم اپنے اغراض کو خود ہی بہتر سمجھ سکتا اور فطرت کی رہبری

کے مطابق عمل کرتا ہے، معاشری اتحاد دراصل اُن افراد کے
درمیان ایک معاہدہ ہے اور اس معاہدے کا مقصد ہر فرد کی 60
فطری آزادی کے حدود کا اس حد تک قائم رکھنا ہے جس حد
تک کہ وہ دوسروں کے حقوق میں خلل انداز نہ ہو، حکومت کا
وجود اگرچہ ضروری ہے مگر ایک ناگزیر خرابی ہے۔ سب کے
اتفاق و مرضی سے جو حکمراں قوّت تجویز ہو وہ صرف اُسی حد تک
افراد کے معاملات میں مداخلت کرے جس حد تک کہ اس
معاہدے کی پابندی کرانے کی غرض سے وہ قطعی طور پر درکار ہو،
معاشی جدّ و جہد کے بارے میں اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ہر فرد
کو اُن تمام جائز فطری تنعمات سے مستفید ہونے کا حق دینا چاہیے
جس کو وہ اپنی محنت سے حاصل کر سکتا ہے، گویا محنت کو تمام قیود
و مداخلت سے آزادی دینی چاہیے اور مزدور کو اس بات کا اطمینان
بلکہ یقین دلانا چاہیے کہ وہ اپنی محنت کے محاصل و ثمرات کا مالک
خود ہی ہوگا، مختصر یہ کہ مِلک کا احترام کرنا چاہیے، یہ ضروری ہے کہ
ہر شہری کو اپنی پوری محنت صرف کرنے کا موقع عطا کیا جائے اور
اسی طرح آزادی کے ساتھ مبادلہ کرنے کا یقین بھی دلایا جائے
یعنی بازار میں مقابلہ آزادانہ طور پر ہونا چاہیے اور اجارہ داں اور
خاص قسم کے حقوق کا وجود باقی نہ رہنا چاہیے۔

معاشی اصول۔ اس کے بعد فیزیوکریٹ معاشی اُصول کی تحلیل یوں
کرتے ہیں:۔ "پیدا آور" محنت حقیقت میں صرف
وہی محنت ہے جو کہ انسان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے
مفید اشیاء فراہم کرے، قومی دولت کا مدار زراعت پر ہے
یعنی مجموعی زرعی پیداوار اور مصارف کاشت کے فرق سے جو
حاصل زائد پیدا ہوتا ہے وہی قوم کی دولت میں سالانہ اضافہ
کرتا ہے، اور اسی ماحصل زائد یا "خالص پیداوار" پر قوم کی

مرفہ الحالی اور اُس کی تمدنی ترقی کے امکان کا مدار ہے، صنعت یا
تجارت، دولت میں اضافہ نہیں کرتے، صناع محض زمین سے
برآمد کردہ پیداوار کو نئی شکل وصورت دیدیتا ہے۔ اور خام اشیاء
کی اور مصنوعات کی قیمت کا فرق اُن اخراجات کی نمایندگی کرتا
ہے جو موخر الذکر کی تیاری میں صرف ہوتے ہیں۔ اسیطرح تاجر بھی
یہی کرتا ہے کہ دولت کو جو پہلے سے موجود ہے ایک کے پاس
سے دوسرے کے پاس منتقل کر دیتا ہے، اس طرح یہ لوگ
جو کچھ کماتے ہیں وہ قوم کی کمائی سے حاصل کرتے ہیں۔ اس لحاظ
سے اُن کا منافع جس قدر کم ہو اُسی قدر اچھا ہوگا، صنعت وتجارت
یا دوسرے قسم کے ذاتی خدمات اور آزاد پیشے "مفید" ضرور
ہیں، لیکن غیر پیدا آور پیشے ہیں جن سے قوم کی مجموعی آمدنی میں کوئی
اضافہ نہیں ہوتا یعنی ان پیشوں کی آمدنی کا ذریعہ کوئی ایسا ذخیرہ
نہیں ہے جن کو ان پیشے والوں نے اپنے طور پر فراہم کیا ہو
بلکہ یہ پیشے کاشتکاروں کی کمائی کے زائد حصے سے آمدنی پیدا
کرتے ہیں۔ معاشی جد وجہد میں نہ صرف فطری حق کی بنیاد پر آزادی 61
حاصل ہونی چاہیے بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ تجارت "خالص پیداوار"
کی مقدار میں حتی الامکان اضافہ کرتی ہے اور اس طرح قوم کی
مادی دولت کو زائد کرتی ہے، اس بنا پر حکومتوں کا اصول کار
"اصول غیر مداخلت" ہونا چاہیے، چونکہ سرکاری مداخل ومحاصل
لازمی طور پر اُسی "خالص پیداوار" کا جزو ہوتے ہیں اس لیے محصولوں
کو سہل ترین طریقے سے اور براہ راست وصول کرنا چاہیے
یعنی صرف ایک ہی محصول "محصول ارضی" کی شکل میں
لگانا چاہیے"۔

یہ خیال کہ محض زراعت "پیدا آور" ہے اور باقی سب
پیشے غیر منفعت بخش ہیں اس بنا پر پیدا ہوگیا تھا کہ "قدر" کے

مفہوم کو "مادہ اور قوت" کے مفہوم کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا تھا، آدم اسمتھ اور دوسرے مصنفوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ صنعت و تجارت کو غیر منفعت بخش بتانے کی کوشش غلط ہے، اس طرح پر واحد "محصول ارضی" کی تجویز اور وہ نظریہ جس کی بنا پر یہ تجویز پیش کی گئی تھی دونوں مسترد ہو جاتے ہیں۔

فطر آئینوں کی اصلی خدمت اور اُس کی اہمیت۔

لیکن فطر آئین جماعت کی تعلیم کا جو اثر پڑا اُس کا مدار، خواہ وہ اثر کتنی ہی خفیف حد تک کیوں نہ ہو، اس قسم کے عجیب و غریب اُصول پر نہ تھا جن کو دراصل اس جماعت کے افراد خود تسلیم نہ کرتے تھے، بلکہ اس فرقے کی تعلیم کا اثر زیادہ تر تخریبی تھا، یعنی انگلستان و فرانس میں صنعت کی آزادی کے لیے جو کوششیں کی جا رہی تھیں اس جماعت نے اُن کو باقاعدہ طور پر جاری رکھا اور سب سے اہم تاریخی خدمت یہ انجام دی کہ سرکار کی معاشی و صنعتی حکمت عملی کو مذموم و نقصان رسان ثابت کیا، ان کے اعتراضات کا اس وجہ سے بھی کافی موقع تھا کہ کولبیر کی حکمت عملی جو صرف عارضی طور پر مفید ہو سکتی تھی اُس کو ناواجب طول دے کر بُری طرح شدید و دقیق کر دیا گیا تھا، حکومت ادنیٰ سے ادنیٰ کاروباری معاملات میں مداخلت کرنے لگی تھی اور تجارتی و صنعتی کاروبار کی راہ میں ہر ہر قدم پر بندشیں قائم تھیں، ان حالات میں یہ امر خلاف توقع نہ تھا کہ مصلحین، سلبی فرقے کے اندازمیں، قدیم نظام کے نقائص کو مبالغے کے ساتھ بیان کرتے۔ چنانچہ حکومت کے اس طرز عمل کو نہ صرف اُصولاً بلکہ عملاً بھی تاریخی لحاظ سے مذموم ٹھہرانے میں اُنھوں نے بہت زیادہ آزادی سے کام لیا اور "اُصول غیر مداخلت" کی وکالت میں حد اعتدال سے گزر گئے اور یہ اس وجہ سے بھی ایک لازمی امر تھا کہ مصلحین کا تعلق ایک

62

انقلابی تحریک سے تھا اور وہ انقلاب پسند جماعت کے ایک فریق تھے، اس انقلابی تحریک کے اثنا میں قدیم معاہدۂ معاشری، نیابتی حکومت وغیرہ اُصول سے خالص سیاسیات کے میدان میں استعانت کی جاتی تھی اور اگرچہ یہ اُصول آجکل اعتراضات کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے لیکن قدیم نظام کو منہدم کرنے کا ایک کارگر اور تیار آلہ ہونے کی حیثیت سے اُس وقت عارضی طور پر مفید ثابت ہوئے۔ اسی طرح معاشیات کے شعبے میں بھی یہ اصول تھے:۔ مثلاً بیع و شری کی آزادی فطری حق ہے، معاملات باہمی میں عاقلانہ خود غرضی کی رہنمائی کافی ہے، قوم کا ہر فرد اپنے اغراض صحیحہ کو سمجھ کر اُنھیں کے مطابق عمل کرے گا اور یہ اغراض عوام کی بہبود اور اغراض کے مساعد و ہم آہنگ ہوں گے وغیرہ، ان اُصول پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو اگرچہ وہ امتحان کے متحمل نہ ہوں گے لیکن عارضی طور پر اس حیثیت سے مفید ثابت ہوئے کہ وہ قائم شدہ نظام کے درہم و برہم کرنے کا کارآمد و موزوں ہتھیار تھے، گویا اس طرح یہ فطرآئینوں کا رجحان جذبۂ انفرادیت کو اُبھارنے اور حکومت کے وجود کو معدوم کرنے کی طرف تھا، موجودہ زمانے کے علمائے معاشیات موجودہ زمانے کے لیے اس رجحان کو واجبی طور پر مذموم قرار دے سکتے ہیں لیکن اُس زمانے میں چونکہ یہ ایک ناگزیر امر تھا اس لیے قابل معافی ہے، موجودہ زمانے میں اصلاح و ترمیم کا کام ہمارا مقصد اوّلین ہے لیکن مذکورۂ بالا رجحان اصلاحات کے کام میں بہت بڑی رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے، اسکے برعکس اُس زمانے میں یہ رجحان تنظیم جدید کی ایک ضروری اگرچہ قابل افسوس شرط اور قدیم معاشری نظام کے انہدام کا نہایت کارآمد ہتھیار تھا۔

قانونی استبدادی حکومت۔	فطرآئینوں کے انقلابی رجحانات کے متعلق ہم نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ کسی طرح بھی اس امر سے متاثر

نہیں ہوتے کہ کوئسنے اور اُس کے پیرو ایک جداگانہ طریق حکومت کو جس کو وہ قانونی استبداد کہتے تھے، ترجیح دیتے تھے، اور اس ترجیح کا سبب یہ تھا کہ اس طریق حکومت میں وضع قانون اور انصرام قانون کے دونوں اختیارات ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں اور اس طرح کی ایک روشن خیال مرکزی حکومت فطرآئینوں کی مجوزہ حکمت عملی پر ایک جمہوری حکومت کے مقابلے میں بہت زیادہ مستعدی کے ساتھ
اور موثر طریقے سے عمل کرسکتی تھی، چنانچہ اسی بنا پر ترگو بھی اسی طریق حکومت 63
کو پسند کرتا تھا، اُس نے اپنے تدابیر کو بار آور بنانے اور صنعتی آزادی کے حاصل کرنے کی غرض سے بادشاہ لوئی شانزدہم کی پوری قوت سے کام لیا مگر چونکہ بادشاہ کے کیرکٹر کی کمزوری کی وجہ سے یہ قوت پنپ نہ سکی، انجام کار ناکامی ہوئی۔ کوئسنے نے ولی عہد کو یہ مشورہ دیا تھا کہ "جب تم تخت پر بیٹھو تو ملک کے آئین وضوابط کو قانون فطرت کے مطابق مرتب کرنے کے بعد اس کے سوا اور کچھ نہ کرو کہ آئین وضوابط کو اپنا عمل کرنے میں آزادی دو" عمدہ طریق حکومت کے بارے میں فطرآئینوں کا جو تصور تھا یہ مشورہ اُس کی پوری ترجمانی کرتا ہے۔

فطرآئینوں کا خلوص اور جوش خدمت۔

فرانس میں اُس وقت انقلابی تحریک کے پہلو بہ پہلو "فطرت" کے مطابق عمل کرنے اور قدیم سادگی کو اختیار کرنے کی تحریک جاری تھی، روسو اس تحریک کا سب سے سرگرم نمائندہ تھا، فطرآئینوں کی زراعت کی طرفداری بھی اُسی تحریک کی ہم آہنگ تھی، فرانس کے کاشتکاروں کی حالت نہایت خستہ وخراب وناگفتہ بہ ہورہی تھی اور ملک کے اعلیٰ طبقے اُن کو پامال کررہے تھے۔[1] کوئی عجب نہیں کہ انھیں حالات سے متاثر ہوکر فطرآئینوں نے زراعت کی

[1] لابرویر نے اس خوفناک حالت کا ایک لازوال نقشہ اپنی کتاب میں کھینچا ہے۔ ۱۲

طرفداری کی ہو کیونکہ فطرآئینی جماعت کے تقریباً سب افراد مزدوروں کی مادی و اخلاقی ترقی کی مخلصانہ خواہش رکھتے تھے اور فلاح و بہبود عامہ اُن کا عین مقصد تھا' اس مقصد کے حاصل کرنے میں انھوں نے درحقیقت نہایت راستبازی اور دیانت سے کام کیا' مثلاً کوئنے لوئی پانزدہم کا طبیب خاص تھا اور ورسیلس کے محل میں رہتا تھا لیکن دربار کی بدکاریوں کے طوفان بے تمیزی میں بھی اُس کی صدق شعاری اور صاف گوئی اور پاکبازی کا دامن ہمیشہ آلائش سے پاک رہا' جس بات کو وہ حق سمجھتا تھا اُس کے اظہار میں کبھی پیچھے نہ ہٹتا تھا' اور مردانہ جرأت کو ہاتھ سے نہ کھوتا تھا' یہی حال ترگو کا تھا جو فطرآئینی مسلک کا بہت بڑا اور بلند پایہ عملی نمائندہ تھا اور غالباً کوئی مدبر سیاست اپنے ملک کی خدمت کرنے میں اس قدر استقلال اور خلوص کے ساتھ منہمک نہ رہا جتنا کہ ترگو۔

کوئنے

کوئنے نے اپنے حسب ذیل تحریرات میں فطرآئینی نظام کی تشریح کی ہے:- (۱) Fermiers سنہ ۱۷۵۶ء اور Grains سنہ ۱۷۵۲ء یہ دو مضمون تھے جو دیدرو اور دی الم بیر[له] کی تصنیف "انسائیکلوپیڈیا" میں لکھے گئے تھے' (۲) دیوپون دی نی مور کی کتاب Physiocratie میں قانون فطرت پر ایک مضمون لکھا۔

ان کے علاوہ تین اور کتابیں مشہور رہیں' مندرجۂ حاشیہ دوسری
64 اور تیسری کتابیں ایک ساتھ شائع ہوئیں اور اُن میں یہ مقولہ درج ہے:-

له دی الم بیر D'Alembert

[۲] (1) Maximes generales de gouvernement economique d'un royaume agricole (1758)

(2) Tableau Economique aveeson explication, on extrait des economies Royales des Sully.

(3) Dialogue Sur le commerce et les travaux des artisans.

"دہقان کی فلاکت مُلک کی فلاکت ہے اور مُلک کا افلاس بادشاہ کا افلاس ہے" ان کے علاوہ کوئینے نے دوسرے متعدّد چھوٹے چھوٹے مضامین بھی تحریر کئے، اگرچہ دوسری کتاب[۱] غیر دلچسپ اور روکھی پھیکی ہونے کی وجہ سے قبول عام حاصل نہ کر سکی لیکن اُس کو اس فرقے کا خاص اعلان اور اُس کے اُصولوں کا آئینہ سمجھنا چاہیئے، اس کتاب کو کوئینے کے پیرو، دُنیا کی بہترین تصانیف میں سے خیال کرتے ہیں بلکہ بقول آدم اسمتھ، میرابو اعظم اُس کو دُنیا کی تین بڑی ایجادوں میں سے ایک خیال کرتا ہے، جن کی بدولت سیاسی جماعتوں کو سب سے زیادہ استقامت اور تقویت حاصل ہوئی اور بقیہ دو ایجادوں میں تحریر اور زر کو شمار کرتا ہے، اس کتاب میں مصنّف نے بعض ضابطوں کے ذریعے سے یہ دکھایا ہے کہ قومی دولت یعنی زرعی پیداوار کی تقسیم مُلک کے مختلف طبقوں (زمینداروں اور کاشتکاروں کی پیدا آور جماعت اور تاجروں اور صنّاعوں کی غیر پیدا آور جماعت) میں کامل آزادی حاصل ہونے کی صورت میں کس طرح پر ہوگی اور قانونی بندشوں کے تحت کس طرح پر ہوتی ہے اور دونوں کا مقابلہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ موخرالذکر طریق غیر فطری یا قوانین فطرت کے خلاف ہے، اور اس سے قوم گوناگوں خرابیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، کوئینے کے اُصول کا خلاصہ یہ ہے کہ معاشیات کے عملی ماہر اور مدبّر سیاسیات کی توجّہ کا مرکز صرف خالص پیداوار کی توفیر ہونی چاہیئے گویا صرف یہی چیز اُس کی توجہ کی مستحق ہے، اسی سلسلے میں کوئینے یہ رائے زنی کرتا ہے کہ قوم کا عام نفع زمیندار کے نفع سے وابستہ ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں، آدم اسمتھ نے بھی بعد میں یہی نتیجہ قائم کیا اگرچہ اُس کی بنیاد جداگانہ تھی۔

گورنے۔	ایم۔ دی گورنے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، بانیان فرقہ میں سے

[۱] Tablean Economique

شمار کیا جاتا ہے اور خود کوئینے کے خیالات پر اس کا بہت کچھ اثر
پڑا۔ گورنے، نے کل پیپر اور چائلڈ کے ترجموں کے سوا کوئی
تالیف یا تصنیف نہیں کی البتہ وزرا کو مخاطب کر کے چند یادداشتیں 65
لکھیں، جو اب تک غیر مطبوعہ ہیں، لیکن ہمیں گورنے کے خیالات
کا تفصیلی حال ایک کتاب (Eloge) نامی سے معلوم ہوتا ہے
جو اُس کے مشہور و معروف دوست ترگو نے اُس کی یادگار میں
اُس کے نام سے معنون کی، کوئینے کے شباب کا زمانہ دیہات
میں گزرا تھا، اس لیے وہ شروع سے فن کاشتکاری سے شغف
رکھتا تھا، مگر گورنے نے بحیثیت تاجر کے تربیت پائی تھی اور
محاسب کے درجے سے مہتمم تجارت کے عہدے تک پہنچ
گیا تھا۔ گویا دونوں کے حالات و تجربات ایک دوسرے سے
مختلف تھے، اس لیے اُن کے خیالات میں بھی ایک حد تک
اختلاف پایا جاتا ہے اور دونوں مختلف نقطۂ نظر سے معاشیات
پر نظر ڈالتے ہیں، گورنے، نے کوئینے کے نظام کی سختی و درشتی
کو نرم کر کے اُس کو حقیقت سے زیادہ نزدیک کر دیا، بقول آدم اسمتھ
کوئینے کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ صنعت و تجارت کو
غیر پیدا آور سمجھتا تھا، چنانچہ گورنے، نے ہی اس غلط خیال کی تردید
کی، گورنے کی کوششیں صنعتی آزادی کی اہمیت کو منوانے میں
اور اُس کی توجیہ اور وکالت میں صرف ہوئیں اور اُسی نے اس
آزادی کے اُصول کو "Laissez fair laissez passer" (یعنی "غیر مداخلت")
کے فقرے کی شکل میں، جس کا اچھے یا بُرے معنوں میں بکثرت
استعمال کیا جاتا ہے، منضبط کیا۔

میرابو

فطرآئینی مسلک کا سب سے زیادہ کامل پیرو، اور
اُس کے اُصول کی سب سے زیادہ جوش اور
استقلال کے ساتھ اشاعت کرنے والا وکٹر میرابو تھا، کارلائل نے

میرابو اعظم کے زیادہ نامور فرزند کے جو سوانح قلمبند کیے ہیں ان کے مطالعے سے انگریز ناظرین معلوم کرسکتے ہیں کہ وکٹر میرابو نہایت مخلص اور آزاد خیال شخص تھا، اگرچہ وہ کسی قدر وہمی اور خیالی بھی تھا۔ وکٹر میرابو نے کوئنے سے پیشتر ہی بعض فطرآئینی خیالات کا اظہار کیا تھا، مگر وہ باایں ہمہ کوئنے کی اکثر خیالات میں پیروی کرتا اور کوئنے کو اپنا روحانی باپ تسلیم کرتا ہے، دونوں میں نمایاں فرق صرف یہی ہے کہ میرابو زراعت بر پیمانۂ صغیر کا طرفدار ہے اور کوئنے زراعت بر پیمانۂ کبیر کی وکالت کرتا ہے، مگر کوئنے اس بناء پر وکالت کرتا ہے کہ پیمانۂ کبیر سے بجائے بیشترین "مجموعی پیداوار" کے بیشترین "خالص پیداوار" حاصل ہوتی ہے۔ میرابو کے خاص تصانیف چار ہیں[1]، سب سے آخری تصنیف کو فطرآئینی نظام کی سب سے پہلی مکمل تشریح سمجھنا چاہیے۔

66 ڈیو پون دی نیمور — اس نظام کا دوسرا سرگرم اور مستقل وکیل ڈیو پون دی نیمور (۱۷۳۹ء۔ ۱۸۱۷ء) تھا اس کے چار تصانیف[2] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخری کتاب اس کی سب سے جامع تصنیف ہے۔

---

[1]
(1) Ami des Hommes, ou traite sur la population (1756, 1760)
(2) Theoric de l'impot (1760)
(3) Les Economiques (1769)
(4) Philosophierurale, ou Econome generale et politique de l'Agriculture (1763)

[2]
(1) De l'exportation et de l'importation des grains (1764)
(2) De l'origine et des progres d'ume Science nouvelle (1767)
(3) Du commerce de la Campagnie des Indes (1769)
(4) Physiocratie ou coustitution naturelle du gouvernment le plus avantageux au genre humain (1768)

اور اسی سے مصنّف کا نام مشہور ہوا، اور اسی کتاب کے عنوان سے، جیساکہ پہلے بیان ہو چکا ہے، فرقے کو موسوم کیا گیا۔

مرسیر لاریویر۔ فطر آئینی نظام کی دوسری باقاعدہ تشریح جو بقول آدم اسمتھ اس "نظام کی واضح ترین اور صحیح ترین تشریح ہے"

مرسیر لاریویر کی کتاب ہے جو ۱۷۶۷ء میں شائع ہوئی[1] کتاب کا عنوان اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس میں "قانون فطرت" کا حوالہ موجود ہے، لاریویر اور دیوپون دی نیمور دونوں نے اقوام عالم کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی حالات سے بحث کرنے کا دعویٰ کیا، لیکن باوجود ان بڑے دعوؤں کے اُن کے خیالات بالعموم معاشیات کے دائرے تک ہی محدود رہے، ان کی تحقیقات میں کم از کم مادّی امور کا لحاظ قطعی طور پر غالب تھا، جیساکہ لاریویر کے سیدھے سادے قول سے ظاہر ہوتا ہے:۔ "پورا معاشرتی نظام ملکیت، حفظ و امان، اور آزادی پر مشتمل ہے، ملکیت کا حق ایک درخت ہے اور قوم کے تمام آئین و رواج اُس درخت کی شاخیں ہیں"۔

ترگو۔ فطر آئینی گروہ کا بلاشبہہ سب سے مشہور رکن انّی رو برٹ جیکس ترگو[2] (۱۷۲۷ء۔ ۱۷۸۱ء) تھا۔

ترگو نے لیموجس میں پہلے صوبیدار کی حیثیت سے اور اس کے بعد وزیر مالیات کے عہدے پر پہنچ کر نہایت شاندار خدمات انجام دیئے، مگر ان خدمات کا تفصیلی ذکر یہاں نامناسب ہے۔ نیز یہ بیان کرنا بھی ہماری بحث کے موضوع سے خارج ہے کہ اس اعلیٰ عہدے سے وہ کیوں برطرف کیا گیا یا فرانس کی فلاح و آزادی کی کوششوں میں اُس کو جو ناکامی ہوئی اس میں اُس کی برطرفی کو کس درجہ

[1] L'ordre naturel et essentiel des societes politiques (1767).

[2] Anne Robert Jacques Turgot

دخل تھا، ترگو کے خطوط و مضامین سے اور اُس کے قواعد و احکام پر جو مقدّمات لکھے گئے اُن سے اُس کے معاشی خیالات کا پتا چلتا ہے، اس بارے میں اُس کی ایک کتاب[1] خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، یہ کتاب فطر آئینوں کے اساسی معاشی اُصول کی ایک
جامع و مختصر مگر نہایت واضح اور دلچسپ تشریح ہے، اس میں 67
شک نہیں کہ اس تصنیف میں فطر آئینوں کے صحیح اور غلط اُصول و عقائد دونوں موجود ہیں لیکن مختلف مباحث پر خصوصاً معیشتِ ارضی کی مختلف صورتوں، مشغولیت اصل کے مختلف طریقوں اور سود کے جواز کے مسائل پر نہایت صحیح اور دلچسپ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ ترگو نے خیالات کو ایسے عمدہ طرز پر پیش کیا اور اس خوبی کے ساتھ ترتیب دیا ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ یہ امر حیرت افزا ہے کہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع اور بلیغ ہے، اس کتاب کو معاشیات کی کتب معتبرہ میں یقیناً ایک بلند مرتبہ ملنا چاہیے۔

فطر آئینی مسلک کیوں قبول عام حاصل نہ کرسکا۔

اگرچہ اکثر حکما و فضلا نے فطر آئینی مسلک کو قبول کر لیا، مگر عوام پر خود فرانس ہی میں، اس مسلک کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام تصانیف کی شگفتہ بیانی اور دلچسپ طرز تحریر کی بنا پر کسی کتاب کو پسند کرتے تھے اور فطر آئینی مسلک کے اکثر پیروؤں کے تصانیف بالعموم خشک مضامین پر اور ایک درشت اور تلخ پیرایے میں ہوتے تھے اس لیے وہ عوام کو متاثر نہ کرسکے چنانچہ جب گیلیانی اور مورلیے (جو فطر آئینوں کی جماعت کا رکن تھا) کے درمیان بحث مباحثہ چھڑا تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ

[1] Reflexious sur la formation et la distribution des richesses (1766).

ایک وسیع اور ٹھوس معلومات کے عالم پر ایک معمولی قابلیت کا مگر جوشیلا اور فصیح البیان شخص (یعنی گیلیانی) غالب آسکتا ہے[1]۔ دوسری وجہ مسلک کے نامقبول ہونے کی یہ تھی کہ فطرآئینی اُصول عام طور پر غلط اور خیالی تصور کیے جاتے تھے اور اُس زمانے کے رسائل و تصانیف میں اُن کا مضحکہ اُڑایا جاتا تھا، چنانچہ والٹیر نے ایک کتاب (L'homme aux quarante ecus) تصنیف کی اور اُس میں "محصول مفرد" کی تضحیک کی اور خصوصاً مرسیر لاریویر پر بہت حملے کیے ہیں۔

۲۔ فطرآئینوں پر اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ اُن کے تصوّرات وخیالات بہت زیادہ مطلق و آزاد تھے، اور یہ اعتراض بالکل واجبی ہے۔ اُن کا تصوّر یہ تھا، جیسا کہ آدم اسمتھ کونیئے پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ رعایا صرف اُسی ایک خاص قسم کی حکومت کے تحت، جس کی وہ سفارش کرتے تھے، خوشحال رہ سکتی ہے، نیز وہ اپنے اُصول کو ہر ملک اور ہر زمانے کے لیے صحیح اور قابل عمل سمجھتے تھے، 68
اُنھوں نے نظریہ بنانے والوں یا محققین کی حیثیت سے قوموں کے مختلف حالات یا معاشری نشو و نما کے مختلف مرحلوں کا کافی لحاظ نہیں کیا، اور ماہران سیاست ہونے کی حیثیت سے اس بات پر بھی غور نہ کیا کہ ایک روشن خیال مدبر سیاست کی راہ میں جہالت، تعصب اور خود غرضانہ مخالفتوں کی صورتوں میں رکاوٹیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ یہ ممکن ہے، جیسا کہ گرم رائے زنی کرتا ہے کہ خود ترگو کو اس

---

[1] دیکھو گیلیانی کی (Dialogue) صفحہ ۱۴۷۔ اس کتاب کے شائع ہونیکے بعد ترگو نے میڈم لس پی ناسی کو لکھا:۔ "میرے نزدیک اس کتاب کا نہایت عمدہ جواب دیا جانا ممکن ہے، لیکن اسمیں بہت کچھ ہنرمندی دکھانی پڑے گی، معاشئین ایسے چالاک بیچے باز سے مقابلہ کرنیکی قابلیت نہیں رکھتے" میں نہیں سمجھتا کہ بیچارہ موریلے اس میں پورا اُترے گا۔"

وجہ سے ناکامی ہوئی کہ ترگو نے اپنی حکمت عملی کو بہت زیادہ شدید اور سخت کر دیا تھا اور اس پر بلا کسی رو رعایت کے غیر مصالحانہ انداز میں عمل کرنا چاہتا تھا، خواہ گرم کا یہ قول صحیح ہو یا نہ ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ ترگو کی ناکامی کی وجہ سے اُس کے اصول لوگوں کی نظروں سے گر گئے۔

فطرآئینی نظام حکومت فرانس کی حکمت عملی کو خفیف حد تک متاثر کرنے اور دوسرے ممالک میں کہیں کہیں اپنے اثرات پھیلانے کے بعد بہت جلد صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گیا مگر اس میں جو عمدہ عناصر موجود تھے وہ باقی رہے اور انھیں کو آدم اسمتھ نے زیادہ مکمل اور صحیح طریقے پر اپنی مشہور کتاب میں پیش کیا۔

اطالیہ

بندینی ۱۶۷۷ء تا ۱۷۶۰ء

اطالیہ میں مثل دوسرے ممالک یورپ کے اٹھارھویں صدی میں نمایاں عملی معاشی جدّ وجہد کے آثار نہیں دکھائی دیتے مگر اُس زمانے میں صرف ایک شخص بندینی قابل ذکر ہے جو بعد میں اسقف اعظم ہوا۔ بندینی نے ۱۷۳۷ء میں ایک کتاب[1] تصنیف کی جو ۱۷۷۵ء میں جاکر شائع ہوئی، کتاب کا مقصد زراعت کو ترقی دینا اور اُس کی اصلاح کے بارے میں تجاویز پیش کرنا تھا۔ مصنّف زراعت کی خستہ وخراب حالت کو معاشی و مالی نظام کی ناقص حالت کی طرف منسوب کرتا ہے، اس کی کتاب نے تسکنی میں اہم اصلاحات کا موقع بہم پہنچایا اسی لیے یہاں مصنّف کا نام خاص عزّت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ پیچیو 69 اور دوسرے اطالوی مصنّف بلکہ روشر بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بندینی کے خیالات فطر آئینی مسلک کے وجود میں آنے سے بہت پہلے ہی فطر آئینی طرز کے تھے، گو یہ دعویٰ ہنوز تصفیہ طلب ہے، اس لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

اٹھارھویں صدی کے نصف آخر حصّے میں اطالیہ میں معاشی تحقیقات کی

[1] Discorso sulla mareunna silvere.

تجدید شروع ہوئی، اور اس کا باعث زیادہ تر فرانس کی تحریک اور شمالی ترقی یافتہ ملکوں کا اثر تھا۔

اس طرح نئی تحریک اوّلاً تجارتی مسلک کی متابعت کرتی رہی۔ چنانچہ اُس زمانے میں انٹونیو براگ گیا اور جیرو لاموبیلونی نے دو کتابیں[1،2] تصنیف کیں۔ ان میں تجارتی رجحانات غالب نظر آتے ہیں، ان دونوں کے تصانیف کو اُن کے استحقاق سے زیادہ قبولیت حاصل ہوئی، لیکن اٹھارھویں صدی کے آخری حصے میں سب سے مشہور مصنف نیپلس کا ایک باشندہ انٹونیو جینوسی[3] تھا جس نے اطالیہ میں اُصول تجارتیت کو سب سے بہتر طریقے پر پیش کیا۔ مصنف اپنے ہم وطنوں کی گری ہوئی اخلاقی و ذہنی حالت سے بے حد متاثر معلوم ہوتا ہے، اُس کی دانست میں عام خوش حالی اور ترقی کی پہلی شرط فلسفے کی تجدید اور طرز تعلیم کی اصلاح ہے اور اسی بنا پر اُس نے بذات خود یہ دونوں کام شروع کیے تھے۔ اُس کی اعلیٰ خیالی اور بلند پروازی نے اُس کو مذہبی رہنماؤں کا نشانۂ ملامت بنا رکھا تھا، مگر بارٹولومیو نے جس کا حال ہم کو گیلیانی کے تذکرے کے سلسلے میں معلوم ہوگا، جینوسی کو ان رہنماؤں کی زد سے محفوظ رکھنے کی غرض سے تجارت اور میکانیات کی معلمی کی ایک جگہ قائم کی اور اس جگہ پر ۱۷۵۵ء میں جینوسی کا تقرر کیا اور اس جگہ کے انتخاب پر ایک قید یہ مقرر کر دی کہ کوئی مذہبی آدمی اس پر مقرر نہیں ہو سکتا۔ اس معلمی کی جگہ کو یورپ میں معلم معاشیات کا

1ے Trattati dei tributi e delle moneta e del governo politico della Societa (1743)

2ے

3ے (۱۷۱۲ء تا ۱۷۶۹ء)۔ Dissertazione Sopra il commercio (1750)

سب سے پہلا تقرر کہنا چاہیے کیونکہ دوسرا تقرر اسٹاک ہوم میں ۱۷۵۸ء
میں جاکر ہوا اور اس کے دس سال بعد لمبارڈی میں معلمی کی تیسری
جائداد پر بکاریا کا تقرر ہوا۔ معلمی معاشیات کی پہلی کرسی پر بیٹھنے کے بعد
جینوویسی نے ایک کتاب[1] تصنیف کی، اور یہ اطالوی زبان میں
سب سے پہلی کتاب ہے جس میں پورے علم المعیشت پر باضابطہ
اور مکمل بحث کی گئی ہے، مصنف کو انگلستان سے اس قدر اُنس
تھا کہ بقول بیجیو یہ جذبہ عشق اور دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا تھا چنانچہ
وہ انگلستان کو ہر لحاظ سے بہترین نمونہ قرار دے کر اطالیہ کو
اُس کی تقلید پر اُبھارتا ہے۔ انگلستان میں جو ناقص معاشی نظام
موجود تھا اُس کو بھی وہ اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔ مگر وہ خود جس مسلک
کا پیرو تھا اُس کے بعض سنگین اغلاط کی تصحیح کرتا ہے، مثلاً تجارت غلہ
70 کی آزادی کی وکالت کرتا اور قرض کے لین دین میں سرکاری طور
سے سود کے تعین کی مخالفت کرتا ہے۔ اس زمانے کے رنگ
میں قرونِ وسطیٰ کی بعض یادگاروں مثلاً قوانین جائداد ملکفولہ، حق وراثت
اور حق ملکیت وغیرہ کو وہ مذموم ثابت کرتا اور اُن کی مخالفت اس بناء
پر کرتا ہے کہ یہ آئین و قوانین قوم کی بہبودی و خوش حالی میں رکاوٹیں
پیدا کرتے ہیں۔

گیلیانی۔

فرڈیننڈ گیلیانی تجارتی فرقے کا دوسرا مشہور پیرو
تھا، اس کو کم عمری سے تصنیف و تالیف کا شوق
تھا، چنانچہ اکیسواں سال ختم ہونے سے پہلے اُس نے ایک کتاب[2]
۱۷۵۰ء میں بحث زر پر لکھی۔ کہتے ہیں کہ اس کتاب میں بعض اُصول
عملی تجربہ رکھنے والے دو فلسفیوں لینی یم، رمی نسی[3] نی اور

[1] Lizioni de commercio, ossia di economia civile 1769)

[2] Della Moneta libri cinque (1750)

[3] M. Rinuccini,

بارٹولومیوان ٹیریؔ[1] کے مرتّب کردہ ہیں۔ لیکن گیلیانی کی اصلی شہرت کا باعث اُس کی ایک تصنیف ہے[2] جو فرانسیسی زبان میں لکھی گئی اور پیرس میں، جہاں مصنّف سفارت کا معتمد تھا، ۱۷۷۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا انداز بیان نہایت دلکش اور لطیف ہے، والٹیر کو یہ انداز بہت پسند ہے۔ چنانچہ وہ اس تصنیف کا بے انتہا گرویدہ معلوم ہوتا ہے۔ لکھتا ہے کہ "اس کتاب کو افلاطون اور مولیر ہی مل کر تیار کر سکتے ہیں[3]" اور علیٰ ہذا القیاس گرم کی بھی یہی رائے ہے، پیچیو اس کتاب کے بارے میں یہ رائے زنی کرتا ہے کہ "اگرچہ مضمون نہایت خشک اور غیر دلچسپ تھا مگر قابل مصنّف نے اُس کو ایک دلکش اور دل پذیر انداز میں اُسی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے جس طرح کہ فانٹی نیل نے ڈیکارٹ کے نظریۂ گرداب کو بیان کیا ہے یا الگروٹی نے نیوٹن کے نظام عالم کی تشریح کی ہے"۔ گیلیانی نے جس وقت کتاب لکھی تجارت غلّہ کی آزادی کا مسئلہ زیر بحث تھا اور اس بارے میں سخت ہیجان پھیلا ہوا تھا، ۱۷۶۴ء کے فرمان شاہی کی بناء پر غلّے کی برآمد کی صرف اُسی وقت تک اجازت تھی جب تک کہ اُسکی قیمت ایک خاص حد تک نہ پہنچ جائے۔ گیلیانی اس بارے میں ایک عام اصول یہ قائم کرتا ہے کہ غلّے کی تجارت کا بہترین انتظام اس طرح ہو سکتا ہے کہ کوئی قانون اُس سے متعلق نہ بنایا جائے، سب ملکوں کے حالات یکساں نہیں ہوتے بلکہ ایک ملک کے حالات دوسرے ملک کے حالات سے مختلف ہوتے ہیں اسلیئے اقتضائے حالات کے لحاظ سے کام کرنا چاہئے نہ کہ ایک ہی ملک کے حالات کے مطابق"۔

لے Bortolomeo Intieri.

لے Dialogues Sur le Commerce des blés

سے گرم کہتا ہے:۔ کہ یہ افلاطون کی زبان ہے جس میں قوت اور بلاغت آر لی کوئن کی ہے" اور دیدرو اس کتاب کے متعلق کہتا تھا کہ "مکالمات ایک بہترین نمونہ ہے جو خود پسکل کی انشا پردازی کے نمونے کے لکھے گئے ہیں"۔

علمی نقطۂ نظر سے یہ ایک غیر معقول اور کمزور سا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، پھر بھی بلاشبہہ فطرآئینوں نے جن کا وہ مخالف تھا، دوسرے مباحث کے مثل اس معاملے میں بھی مدبران سیاست کی صحیح رہبری کیلئے بہت زیادہ شدید قواعد مرتب کئے تھے۔ اس لحاظ سے ممکن ہے کہ گیلیانی نے، فطرآئینوں کے عملی مسائل کو مطلقیت کے ساتھ حل کرنے کے طریق کے خلاف احتجاج کرکے حقیقی خدمت انجام دی ہو۔ مگر وہ تجارئین کے بعض اُصول کو جو بالکل غلط ہیں صحیح
سمجھتا ہے، مثلاً جس طرح والٹیر اور ویری[1] کا عقیدہ تھا وہ بھی 1
یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ ایک مُلک دوسرے ملک کو نقصان پہنچائے بغیر خود ہرگز نفع نہیں کما سکتا، گویا کہ ایک مُلک کا نفع لازمی طور پر دوسرے مُلک کا نقصان ہے، گیلیانی اپنی کسی ابتدائی تصنیف میں یہاں تک بھی کہتا ہے کہ "حکومت سکے میں آمیزش کرسکتی ہے اور اُس کا یہ فعل بالکل حق بجانب ہے۔"

سی زیر بکاریا۔ ۱۷۳۸ء تا ۱۷۹۴ء

اطالیہ کے معاشئین میں، جو طرز جدید سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں اور عام اصلاح اور معاشری انقلاب کی تحریک کے موید ہیں، سی زیر بکاریا[2] کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اُس کی علمی شہرت کا اصلی باعث اُس کی ایک تصنیف[3] ہے، چنانچہ والٹیر اُس کے متعلق لکھتا ہے کہ "مصنّف نے اس کتاب کو لکھ کر یوروپ پر بڑا احسان کیا ہے۔" کتاب کی خوبی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اب تک اس کا ترجمہ ۲۲ زبانوں میں ہوچکا ہے۔ بکاریا کو روس کی ملکہ کیتھرائین نے سنٹ پیٹرس برگ میں اقامت کرنے کے لئے مدعو کیا تھا مگر

---

[1] ویری Verri.

[2] Cesare Beccaria.

[3] Dei delitti e delle pene

اس دُرِ بے بہا کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر آسٹروی حکومت نے لمبارڈی میں معلم معاشیات کا ایک عہدہ قائم کیا اور اُس پر بکاریا کا تقرر کر دیا۔ معلمی کے عہدے پر پہنچنے کے بعد بکاریا نے اپنے لکچروں کا خلاصہ ایک کتاب[ا] کی شکل میں شائع کیا، مگر یہ کتاب نامکمل حالت میں ہے۔ مصنف نے کل بحث کو زراعت، صنعت، تجارت اور طریق محصول و حکومت کے مباحث پر تقسیم کیا ہے۔ ان مباحث میں سے صرف پہلے دو پر تفصیلی بحث ہے اور بقیہ دو مباحث نامکمل ہیں اور ان مباحث پر کچھ نہ لکھنے کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہی مجلس اعلیٰ کی شرکت نے اُس کو عدیم الفرصت بنا رکھا تھا۔ بکاریا فطرآئیتوں کے خیالات سے ایک حد تک متاثر نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ صرف زراعت کو ایک پیدا آور شعبۂ پیدائش خیال کرتا ہے اور صنعت و تجارت کو غیر منفعت بخش و غیر پیدا آور سمجھتا ہے۔ وہ مختلف پیشوں اور تجارتی طبقوں کو خاص قسم کے حقوق یا اجارے عطا کرنے کا سخت مخالف ہے، ملک کے اندر صنعت کو قانونی بندشوں سے آزاد رکھنے کی عام طور سے پُرزور وکالت کرتا ہے مگر تجارت خارجہ کے بارے میں اُصول تامین کی سفارش کرتا ہے، وہ گیلیانی کی طرح غلے کی آزاد تجارت کا زیادہ حامی نہ تھا۔

بکاریا نے معاشی اُصول کی نہایت اختصار و جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے اور بعض اہم نکات کو نہایت صحیح طریقے پر بیان کیا ہے، لیکن اگر اسی کے ساتھ اُن کی توضیح بھی کر دیتا تو تفہیم میں زیادہ سہولت اور یقین میں زیادہ پختگی ہو جاتی۔ مثلاً وہ اصل کی دو قسمیں قرار دیتا ہے، اصل دائر و اصل قائم۔ نگر جہاں تک

ا Elementi di economia publica

زراعت میں اُن کے استعمال کا تعلق ہے صرف اُسی حد تک نہایت مختصر تشریح کرتا ہے اور یہ تشریح بعینہٖ ترگو کی تشریح کے مماثل ہے، اُس نے تقسیم عمل کے بارے میں اور مختلف پیشوں میں مختلف اجرت ہونے کے اسباب کے بارے میں جو خیالات ظاہر کیے ہیں، وہ بادی النظر میں تقریباً وہی ہیں جو آدم اسمتھ کے ہیں لیکن اسی کے ساتھ آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" کے دلکش پیرایۂ بیان سے (یعنی جس میں کثرت سے مثالیں پیش کی گئی ہیں اور تفصیلی تشریحات سے کام لیا گیا ہے) بکاریا کی کتاب قطعی معرا ہے۔

پیٹرو ویری

پیٹرو ویری[1] (۱۷۲۸ء تا ۱۷۹۷ء) جو بکاریا کا نہایت گہرا دوست تھا، لمبارڈی میں ۲۵ سال تک سرکاری مجلس انتظامی کا رکن رہا اور اس حیثیت سے اُس نے بڑی بڑی معاشی و معاشری اصلاحیں کیں ۱۷۶۹ء میں اُس نے ایک کتاب[2] لکھی اور اُس میں تجارت غلہ کی تنظیم کے بارے میں تاریخی لحاظ سے اور نظری اعتبار سے بحث کی ہے اور آخر میں وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قحطوں اور گرانی کا علاج صرف تجارت غلہ کو قانونی بندشوں سے آزاد کرنے سے ہو سکتا ہے، اُس کی دوسری مشہور کتاب[3] ۱۷۷۱ء میں شائع ہوئی، اُس میں وہ زیادہ تر تجارتی معاملات میں سرکاری قانونی مداخلت کو مذموم قرار دیتا ہے، اور قیمتوں یا شرح سود کے تعین کی کوششوں کی نیز تجارتی مجالس کے قیام کی سخت مخالفت کرتا ہے اور محصول تائین کے ذریعے سے قومی صنعت کو مستحکم

[1] Pietro Verri.

[2] Rifiessioni snlle leggi Vincolanti, principal-mente nel Commerciodo grani (1796)

[3] Meditazioni Sull economia Politica.

کرنے کی پُرزور وکالت کرتا ہے۔ اس کتاب میں معاشیات کے نہایت ابتدائی اُصول پیش کیے گئے ہیں مگر اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور وہ بہت ہی مقبول ہوئی۔ منجملہ ان اُصول کے ایک اساسی اُصول وہ ہے جس کو مصنّف بقول آدم اسمتھ "کسی قوم کی زمین اور محنت کی سالانہ پیداوار" کی دوبارہ پیدائش اور توفیر سے موسوم کرتا ہے اور اس اصول میں پیداوار کو زیادہ کرنے یا کم کرنے کا جو میلان پایا جاتا ہے اُس کی بنیاد پر وہ ہر قانون، آئین اور ادارے کو جانچتا ہے۔ اس کے مطابق بکاریا کے برعکس وہ زراعت بر پیمانۂ صغیر کو زراعت بر پیمانۂ کبیر پر اس لیئے ترجیح دیتا ہے کہ اُس کی دانست میں صرف اوّل الذکر طریق سے بحیثیت مجموعی زیادہ پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ محصولات کی بحث میں وہ فطر آئینوں کی پیش کردہ تجویز یعنی "محصول ارضی" کی مخالفت کرتا ہے۔

73 کارلی

مثل وِیری کے جی۔ آر۔ کارلی نے لمبارڈی کے اصلاحات میں سرکاری حیثیت سے بہت کچھ حصّہ لیا، اُس نے نہ صرف مبحث زیرِ نہایت فاضلانہ اور پرمغز مضامین لکھے بلکہ ایک کتاب[1] بھی تصنیف کی جس میں اس خیال کو غلط ثابت کیا ہے کہ تجارت خارجہ میں کسی مُلک کے نفع نقصان کا مدار نام نہاد توازن تجارت کی کمی بیشی پر ہوتا ہے۔ اُس کا ایک خط بھی قابل ذکر ہے جو کہ اُس نے پام پیونیری کو لکھا، اس خط میں تجارت غلّہ کی آزادی کے بارے میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ گیلیانی کے دلائل سے ملتے جلتے ہیں۔ کارلی یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ یہ مسئلہ عملی حیثیت اس قدر نہیں رکھتا جس قدر کہ سلطنت کے نظم ونسق سے اُس کو تعلق ہے اور اسی لیئے ہر مُلک کی خاص حالت کے لحاظ سے اس مسئلے کو حل کرنے کا

---

[1] Ragionamenti sopra i bilanci economici delle Nazione.

مشورہ دیتا ہے، وہ اس فطرآئینی اُصول کی مخالفت کرتے ہوئے کہ محض زراعت پیدآآور ہے اور باقی سب پیشے غیر پیدآآور ہیں، دلچسپ پیرائے میں مُلک میں مختلف پیشوں کی ضرورت کی توجیہ وتشریح کرتا اور صنعت کو زراعت کی ترقی کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔

ویسکو

جی۔ام بہ ٹسٹا ویسکو[1] (سنہ ۱۷۳۳ء۔ سنہ ۱۷۹۶ء) نے علمی انجمنوں اور فرماں رواؤں کی فرمائش پر متعدد مسائل پر مضامین لکھے۔ ان مباحث میں وہ زیادہ تر مجالس تجارت کے قیام کی مخالفت کرتا اور روئی کی قیمت اور شرح سود کے تعین کے بارے میں سرکاری مداخلت کو مذموم قرار دیتا ہے۔ ملکی کاشتکاری یا خود کاشت زمینداری کے طریقے کی وکالت کے سلسلے میں وہ حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ ہر شہری کے لیے زرعی زمینوں کے رقبوں کی بیشترین و اقل ترین حد مقرر کی جائے، وہ جائدادوں کے بکثرت ایک ہی شخص کے پاس جمع ہونے کا بھی مخالف ہے، اس لیے حکومت سے استدعا کرتا ہے کہ وہ حق ہبہ کو زائل کردے۔ اور یہ قانون رائج کرے کہ متوفی کا ترکہ اُس کی سب اولادوں میں مساوی طور پر تقسیم ہو۔

فیلان جیری

گے ٹانو فیلان جیری[2] (سنہ ۱۷۵۲ء۔ سنہ ۱۷۸۸ء) اطالیہ کے اٹھارھویں صدی کے اُن مصنفین میں سے ہے جن کے نام کو تمام یورپ میں بہت شہرت حاصل ہے، اُس نے سنہ ۱۷۸۰ء میں ایک کتاب[3] لکھنی شروع کی جو سنہ ۱۷۸۰ء تا سنہ ۱۷۸۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں ہے، دوسرے حصے میں معاشی مباحث ہیں

---

[1] Giambatista Vasco.

[2] Gaitano Filangieri

[3] Scienza della Legislazione

اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا دل اصلاحات
کے ولولے اور حُبِّ وطن کے جوش سے بھرا ہوا ہے، وہ اپنے
زمانے کے نقائص پر نکتہ چینی کرنے کی غرض سے اپنی پوری
فصاحت و بلاغت سے کام لیتا ہے۔ اگرچہ آدم اسمتھ سے بظاہر 74
ناواقف معلوم ہوتا ہے لیکن آدم اسمتھ کی طرح تجارتی آزادی پر
بہت زور دیتا ہے، قرونِ وسطیٰ کے آئین و قوانین اُس کی دانست
میں پیدائش دولت اور قومی خوش حالی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا
کرتے ہیں، اس لئے اُن کو منسوخ کرنے کے بارے میں وہ
نہایت شد و مد کے ساتھ اصرار کرتا ہے، نوآبادیات کے قیام
و انتظام کا بھی مخالف ہے اور اس بارے میں انگلستان، ہسپانیہ
و ہالینڈ کے طرزِ عمل کو مذموم قرار دیتا ہے۔ رینال، ترگو اور جینوسی
کی طرح وہ بھی یہ پیشین گوئی کرتا ہے کہ "سارا امریکہ کسی نہ کسی دن آزاد
ہو کر رہے گا"۔ یہ پیشین گوئی بعد میں چل کر صحیح ثابت ہوئی اور اسی کی
بنا پر بنجمن فرانکلن نے فیلان جیری کی تعریف و توصیف میں بہت
فصاحت صرف کی ہے۔ فیلان جیری اصلی معنوں میں مصنف
نہ تھا، اُس کو ایک مولف کہنا چاہیے جو بعض اوقات دوسروں
کے غلط خیالات کو بھی آنکھ بند کر کے اپنے ہاں لے لیتا ہے،
مثلاً وہ فطر آئینوں کے "محصول مفرد" کی وکالت کرتا ہے لیکن
وہ بحیثیت مجموعی اپنے زمانے کے اعلیٰ ترین سیاسی و معاشری
رجحانات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اگرچہ اُس کے اور بکاریا کے
اسلوب اور طبیعت میں نمایاں فرق بلکہ بے انتہا
تضاد ہے، لیکن اُس نے قومی و بین الاقوامی نقطۂ نظر
سے عام ترقی و بہبودی کے لیے جو نمایاں اور قابل قدر
خدمات انجام دیے وہ بکاریا کے خدمات سے کم
نہیں ہیں۔

لڈوویکو ریکی[1] (۱۷۴۲ء - ۱۷۹۹ء) اس نے ۱۷۸۷ء میں ایک کتاب تصنیف کی[2]۔ اس کو دراصل ایک رپورٹ کہنا چاہیئے جو اہل افلاس کی دستگیری اور خیراتی انجمنوں کے بارے میں مرتب کی گئی تھی، مگر اس مسئلے پر اس نے ایسے عام طریقے پر بحث کی ہے کہ اس کو ایک دلچسپ اور مستقل تصنیف کہنا بیجا نہ ہوگا۔ لکھتا ہے کہ غیر منتظم خیرات سے اُن خرابیوں میں زیادتی ہوتی ہے جن کا رفع کرنا اس کا مقصد ہے۔ اور اس سے پوری قوم کے اخلاق اور اُن کے عادات و صفات پر مضر اثر پڑتا ہے، وہ زچگی خانوں اور یتیم خانوں کے نا واجبی استعمال کو خاص طور سے مذموم قرار دیتا ہے اور ان کی اصلاح کے بارے میں اُس نے متعدد تجاویز پیش کیے ہیں۔ اُس کے خیالات مالتھس کے خیالات سے بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں۔ مثلاً وہ مالتھس کے مثل معذورین کی سرکار کی جانب سے امداد و اعانت کیے جانے کے خیال کا سخت مخالف ہے، اور اس امدادی کام کو محض افراد اور خانگی جماعتوں کا فریضہ خیال کرتا ہے۔

فرڈینانڈو پاؤلیٹی[3] (۱۷۱۷ء - ۱۸۰۱ء) یہ ایک ہمدرد اور جوشیلا پادری تھا جس نے کاشتکاروں میں تعلیم پھیلانے میں اور اُن کے سروں سے محصول کا بار کم کرنے میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دیئے۔ اُس نے میرابو (ہمدرد بنی نوع) کے نام جو خط لکھا تھا اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاؤلیٹی فطری آئینی اُصول کو تسلیم کرتا تھا۔ اُس کی دو کتابیں

---

[1] Luddovico Ricci

[2] Sulla riforma degli istituti pii della citta di Modena

[3] Ferdinando Paoletti

۱۷۶۹ء[1] اور ۱۷۷۲ء[2] میں علی الترتیب شائع ہوئیں۔ دوسری کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف تجارت غلہ کی آزادی کا وکیل ہے۔

کونٹ فرانسس کو مین گوٹی[3] — 75

مین گوٹی نے ۱۷۹۱ء میں ایک کتاب[4] تصنیف کی، اس کتاب کو اصول تامین اور بندشوں کی انتہائی حکمت عملی کے خلاف ایک زبردست احتجاج کہنا چاہیے اس کا مطالعہ آجکل بھی مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ مین گوٹی نے اسی سال ایک اور مختصر کتاب[5] بھی شائع کی، اس تصنیف کا مقصد ایک کتاب "تاریخ تجارت و قدیم فن جہازرانی[6]" کی تردید کرنا اور اس کے مصنف ہیوٹ کے مبالغہ آمیز بیانات کو غلط ثابت کرنا تھا، اور اسی سلسلے میں مین گوٹی نے قدیم و جدید تمدنوں کے فرق پر بھی بہت دلچسپ بحث کی ہے۔

جی ام ماریا اورٹس[7] (۱۷۱۳ء تا ۱۷۹۰ء)

سب سے آخر میں اطالیہ کا ایک اور فلسفی اورٹس قابل ذکر ہے، اس میں اصلیت و جدت کا مادہ خاص طور پر موجود تھا حتی کہ وہ وہمی ہوکر رہ گیا تھا اور اس کے بعض خیالات انیسویں صدی کے یورپ کے بعض مصنفین کے خیالات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اسلیئے وہ بآسانی اپنے معاصرین کا ہم مسلک قرار نہیں دیا جا سکتا۔ وہ

[1] Pensieri Sopra l'agricoltura (1769)

[2] I veri mezzi di render felici le Societa (1772)

[3] Count Francisco Mengotti

[4] Il Colbertismo (1791)

[5] Del Commercio de Romani

[6] Histoire du Commerce et de la Navigation des auciens.

[7] Giammaria Ortes

اپنے زمانے کی سیاسی آزادی کی تحریک کے رجحانات کا سرے سے مخالف معلوم ہوتا ہے، لیکن اُصول تجاریت کو تسلیم نہیں کرتا یعنی نظریۂ توازن تجارت کو مسترد کرتا اور تجارت کی آزادی کی وکالت کرتا ہے۔ قرون وسطیٰ کا معاشی و معاشری نظام اُس کا معیار معلوم ہوتا ہے، مثلاً وہ کلیسائی جائداد کے قیام و انتظام پر زور دیتا ہے، سود کے رواج اور خصوصاً قرض پر سود کے لین دین کی مخالفت کرتا ہے اور نظام زر کے تسلط کا مخالف ہے۔ تموّل و افلاس کے بارے میں وہ ان عجیب و غریب خیالات کا اظہار کرتا ہے :- ہر زمانے میں اور ہر ملک میں قوم کی مجموعی دولت مُلک کی آبادی سے مقررہ نسبت رکھتی ہے اور مجموعی دولت کی مقدار آبادی کی مجموعی تعداد کو متعیّن کرتی ہے لہٰذا جہاں دولت ہوتی ہے وہاں افلاس کا ہونا ضروری ہے، جب ایک شخص متموّل بننے کے لیئے دولت کماتا ہے تو وہ گویا اس نسبت سے اپنے کسی دوسرے بھائی کو مفلس بنا رہا ہے، دولت کی مجموعی مقدار میں اضافے کی کوشش کرنے سے کوئی قوم خوش حال نہیں ہو سکتی بلکہ موجودہ دولت کو مناسب طریقے پر مختلف طبقوں میں تقسیم کرنے سے قوم کی اصلاح و ترقی ممکن ہے، افلاس کو دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مالداروں اور تاجروں کو متموّل بننے کی دُھن سے روکا جائے اور نفع کمانے کے جوش کو دبایا جائے۔"

اورٹس نے خاص مسئلۂ آبادی پر ایک جداگانہ کتاب بھی لکھی ہے، اُس میں وہ یہ ضابطہ پیش کرتا ہے کہ "آبادی کا اضافہ سلسلۂ ہندسیہ میں ہوتا ہے" مگر اسی کے ساتھ یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح حیوانات میں نسل کا اضافہ باہمی کشت و خون وغیرہ کے باعث محدود رہتا ہے اسی طرح نوع انسان میں بھی اضافۂ نسل پر عقل کی رہبری سے حد قائم کی جا سکتی ہے (یہ وہی چیز ہے جس کو مالتھس نے شدومد کے ساتھ عاقلانہ اجتناب اور دور اندیشانہ روک سے تعبیر کیا ہے) تجرد کے

رواج کو وہ رسم ازدواج کے مساوی ضروری اور مفید خیال کرتا ہے، زرعی پیداوار کا جہاں تک تعلق ہے وہ تقریباً وہی نتیجہ قائم کرتا ہے جس کو آج کل قانون تقلیل حاصل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - اورٹس اپنے تحریرات کی اشاعت کے بارے میں کسی قدر بے پروا تھا، اسی لیئے اُس کے تصانیف گمنامی اور تاریکی میں پڑے رہے ایک مدت دراز کے بعد جس وقت کسٹوڈی نے اطالیہ کے علمائے معاشیات کے تصانیف و تحریرات کو جمع کر کے شائع کیا اُس وقت اورٹس کے تصانیف بھی منظر عام پر آئے اور اُن کے خصوصیات و محاسن نے عوام کو مصنّف کی طرف متوجہ کرایا۔

ہسپانیہ

یورپ میں جو تحریک جاری تھی اُس کا اثر ہسپانیہ میں بھی محسوس ہوا۔ اٹھارھویں صدی کے ابتدائی حصّے میں استارِز[1] نے ایک کتاب[2] تصنیف کی، یہ کتاب ۱۷۲۴ء میں لکھی گئی اور ۱۷۴۰ء میں شائع ہوئی، ۱۷۵۱ء میں جان کیپ پاکس نے اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور ۱۷۵۳ء میں فوربا نے فرانسیسی زبان میں اُس کا ترجمہ شائع کیا۔ اس کتاب میں اصول تجارت اپنی انتہائی شکل میں پیش کیے گئے ہیں۔

جیرونی مو استارِز۔

رودریگز اٹھارھویں صدی کے نصف آخری حصّے کے مصلحانہ رنگ کی بہترین طریقے پر نمائندگی کرتا ہے، یہ بھی نہایت جوش و خروش کے ساتھ انھیں مسائل پر بحث کرتا ہے جن پر کہ ترگو نے بحث کی تھی اور اپنے اسی مشہور معاصر کی حکمت عملی کی وکالت کرتا ہے۔

پیٹرو رودریگز[3] کونٹ اوف کیپامانس (۱۷۲۳ء تا ۱۸۰۲ء)

---

[1] Geronimo Ustariz.

[2] Teorica Y Practica del commercio Y morma.

[3] Petro Rodriguez. Count of Campomanes

دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ روڈریگز کا نقطۂ نظر ویسا اعلیٰ وارفع نہیں ہے جیساکہ ترگو کا تھا، اُس نے تین کتابیں[1] تصنیف کیں جو بقول روبرٹسن نہایت عمدہ کتابیں ہیں، مصنف نے نہ صرف ان تحریرات کے ذریعے سے بلکہ بحیثیت وزیر کے بھی تجارت، صنعت وزراعت کو قانونی بندشوں اور قیود سے آزاد کرانے اور اُن کو ترقی دینے کی کوشش کی، خصوصاً تجارت غلہ اور صنعت کی راہ سے ان نفرت انگیز موانعات کو ہٹانے میں بہت بڑا حصہ لیا جو کہ قرون وسطیٰ کا ترکہ تھے۔ وہ سونے چاندی کو دولت کا واحد ذریعہ تصور کرنے کا سخت مخالف ہے، اسی سلسلے میں لکھتا ہے کہ "ہرچند بادشاہ چارلس سوم کے زریں عہد حکومت میں ہسپانیہ ترقی کر رہا ہے، لیکن حکومت کا اپنے سونے چاندی کی کانوں پر بھروسا کیے ہوئے بیٹھے رہنا مُلک کے لیے مضرت سے خالی نہیں، ہسپانیہ کی دولت و قوت کے اصلی ذرائع امریکہ میں تلاش کرنے سے نہیں مل سکتے، ہسپانوی باشندوں کے تموّل اور خوش حالی میں حقیقی اضافہ کرنا مقصود ہے تو مُلک کی صنعتوں کو ترقی دینا چاہیے۔ 77

کونت کا یہ خیال کہ "معاشری انقلاب کی تحریک نے اطالیہ وہسپانیہ میں زیادہ تر معاشی اصلاح کا رخ اختیار کیا" صحیح معلوم ہوتا ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فرانس میں مصنفین کو اظہار رائے کی جتنی آزادی حاصل تھی اُتنی اطالیہ وہسپانیہ میں مطلقاً نہ تھی،

---

[1] (1) Respuesta fiscal sobre abolir la tasa of establecer et commercio de granos (1764)

(3) Discurso sobre la education de los artesanos ysu fomento. (1775)

(2) Discurso sobre el fomento de industria pepolar. (1774)

حکومت کے دباؤ کی وجہ سے ان دونوں ملکوں میں فلسفہ اور سیاسیات کی تحقیق وبحث کا سلسلہ ایک مدت دراز تک رکا رہا اور دوسری بات یہ کہ اطالیہ کے شمالی شہروں کی گزشتہ زمانے کی کاروباری اولوالعزمیوں اور صنعتی کارناموں نے اطالوی مصنفین کی توجہ حکومت کی معاشی حکمت عملی کی اصلاح اور ملک کے آئین وقوانین کی اصلاح کی جانب مبذول کردی۔

جرمنی

فن معاشیات کی ابتدا

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اطالیہ اور انگلستان میں زر اور تجارت خارجہ کے بارے میں بعض مقامی عملی مسائل کی بحث کی بنا پر معاشیات کی ابتدا و ترقی ہوئی لیکن جرمنی میں معاشیات کی ابتدا بقول روشر نام نہاد علوم مالکیہ[۱] سے ہوتی ہے، قرون وسطیٰ کے اواخر میں جرمنی کے اکثر صوبوں میں ایک مجلس بنام کیمر[۲] قائم تھی، اس مجلس کا کام عوام کے املاک کا انتظام اور شاہی حقوق کا تحفظ تھا، مجلس کی کارروائیاں مخفی طور پر ہوتی تھیں اور عوام کو علم نہ ہونے پاتا تھا۔ برگنڈی میں اسی قسم کی ایک جماعت موجود تھی چنانچہ اسی کی تقلید میں شہنشاہ میکس میلین نے دیانا اور انس برک میں شہنشاہی مجلسیں[۳] ۱۴۹۸ء اور ۱۵۰۱ء میں

۱؎ Cameralistic Sciences.

۲؎ (Camera) Kammer.

۳؎ آلک کونسل (Aulic Councils) مقدس رومانی شہنشاہی کا ایک عضو یہ تھی۔ اولاً اس کا مقصود عاملانہ کاموں کا انجام دینا تھا۔ مگر اس سے زیادہ تر عدالتی کام انجام پاتے تھے۔ ۱۴۹۷ء میں اس کا قیام عمل میں آیا اور ۱۸۰۶ء میں مقدس رومانی شہنشاہی کے خاتمے پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

علی الترتیب قائم کیں۔ ان مجلسوں کی نگرانی میں نہ صرف مالیات اور محصولات کے شعبے تھے بلکہ صنعت و تجارت کا انتظام بھی انھیں کے سپرد کر دیا گیا تھا، ارکان مجلس کی تعلیم و تربیت کے لیے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ وہ ان شعبوں میں کافی دستگاہ رکھیں، چنانچہ اس مقصد پر نظر کرتے ہوئے جرمنی کے جامعوں میں چند مضامین درس میں شامل کیے گئے اور اُن کی تعلیم و تدریس کی غرض سے معلّموں کا تقرر عمل میں لایا گیا، نصاب میں ایک طرف علوم ظواہر فطرت مثلاً فن جنگلات، فن معدنیات اور صناعیات رکھے گئے اور دوسری طرف قومی بہبودی کے تعلق سے انسانی تعلقات اور انسانی آئین و قوانین کا مضمون رکھا گیا 78
چنانچہ اس موخر الذکر مضمون سے ہی جرمنی میں معاشیات کی ابتدا ہوتی ہے۔

جرمنی کے تجارئین

جرمنی میں تجارتی خیالات کا اثر جتنا قوی تھا شاید ہی یورپ کے کسی دوسرے ملک میں پڑا ہوگا لیکن دوسرے ملکوں میں نظریۂ توازن تجارت کو جس قدر قبولیت حاصل ہوئی جرمنی میں عہد زیر بحث میں اس سے بدرجہا کم حاصل ہوئی، جرمنی میں سترھویں صدی کے تمام سربرآوردہ علماے معاشیات یعنی بارنٹز[1]، بیسولڈ[2]، کلاک[3]، بیچر[4]، ہارنیک[5]، سکنڈارف[6]، شرویڈر[7]

1. Bornitz. 2. Besold. 3: Klock. 4. Becher. 5. Horneck. 6 Seckendorf 7. Schröder.

متفقہ طور پر اصول تجاریت کی وکالت کرتے ہیں، علیٰ ہذا القیاس اٹھارھویں صدی کے نصف اوّل حصّے کے معاشیین کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے اور خصوصاً جسٹی[1] کو (جو ۱۷۷۱ء میں فوت ہوا) بھی ہم اس زمرے میں شامل کر سکتے ہیں، البتہ جرمنی کا

[1] Justi.

پہلا شخص ہے جس نے معاشیات کی ایک باضابطہ کتاب تصنیف کی، یہ کتاب نصاب میں شریک کر دی گئی تھی اور اس طرح ایک مدت دراز تک اس کے ذریعے سے رائے عامہ پر اثر پڑتا رہا، اس زمانے میں صرف ایک مصنف زنکے[1] (۱۶۹۲ء سے ۱۷۶۹ء) ہی ایسا شخص نظر آتا ہے جو بعض معاملات میں تجارئین کے خلاف رائے ظاہر کرتا ہے، مثلاً وہ تجارتی اصول کے خلاف تجارتی آزادی پر بھی اشارۃً بحث کرتا ہے، لیکن یہ سب مصنف صرف قومی نقطۂ نظر سے اہمیت رکھتے ہیں بین الاقوامی حیثیت سے ان کی کوئی وقعت نہیں اس لیے کہ یورپ کے دوسرے ممالک میں خیالات کی عام تحریک پر ان کا کچھ بھی اثر نہیں پڑا۔

جرمنی میں فطر آئینی مسلک کے پیرو۔

فطر آئینی نظام کو جرمنی میں ایک حد تک قبولیت حاصل ہوئی۔

۱۷۷۲ء میں باڈن کے حاکم کارل فریڈرک نے اپنے لڑکوں کے مطالعے کی غرض سے ایک کتاب تصنیف کی، یہ کتاب فطر آئینی اصول کا آئینہ ہے مگر علمی اعتبار سے کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتی۔ شلٹ وائن[2] (۱۷۳۱ء تا ۱۸۰۲ء) اور ماویل لن[3] (۱۷۴۳ء سے ۱۷۹۴ء) فطر آئینی مسلک کے پیرو تھے، تھیوڈور شمالتس[4] (۱۷۶۰ء سے ۱۸۳۱ء) بھی اسی مسلک سے تعلق رکھتا تھا، اگرچہ یہاں پر اُس کا تذکرہ تاریخی ترتیب کے لحاظ سے

---

[1] Zincke.

[2] Schlettwein.

[3] Manviilon.

[4] Theodor Schmalz.

کسی قدر قبل از وقت ہوگا، پھر بھی اتنا کہنا کافی ہے کہ اُس کو "سب سے آخری فطر آئینی" کہتے ہیں۔ شمالز نظام کولبیر (یا نظام تجاریت) کو نظام بطلیموس سے اور فطر آئینی نظام کو کوپرنیکی نظام سے تشبیہ دیتا ہے۔ آدم اسمتھ کو وہ ایک بڑا باکمال مصنف خیال کرتا ہے اور اُس کو معاشیات میں وہی رتبہ دیتا ہے جو کہ علم ہیئت میں ٹائیکو براہی[1] کو حاصل ہے۔ آدم اسمتھ کے متعلق لکھتا ہے کہ "چونکہ آدم اسمتھ فطر آئینوں کی حقیقت و صداقت کی تردید نہیں کر سکتا تھا اور اسی کے ساتھ اپنے تعصبات قلبی سے بھی نہ بچ سکا 79
اسی لیے شہرت حاصل کرنے کی غرض سے بڑی ہنرمندی کے ساتھ دو متضاد و مغائر نظاموں میں ہم آہنگی پیدا کر کے اپنا ایک جدید نظام بنانے کی کوشش کی۔" اگرچہ اُس زمانے میں ہر طرف اسمتھ کا چرچا تھا مگر شمالز کوئنے ہی کے نظریے کو مبنی بر صداقت سمجھتا رہا۔ چنانچہ وہ یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ "کوئنے کا نظریہ عنقریب تمام عالم میں تسلیم کر لیا جائے گا۔"

آسٹریا کا مشہور معاشی زوننفیلس (۱۷۳۳ء - ۱۸۱۷ء)۔

آدم اسمتھ کی پیدائش کے کچھ عرصے قبل جس طرح انگلستان میں اسٹورٹ اور اٹلی میں جینوویسی نے تجاریت کے اصول میں ترمیم کر کے اُن کو اعتدال کے ساتھ پیش کیا تھا اسی طرح زوننفیلس[2] آسٹریا کا پہلا مشہور عالم معاشیات ہے جس نے اپنے ملک میں اصول تجاریت مرمّمہ و معتدل شکل میں پیش کیے۔ اس کی کتاب[3] ۱۷۶۵ء میں شائع ہوئی اور آٹھویں مرتبہ ۱۸۲۲ء میں طبع ہوئی۔ اس کا اثر

---

[1] Tycho Brahe.

[2] Sonnenfels

[3] Grundsatze der Polizei Handlung und Finanz. (1765)

عوام کے خیالات اور آسٹریا کی حکمت عملی پر نہ صرف اُس زمانے میں رہا بلکہ انیسویں صدی کے بیشتر حصے میں بھی پڑا۔

جرمنی کا سب سے بڑا معاشی جسٹس موزر[۱]۔

بقول روشر جرمنی میں اٹھارھویں صدی کا سب سے مشہور عالم معاشیات جسٹس موزر (۱۷۲۰ء تا ۱۷۹۴ء) ہے۔ موزر نے ۱۷۷۴ء میں ایک کتاب[۲] لکھی۔ اسمیں کسی ایک مضمون پر مسلسل بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ متعدد و منتشر مضامین کا مجموعہ ہے لیکن گیٹھے اس کتاب کو ایک مکمل مضمون خیال کرتا ہے۔ گوئٹے[۳] موزر کے تصانیف کو لڑکپن ہی سے شوق کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور خود اُس نے جو کتاب[۴] تصنیف کی اُس میں موزر کو نہایت ذہین اور پرجوش مصنف اور معاشری معاملات اور عمرانیات کا متبحر عالم بتاتا ہے اور موزر کے خصائل و عادات کو عمدہ اخلاق کا نمونہ قرار دیتا ہے۔ جرمنی کے اکثر مصنفوں نے خاص خاص معاملات اور اہم حالات کی طرف توجہ کی مگر موزر محض قوم کی روزمرہ کی زندگی کے حالات اور حقیقی واقعات کی بحث کرتا ہے اور بعض ایسی چھوٹی چیزوں پر نظر ڈالتا ہے جو سب کی نظروں میں نہیں آتیں۔ مگر انھیں پر قوم کی زندگی کا مدار ہے۔ بے تکلفانہ طرز تحریر اور بیان کی سادگی و شگفتگی کے لحاظ سے موزر کو فرنکلن کے ہم پلہ خیال کیا جاتا ہے خیالات کا جہاں تک تعلق ہے، موزر اطالیہ کے مشہور مصنف اُورٹیس سے مماثلت رکھتا ہے، نئی تحریک اور سیاسی بیداری کے رجحان کا سرے سے مخالف ہے بلکہ اس اعلیٰ عقلی و اخلاقی رجحان کا بھی

---

۱ Justus Moser.

۲ Patriotische Phentasieen.

۳ Goethe.

۴ Dichtung und Wahrheit.

مخالف معلوم ہوتا ہے جس کی آدم اسمتھ نے بعد میں چل کر اپنی کتاب میں ترجمانی کی ۔ موزر صرف قدامت پسند ہی نہیں بلکہ رجعت پسند بھی ہے، اور قرون وسطیٰ کے بعض آئین ور واجبات مثلاً تجارتی جتھوں Guilds وغیرہ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے، اور سکار لائل کی طرح موجودالوقت مزدوروں کی نام نہاد آزادی پر قدیم جاگیری 80
نظام اور زرعی غلامی کو ترجیح دیتا ہے، نظام زر کی ترقی کو مذموم قرار دیتا ہے، صنعت بر پیمانۂ کبیر اور عمل کی وسیع تقسیم اور تخصیص کی مخالفت کرتا ہے، جائداد غیر منقولہ کے بارے میں "مطلق حق ملکیت" کا مخالف ہے اور قرون وسطیٰ کے اُن تمام قانونی قیود اور بندشوں کو از سر نو تازہ کرنا چاہتا ہے جو ملکیت پر نہ صرف حکومت اور پوری قوم کے مفاد کے تحت بلکہ افراد قوم کے بہبود کو پیش نظر رکھ کر عائد کی گئی تھیں، پھر بھی موزر نے اپنے معاصرین کی تنگ خیالی اور اصول پرستی کی اپنے پیچیدہ انداز میں نہایت سخت و درشت نکتہ چینی کی اور اس کے اثناء میں وہ بہت سی عمدہ باتیں بیان کرتا اور خاصکر قرون وسطیٰ کے معاشی مظاہر اور عام معاشری حالات پر بہت کچھ معنی خیز روشنی ڈالتا ہے۔

ہالینڈ

ہالینڈ میں معاشی خیالات کے بارے میں نئے رجحانات سترھویں صدی کے وسط میں ظاہر ہوئے۔

ڈرک گراس ونکل ۱؎
سنہ ۱۶۰۰ء۔ سنہ ۱۶۶۸ء

گراس ونکل تجارت غلہ کی آزادی کی وکالت کرتا ہے، اور صنعت پر قانونی بندشیں قائم کرنے کا عام طور پر مخالف ہے۔

پیٹر ڈی لاکورٹ ۲؎
سنہ ۱۶۱۸ء۔ سنہ ۱۶۸۵ء

پیٹر تقریباً گراس ونکل ہی کے انداز میں ملک میں اپنے زمانے کے عملی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، خرید و فروخت، پیدائش، تعلیم و تعلّم میں شہریوں کو کامل آزادی دینے کے بارے میں حکومت سے اصرار کرتا ہے، مجالس تجارت کے قیام و انتظام کے بارے میں سخت اعتراض کرتا ہے، پیٹر، جان ڈی وٹ ۳؎ سے علمی درس لیا کرتا تھا چنانچہ اس کی خاص تصنیف ۴؎

۱؎ Dirck Graswinckel

۲؎ Pieter de la Court.

۳؎ (John de Witt) یہ گرانڈ پنشنری تھا اور چیف مجسٹریٹ کا درجہ رکھتا تھا۔

۴؎ Anwysing der heilsame politike gronden en maximan Van de Republike Van Holland en Westfriesland (1699).

جو سنہ ۱۶۶۹ء میں شائع ہوئی اسی مدبر سیاست (جان ڈی وٹ) کی تعلیم کا نتیجہ خیال کی جاتی ہے، سنہ ۱۷۰۹ء میں اس کتاب کا فرانسیسی ترجمہ شائع ہوا جو اصلی تصنیف سے بھی زیادہ مشہور ہے۔

جین ڈی لاکورٹ سنہ ۱۶۲۲ء - سنہ ۱۶۶۰ء	جین، پیٹر ڈی لاکورٹ کا بھائی تھا اور اپنے بھائی کے مسلک ہی پر چلا۔
سیل مے سیس[1]۔	سیل مے سیس کی دو کتابیں سنہ ۱۶۳۹ء اور سنہ ۱۶۴۰ء میں شائع ہوئیں، ان کتابوں میں ضرورت وجواز سود کی بحث کے سوا کوئی اور اہم بحث نہیں ہے۔

[1] Salmasius.

(ب)

پانچواں باب

عہد جدید: تیسرا دور

(فطرتی آزادی کا نظام)

برطانیہ: آدم اسمتھ اور اُس کے متصل متقدّمین و متاخرین

برطانیہ و فرانس

(۱) ہیوم۔ اُس کے تصانیف اور خصوصیات۔ (۲) سر جوشیا ٹکر اور سر جیمس اسٹوارٹ۔ (۳) آدم اسمتھ، علمائے معاشیات میں اُس کا رتبہ۔ (۴) نظام اسمتھ اور سابقہ نظاموں کا تعلق و فرق (۵) اسمتھ کا طریق تحقیقات۔ (۶) اسمتھ کے تصانیف۔ دولت اقوام اور اُن کے مباحث۔ (۷) اسمتھ کی تصنیف کا اثر۔ (۸) اسمتھ کے نقّاد۔ بنتھم، لارڈ لاڈرڈیل (۹) مالتھس۔ مضمون آبادی، قانون بقائے اصلح۔ (۱۰) ریکارڈو۔ طریق تحقیقات۔ نظریۂ لگان (۱۱) دیگر مصنف۔ سینیر، جان مل، جیمس مل وغیرہ۔ 81

انگلستان کے معاشئین اور ان کے تصانیف۔

انگلستان میں اٹھارھویں صدی کے شروع حصّے میں

معاشی تحقیقات کا سلسلہ رکا رہا، ۱۷۳۵ء میں کچھ ہل چل کے آثار نمودار ہوئے اور ایک پادری برکلے کی کتاب "سائل"[1] شائع ہوئی، اس کتاب میں قومی دولت اور فعل زرپر نہایت شدّ و مد کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، جن سے تجارتی اصول کی تردید ہوتی ہے، کتاب میں بعض بیانات غلط بھی ہیں مگر اس کی اشاعت کے بعد سے تحقیقات کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

ہیوم

فطرآئینی فرقہ جس وقت فرانس میں معاشیات کے ایک معیّن نظام کی تدوین میں مصروف تھا اسکاٹ لینڈ میں ایک بلند پایہ فلسفی ہیوم مختصر مگر پُرمغز مضامین لکھ لکھ کر معاشیات کے بعض بنیادی اصول کی تشریح کر رہا تھا، ہیوم سے قبل انگلستان میں ان مسائل پر جو کچھ لکھا گیا تھا وہ تقریباً سب کا سب حقیقی عملی دائرے کے اندر تھا، اگرچہ لاک پہلا شخص ہے جس نے معاشی تحقیق کا تعلق انتقادی فلسفے کے عام نظام کے ساتھ قائم کیا، پھر بھی یہ تعلق نہ صرف جزوی تھا بلکہ کسی قدر غیر معیّن بھی تھا، لیکن اصل میں ہیوم نے اس فلسفے کو سب سے زیادہ نمایاں اور ترقی یافتہ شکل میں پیش کیا، چنانچہ معاشیات سے ہیوم کا تعلق اس رجحان کو ظاہر کرتا ہے جو کہ معاشی تحقیق کو فلسفے کے ساتھ مربوط کرنے کے متعلق اُس زمانے میں پیدا ہو گیا تھا۔ جن مضامین کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اُن میں سے اکثر ۱۷۵۲ء میں ایک کتاب کی شکل میں بعنوان "سیاسی مباحث"[2] شائع ہوئے اور ایک سال بعد دوسری کتاب میں بعنوان "مختلف مباحث و مضامین"[3] شائع ہوئے،

---

[1] Querist

[2] Political Discourses

[3] Essays and Treatises in Several subjects

ان میں سے اہم مضامین تجارت، زر، سود اور توازن تجارت پر ہیں، اگرچہ یہ مضامین مسلسل نہیں ہیں لیکن ان مضامین کو بقیہ مباحث سے علیحدہ شمار نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ ان میں ایک طرح کا اتحاد خیالات موجود ہے اور یہ مضامین بلاشک وشبہ ایک حد تک مکمل معاشی
نظام پیش کرتے ہیں، ان مضامین سے ہیوم کی عجیب وغریب ذکاوت طبع 82
دقت نظر اور تیز فہمی بخوبی ظاہر ہوتی ہے، بلکہ یہ خوبیاں بعض اوقات ہیوم کو ایک معما بنا دیتی ہیں کیونکہ ان کے ساتھ اس میں دوسرے صفات مثلاً وسعت نظر، بے تعصبی اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی بھی پائی جاتی ہیں جو اس کا طغرائے امتیاز ہیں، علاوہ بریں ان مضامین کی عبارت سلیس اور دلکش ہے، انداز بیان آورد سے خالی اور بے تکلفانہ ہے جس سے مصنف کی عدیم المثال قوت تحریر وقوت بیانیہ کا بین ثبوت ملتا ہے۔

زر کی بحث میں ہیوم تجارئین کے اس غلط خیال کا ابطال کرتا ہے کہ دولت وزر ایک ہی چیز ہے، اور اسی سلسلے میں یہ خیالات ظاہر کرتا ہے :- "قوم کی حقیقی قوت کا دارومدار آدمیوں اور اشیا پر ہے اور قوم کی دولت وقوت مزدوری پیشہ آبادی ہے، زر گویا ایک قسم کا تیل ہے جو تجارتی انجن کی رفتار کو تیز اور سبک کر دیتا ہے، اگر بین الاقوامی حیثیت سے قطع نظر کر کے قومی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ملک میں زر کی قطعی مقدار جو معین و محدود ہو ملک پر کوئی نتیجہ خیز اثر نہیں ڈالتی، اور اگر زر کی مقدار میں ضرورت سے زیادہ اضافہ ہو جائے یعنی تجارت اور کاروبار کے لیے جتنا زر معمولاً درکار ہے اس سے زیادہ رائج ہو جائے تو ملک کو نقصان پہنچے گا اس لیے کہ زر کی کثرت اشیا کے نرخ کو گراں کر دے گی اور تجارت خارجہ کو اس طرح پر متاثر کرے گی کہ اشیا کی برآمد میں کمی ہو جائے گی"۔ ایک یا دو مقامات پر اس امر کے منوانے کی بھی کوشش کرتا ہے کہ قدر زر

زیادہ تر ایک فرضی اور خیالی چیز ہے، اگرچہ یہ دعویٰ ناقابل تسلیم ہے مگر ہیوم کو اس کی بنا پر نشانۂ ملامت نہ بنانا چاہیے کیونکہ اُس نے اس دعوے پر کوئی کلّیہ یا قضیہ قائم نہیں کیا۔ مصنّف ایک جگہ اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ زر کی فراوانی سے صنعت کو اُس زمانے میں فروغ ہوتا ہے جو کہ زائد زر کے اجرا اور اُس زر کے مُلک میں اچھی طرح پھیلنے اور اشیا کے نرخ کو متاثر کرنے کے مابین واقع ہو۔ اُس کا یہ خیال بالکل نیا اور عجیب وغریب ہے، مگر جے، ایس مِل نے اس پر اعتراض کیا ہے، ہیوم یہ ثابت کرتا ہے کہ صنعت گر مُلک کا یہ خوف وہراس کہ تجارت میں دوسرے ممالک کو جو زر برآمد کیا جاتا ہے مُلک کو واپس نہیں مل سکتا اور وہیں رہ جاتا ہے، بالکل بے بنیاد ہے، اور آخر میں یہ خیالات ظاہر کرتا ہے کہ "آزاد حکومت کے تحت قیمتی فلز کی تقسیم تجارتی ضرورتوں کے لحاظ سے مُلک میں خودبخود ہوتی ہے پس حکومت کو ہر طرح یہ حق حاصل ہے کہ اپنی رعایا اور صنعت کی کما حقہٗ حفاظت کرے مگر اُس پر یہ بھی واجب ہے کہ زر کی آمد ورفت کو رفتار زمانہ پر چھوڑ دے اور خوف وہراس کو دل سے نکال دے۔"

ہیوم نے شرح سود کے بارے میں جو خیالات ظاہر کیے ہیں وہ حقیقت میں ایک بہت بڑی خدمت ہے، یہ غلط
خیال عام طور پر پھیلا ہوا تھا کہ مُلک میں زر کی جو مقدار موجود ہوتی 83
ہے اُسی پر شرح سود کا دارومدار ہوتا ہے، ہیوم اس کی تردید کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ "تخفیف شرح کا انحصار زیادہ کفایت شعاری اور صنعتی وتجارتی ترقی پر ہوتا ہے۔ شرح سود ایک طرح کا بارپیما ہے جس کی کمی قوم کی خوش حالی اور بہبود کو ظاہر کرتی ہے"، آگے چل کر انسانی فطرت کا ایک اصول

پیش کرتا ہے جس کو اکثر معاشئین نظر انداز کر جاتے ہیں، وہ اصول یہ ہے کہ "انسانی دماغ میں کام کرنے اور مشغول رہنے کا دائمی اور غیر تسکین پذیر شوق ہوتا ہے اور اسی لیے بیکاری کی تکلیف انسان کو مشقت کرنے پر ابھارتی ہے"۔

تجارت کا جہاں تک تعلق ہے، اُس کی طبیعی بنیاد کو "علاقہ وار تقسیم عمل" کی طرف منسوب کر کے ہیوم یہ ثابت کرتا ہے کہ ایک قوم کی ترقی و خوش حالی دوسرے قوموں کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کرنے کی بجائے جیسا کہ عام طور پر غلط خیال تھا، اُنکی خوش حالی و ترقی میں ممد و معاون ہوتی ہے، اسی سلسلے میں لکھتا ہے کہ "میں صرف بحیثیت ایک انسان ہی کے نہیں بلکہ برطانوی قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے بھی جرمنی، ہسپانیہ، اطالیہ اور فرانس کی تجارتی ترقی کا تہ دل سے خواہاں و متمنی ہوں"، تجارت پر قانونی بندشیں اور محصول عائد کرنے کا ہیوم سخت مخالف ہے اور یورپ کے اکثر ممالک اور خصوصاً انگلستان کے اس طرزِ عمل کو مذموم قرار دیتا ہے، بریں ہم صنعت و حرفت کا جہاں تک تعلق ہے، آزادی پر زور نہیں دیتا بلکہ مصنوعات کی تامین اور اُن کی نشو و ترقی کی غرض سے جرمنی کے سوت کی درآمد پر محصول لگانا ضروری سمجھتا ہے، اسی طرح شراب رَم کی تجارت کو ترقی دینے اور جنوبی نوآبادیات کے اغراض کی حفاظت کرنے کے خیال سے فرانس کی برانڈی پر محصول لگانا چاہتا ہے، ان خیالات کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا، جیسا کہ بعضوں کی رائے ہے کہ، ہیوم تجاریت کو بہت زیادہ مہذب اور ترمیم یافتہ شکل میں پیش کرتا ہے اور اُس کے خیالات قدیم و جدید خیالات کے بین بین ہیں۔

محصول کی بحث میں، ہیوم منجملہ دوسرے امور کے فطرآئینوں کی تجویز "محصول مفرد" کی تردید کرتا ہے، اور سرکاری قرضوں پر

بحث کرتے ہوئے اس دعوے کی کہ "خواہ قرضوں کی ضرورت ہو کہ نہیں، سرکار کا قرضہ حاصل کرنا خود فائدہ بخش ہے" بہت سختی کے ساتھ تردید کرتا ہے، سرکار کے اس طرز عمل پر کہ وہ شدید ضرورت کے وقت قرضہ حاصل کرتی ہے، اس بناء پر اعتراض کرتا ہے کہ سرکار تو اپنی خود غرضی سے اپنی ضرورت پوری کر لیتی ہے مگر انجام کار اس کا بار آنے والی نسلوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔

ہیوم کے خصوصیات

معاشی تحقیق کی تاریخ میں ہیوم کی دو اہم خصوصیتیں نظر آتی ہیں :- (۱) وہ معاشی واقعات کو معاشری

84 وسیاسی زندگی کے تمام اہم اغراض سے ملا دیتا ہے اور (۲) معاشی واقعات کا مطالعہ تاریخی لحاظ سے کرتا ہے، مثلاً صنعت کے مختلف شعبے اور تمدن کس طرح ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور صنعتی وتجارتی ترقی سے تمدن پر کس طرح عام اثر پڑتا ہے، ان امور پر تفصیلی طور پر روشنی ڈالتا ہے اور قدیم وجدید نظام تمدن کا جا بجا ایک دوسرے سے مقابلہ کرتا ہے[۱] اس کے علاوہ اُس زمانے کی معاشری ترقی کے اعتبار سے جو جو مظاہر بحث طلب اور غور طلب تھے، ان سب پر تاریخی لحاظ سے بحث کرتا ہے۔

ہیوم کے متعلق آدم اسمتھ کی رائے۔

آدم اسمتھ پر ہیوم کی تحریروں کا بہت گہرا اثر پڑا چنانچہ آدم اسمتھ اپنی کتاب "دولت اقوام" میں لکھتا ہے کہ "ہیوم موجودہ زمانے کا سب سے بڑا فلسفی اور مورخ ہے" ہیوم نے آدم اسمتھ کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ جب دونوں کی دوستی اوّل الذکر کے انتقال کی وجہ سے منقطع ہو گئی تو آدم اسمتھ نے ایک دوست کو خط میں لکھا کہ "ایک انسان

[۱] دیکھو اس کا مضمون "قدیم اقوام اور قدیم آبادیاں" ۱۲ Essay on the populonsuess of Ancient Nations

ضعیف البنیان کے حدِ امکان اور حیطۂ اختیار میں جس قدر قوت موجود ہے ہیوم نے اس کو علم و عمل میں انتہائے کمال حاصل کرنے کے لیے صرف کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہیوم کو کس قدر عزت سے دیکھتا تھا۔

جوشیا ٹکر۔

جوشیا ٹکر گلوسٹر میں شپاس کے عہدے پر مامور تھا، اور آدم اسمتھ کے متصل متقدمین میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اُس کے تصانیف میں زیادہ تر اُسی کے زمانے کے سوالات پر بحث ہے اور اگرچہ اکثر مقامات پر دانشمندی اور تعمق فکر کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس کے تصانیف میں کوئی مستقل دلچسپی نظر نہیں آتی، بعض کتابوں میں آئرلینڈ کی تجارت پر بندشیں قائم کرنے کی مخالفت کرتا ہے، اس طرزِ عمل کو خلافِ مصلحت تصور کرتا ہے اور انگلستان و آئرلینڈ کے مابین اتحاد قائم کرنے کے بارے میں زور دیتا ہے، اور بعض میں حکومت کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ ممالک متحدہ امریکہ کی کامل آزادی کو تسلیم کرلے، بین الاقوامی تجارت کے بارے میں بھی رائے زنی کرتا ہے اور یہیں پر ٹکر کے اہم ترین معاشی خیالات ملتے ہیں، آزاد تجارت کے قضیوں کی نہایت جوش و خروش کے ساتھ وکالت کرتا ہے، اور ان قضیوں کی بنیاد یہ اُصول قرار دیتا ہے کہ مختلف قوموں کے اغراض کا متضاد و متخالف ہونا کوئی لازمی امر نہیں، بلکہ مختلف معاشی فوائد اور مختلف محرکات و رجحانات قوموں میں باہم ہم آہنگی پیدا کرکے اُن کو آپس میں اشیاء کا مبادلہ کرنے پر اُبھارتے ہیں، پھر بھی ٹکر تجارتیت کے اثر سے 85
بالکل آزاد نہیں معلوم ہوتا کیونکہ وہ مصنوعات کی برآمد پر انعامات مقرر کرنے کے بارے میں زور دیتا ہے اور افزائش آبادی کے ضمن میں ایک تجویز یہ پیش کرتا ہے کہ مجرد اشخاص پر سرکار محصول

عائد کرے۔ دیوبون اور بلین کوی دونوں ٹکر کو فطر آئینوں کا پیرو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہماری رائے میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ سوائے فطر آئینوں کے اصول آزاد تجارت کے ٹکر نے فطر آئینوں سے کسی اور اصول کی پیروی ہی نہیں کی، ٹکر نے ایک مضمون بعنوان "بیرون انگلستان کے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو ملکی شمار کرنے کے بارے میں ایک قانون وضع کرنے کی ضرورت" لکھا اس مضمون کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے ترگو نے ایک کتاب[1] کی شکل میں ۱۷۵۵ء میں شائع کیا۔

سر جیمس اسٹورٹ

۱۷۶۷ء میں سر جیمس اسٹورٹ کی ایک کتاب "اصول معاشیات[2]" شائع ہوئی، یہ کتاب اگرچہ اعتدال پسند تجارئین کے نقطۂ نظر سے انگریزی زبان میں معاشیات کی مکمل ترین اور سب سے زیادہ باقاعدہ تشریح ہے اور مصنّف بھی کوئی ایسی ویسی قابلیت کا شخص نہ تھا بلکہ ایک عرصۂ دراز کی تحقیق و مطالعے کے بعد اُس نے اس کتاب کو مرتب کیا تھا، لیکن بد قسمتی دیکھیے کہ اس کے باوجود بھی کتاب قبولیت عام حاصل نہ کر سکی، اس بلند پایہ کتاب کے نامقبول ہونے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ اُصول تجاریت کے چلن کا وقت گزر گیا تھا اور اس زمانے میں ہر طرف فطری آزادی کے نظام کا دور دورہ تھا اور سیاسی حیثیت سے بھی اس نظام کے غلبے اور کامیابی کے آثار نمودار تھے، یہی وجہ تھی کہ کتاب کا نظری اور عملی حیثیت سے مطلقاً کوئی اثر نہ پڑا۔ اس کتاب کے شائع

---

[1] Questions Importantes sur le Commerce

[2] Inquiry into the Principles of Political Economy

ہونے کے نو سال بعد آدم اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" شائع ہوئی، لیکن اسمتھ نے نہ تو کہیں اسٹورٹ کا حوالہ دیا اور نہ کہیں اس کی تصنیف کا ذکر کیا، اگرچہ ان دونوں میں دوستانہ تعلقات تھے اور اسمتھ کو اسٹورٹ کی کتاب سے زیادہ اس کی گفتگو میں مزہ آتا تھا مگر بایں ہمہ اسمتھ یہ چاہتا تھا کہ اس سے علمی بحث مباحثے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔

جرمانی معاشئین کی رائے۔

جرمنی کے معاشئین انگریز معاشئین کی نسبت اسٹورٹ کی کتاب پر بہت زیادہ تفصیلی طور پر اور وقت نظر کے ساتھ تنقید کرتے ہیں، خصوصاً مسئلۂ قدر اور مسئلۂ آبادی کا جہاں تک تعلق ہے، اسٹورٹ کی قابلیت کا بڑے شد و مد کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں، اور یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اسٹورٹ نے مختلف قوموں اور مختلف زمانوں کی معیشت کے مدارج اور ان کے بنیادی خصوصیات کو موجودہ زمانے کے بہترین محققانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

86 **آدم اسمتھ ۱۷۲۳ء تا ۱۷۹۵ء۔**

علمائے معاشیات میں اسمتھ کا رتبہ۔

آدم اسمتھ کے تصانیف کا تبصرہ کرنے سے پہلے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم اس کی حیثیت اور اور اس کے صحیح مرتبے کو اچھی طرح سمجھ لیں، اگر ہم بعض اشخاص کی تقلید میں آدم اسمتھ کو بانی معاشیات قرار دے دیں تو یہ سراسر خلاف واقعہ ہوگا، اس لیے کہ اجتماعی دولت کا سوال ہمیشہ سے فلسفیوں کے زیر بحث رہا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ قدما نے اپنے زمانے کے حالات کے اعتبار سے صرف جزوی حیثیت سے اس پر بحث کی اور موجودہ زمانے کے فلاسفہ اپنی کافی توجہ اس پر صرف کر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ بحث مختلف قومی سوالات پر منتشر و متفرق مضامین کا مجموعہ ہونے کی بجائے ایک باقاعدہ علم کی شکل حاصل کر رہی ہے، چنانچہ

ترگو کی کتاب "تخیلات[1]" میں یہی رنگ نظر آتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ آدم اسمتھ نے اس علم کو ایسے زمانے میں اپنے ہاتھ میں لیا جبکہ وہ خاصی ترقی کر چکا تھا، چنانچہ اسی سبب سے آدم اسمتھ کو یہ موقع ملا کہ ایک معتبر کتاب لکھ کر اپنے اکثر پیش رووں کے تصانیف کو بیکار اور حرف متروک ثابت کرے، یہ خیال کہ آدم اسمتھ سے قبل کے تصانیف اسمتھ کی تصنیف کا، اصلی معنوں میں پیش خیمہ ہیں بعید از حقیقت ہے لیکن اتنا ضرور صحیح ہے کہ سابقہ صدیوں میں معاشیات کے میدان میں جو کوششیں کی گئیں وہ آدم اسمتھ کے لیے راستہ بناتی رہیں اس لیے کہ اگر اسمتھ اپنے سے پہلے کسی گزشتہ زمانے میں پیدا ہوتا یا بحالت موجودہ اس سے پہلے معاشیات میں کوئی دوسرا مصنف نہ پیدا ہوتا تو اس کو وہ کامیابی اور مرتبہ ہرگز حاصل نہ ہو سکتا جو کہ اب حاصل ہے۔ اُس کے سابقین نے جو بنیاد قائم کر دی تھی اُسی پر اسمتھ نے اپنی زیادہ دیرپا اور مہتم بالشان عمارت تیار کی۔

نظام اسمتھ اور دوسرے نظاموں کا تعلق و فرق۔

آدم اسمتھ کو بانئ معاشیات قرار دینے کی غلطی میں جو اشخاص مبتلا نہیں ہوتے وہ اسمتھ میں اور کوئینے اور اُس کے پیرووں یعنی فطر آئینوں میں ایک بیّن حد فاصل قائم کرتے ہیں اور اس طرح پر معاشیات جدید کی تاریخ کو یکے بعد دیگرے تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، یعنی نظام تجاریت، فطر آئینی نظام اور نظام اسمتھ اس میں شک نہیں کہ موخر الذکر دونوں نظاموں میں بعض اصولی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن ہماری رائے میں اور خود بقول اسمتھ ان دونوں نظاموں کی موافقت کی بنیاد بہ نسبت

[1] Reflexions

اختلافات کے زیادہ محکم ہے، اگر ہم ان نظاموں کو دو تاریخی قوتوں سے تعبیر کریں تو یہ ماننا ضروری ہے کہ دونوں کا نصب العین ایک ہی ہے اور دونوں یکساں مقاصد کے حصول میں مصروف عمل ہیں، یوروپ کی سابقہ حکومتوں کی معاشی حکمت عملی کو مذموم قرار دینے کے بارے میں دونوں اصول متفق ہیں، اس حکمت عملی کے خلاف جو استدلال کیا گیا اُس کی بنیاد دونوں اُصول میں ایک ہی سی ہے اور دونوں اُصول اس حکمت عملی کے خلاف عوام کو یکساں طور پر اُبھارتے ہیں، فرق صرف یہی ہے کہ فطر آئینوں کی نسبت اسمتھ نے بہت گہری نکتہ چینی سے کام لیا ہے لیکن اسی کے ساتھ اسمتھ معاشی مظاہر کے بعض اقسام و انواع کا فطر آئینوں سے زیادہ صحت کے ساتھ تجزیہ کرتا ہے۔ فطر آئینوں نے صنعت و تجارت کو بلحاظ نوعیت پیشہ غیر پیدا آور قرار دیا مگر اسمتھ اس کا ابطال کرتا اور غلط فہمی کو دور کرتا ہے، فطر آئینی مسلک علمی دُنیا میں ایک تو اس وجہ سے زندہ نہ رہ سکا کہ تر گو کو جو ناکامی ہوئی وہ اس مسلک کی ترقی کی راہ میں حائل ہوئی اور دوسرے اس وجہ سے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، کہ اس مسلک کے تعلیمات میں جو قابل قدر مواد تھا وہ سب کا سب "دولت اقوام" میں ضم ہو گیا اور تیسری وجہ یہ کہ فطر آئینی فرقے نے تخریبی کام کی جو تحریک شروع کی تھی اُس کو اسمتھ کی کتاب نے زیادہ موثر طریقے سے جاری رکھا۔ 87

عہد جدید کے معاشی نظاموں کی تاریخی ترتیب

اس طرح عہد جدید میں انیسویں صدی کے تیسرے عشرے تک معاشی خیالات کی تاریخ دو حصوں پر تقسیم کی جا سکتی ہے، پہلے حصے میں تجاریت کا دور دورہ رہا اور یہ مسلک جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، کسی نظری و تحقیقی اصول پر مبنی نہ تھا بلکہ محض عملی پالیسی سے اس کا

تعلق تھا، یہ مسلک معاشی حالات کے نشو و نما کے دوران میں خود بخود نشو و نما ہوا اور اس کا اثر زیادہ تر ایسے ذہنوں پر پڑا جو کہ علمی بحث و تحقیق کے عادی نہ تھے۔ دوسرے حصے میں ایک نیا نظام بتدریج قائم و مسلّط ہوا اس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ افراد کی معاشی جدّ و جہد میں کسی قسم کی بندش یا رکاوٹ نہ ہونی چاہیے، اسی آزادانہ معاشی جدّ و جہد کے ساتھ جس کا زیادہ موزوں نام "فطری آزادی کا نظام" ہے فطرآئینوں اور اسمتھ کا نام منسوب کرنا چاہیے گو کہ اس مسلک کے لیے فطرآئینوں کے خدمات آدم اسمتھ کے خدمات کے مساوی نہ تھے۔

اسکاٹ لینڈ کے جامعوں میں معاشیات کی تعلیم فلسفۂ اخلاق کے ساتھ ساتھ دی جاتی تھی، اسمتھ کی عام تقریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پورے نصاب کو چار حصوں میں تقسیم کرتا ہے، یعنی سب سے پہلے طبیعی الٰہیات اس کے بعد اخلاقیات، تیسرا اصول قانون اور چوتھے حصے میں وہ سیاسی ضوابط و قواعد جن کی بنیاد ہنگامی ضرورتوں پر ہے اور جن کا منشا مُلک کی قوت، خوش حالی اور دولت میں اضافہ کرنا ہے اسمتھ اپنی مشہور تصنیف "نظریۂ اخلاقی جذبات" ۱۷۵۹ء میں ایک مقام پر موخّر الذکر دونوں شعبوں کو ایک ہی نظریہ اور علم شمار کر کے قانون اور حکومت کے عام اصول کے بارے میں اور عدالت، مالگزاری اور فوج کا ان اصول کے تاریخی نشو و نما سے جہاں تک تعلق ہے اُن کے بارے میں ایک جداگانہ کتاب 88 شائع کرنے کی توقع ظاہر کرتا ہے، اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اسمتھ کا منشا (بجز خاص خاص اور عارضی صورتوں کے) اپنی تحقیقات یا اپنے تصورات میں قوم کے معاشی مظاہر کو بقیہ دوسرے شعبوں سے ہرگز علیحدہ رکھنے کا نہ تھا، اسمتھ کے

محولۂ بالا توقعات کے بارے میں کسی شخص کا یہ قول کہ وہ سکونی و حرکی عمرانیات کا پیش خیمہ ہیں، بالکل صحیح ہے اور پھر ان خیالات کا اظہار ایسے زمانے میں ہوتا جس میں کہ اسمتھ تھا حقیقت میں تعجب خیز ہے، یہ توقعات اس اعتبار سے اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہو جاتی ہیں کہ بقول اسمتھ کے ناشروں کے اسمتھ کا منشا تمام علوم اخلاق اور فنون لطیفہ کی ایک ملحقہ و متحدہ تاریخ لکھنے کا تھا، اگر یہ خیال عملی جامہ پہن لیتا تو اس سے عمرانیات میں یقیناً بیش بہا اضافہ ہوتا، لیکن باوجود اس کے کہ یہ بڑے منصوبے کامل طور پر کبھی پورے نہ ہوئے بلحاظ اس کے کہ وہ زمانہ اُن کی تکمیل کے لیے موزوں نہ تھا، پھر بھی اتنا ضرور ہوا کہ اسمتھ نے "دولت اقوام" میں معاشی مظاہر سے خاص طور پر بحث کی مگر اسی کے ساتھ عمرانی مظاہر و معاشری واقعات کو بھی ایک حد تک پیش کیا ہے، اسمتھ کے بعض پیرو اسمتھ کو اس طرز عمل کی بناء پر نشانۂ ملامت بناتے ہیں اور اس امر پر زور دیتے کہ معاشیات کو ان علائق سے دور ہی رکھنا بہتر ہوگا، مگر یہ اُن کی تنگ نظری اور نری ہٹ دھرمی ہے۔

اسمتھ کا طریق تحقیقات

اسمتھ نے اپنی تصنیف میں کونسا طرز تحقیقات اختیار کیا، اس سوال پر بہت کچھ ردّ و قدح ہو چکی ہے اور مختلف رائیں پیش کی جاتی ہیں، بعضوں کا یہ خیال ہے اسمتھ نے طریق استخراج استعمال کیا خصوصاً بکل اس خیال کو بہت مبالغے کے ساتھ پیش کرتا ہے، اور یوں استدلال کرتا ہے کہ چونکہ اسکاٹ لینڈ میں استقرائی طریق بالکل رائج نہ تھا اور اسکاٹ لینڈ کے مفکر استقرائی فلسفے سے بالکل نابلد تھے، اس لیے اسمتھ بھی جو ایک اسکاچ تھا اس طریق کا استعمال نہ جانتا تھا، اور اگرچہ اسمتھ نے اپنے شباب کا بہترین اور

بہتیرا حصہ ایک ایسے مقام یعنی انگلستان میں کاٹا جہاں پر استقرائی طریق عام طور پر مروج تھا اور اگرچہ فلسفے میں اسمتھ خاص تبحر رکھتا تھا اور اُس کا مبلغ علم بہت وسیع تھا، لیکن پھر بھی بکل یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اسمتھ نے طریق استخراج کو اس وجہ سے استعمال کیا کہ صرف یہی طریق اسکاٹ لینڈ میں عام طور پر رائج تھا۔ اسی کے ساتھ بکل یہ بھی خیال ظاہر کرتا ہے کہ صرف یہی طریق معاشی تحقیق کا مناسب و ممکن طریق ہے لیکن ہماری رائے میں آدم اسمتھ کے اسی طریق کو اختیار کرنے کی موخر الذکر محض ایک وجہ تھی۔ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسکاٹ لینڈ کے فلاسفہ پر استقرائی طریق نے اثر نہ کیا، کیونکہ مان ٹسک کی تصانیف میں استقرائی طریق کا استعمال صاف طور پر نظر آتا ہے اور مان ٹسک کی تصانیف کو اسمتھ کے زمانے میں خاص دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا جاتا تھا اور اسکاٹ لینڈ کے باشندے اس کی کتابوں کو بہت قدر و وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے، رہا اسمتھ تو اُس کے متعلق صحیح رائے یہ ہو سکتی ہے کہ اُس کا میلان طبع کلیۃً استخراج کی طرف نہ تھا، اور نہ اس کا کمال بقول بکل کے "استدلالی قوت" پر مبنی تھا، بلکہ اسمتھ کی کتاب میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ وہ امور معاشری کا مشاہدہ وسعت نظر اور وقت نظر کے ساتھ کرتا ہے اور بجائے اس کے کہ مجرد اصول سے استدلال کر کے نتائج اخذ کرے، اپنے مشاہدات کو پیش کر کے اُن کے خصوصیات کی توجیہ و تشریح کرتا ہے، چنانچہ اسی رجحان طبع کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم جب اسکی کتاب کو پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ نہایت پُر زور طریقے پر محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کے 89 حقائق ہم سے بہت قریب ہیں۔

پھر بھی یہ امر کہ اسمتھ نے طریق استخراج کو اکثر و بیشتر استعمال کیا،

بالکل صحیح ہے، اور طریق استخراج کا استعمال اس وقت تک بالکل جائز ہے جب تک کہ انسانی فطرت کے عام واقعات اور خارجی اشیاء کے عام خواص سے بطور مقدمات نتائج اخذ کیے جائیں، اس میں تو بے شک کلام ہو سکتا ہے کہ یہ طریق بہت دور تک ہماری رہبری کرے گا اور علم میں وسعت پیدا کریگا لیکن اس طریق کی صحت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا، لیکن بقول کلف لزلی آدم اسمتھ نے جو طریق استخراج استعمال کیا وہ دوسری ہی قسم کا تھا۔ اسمتھ ایسے مقدمات سے نتائج اخذ نہیں کرتا جو واقعات اور اُن کے مشاہدات پر مبنی تھے بلکہ اُسکے مقدمات اصل میں نیم مذہبی اور نیم مابعد الطبیعی لمتی مفروضات ہیں جسطرح فطرآئینوں نے ایک مفید و منتظم نظام اشیا فرض کیا تھا جیسا کہ اُن کے نام سے خود ظاہر ہے، اسمتھ بھی ایک مفید و منتظم نظام قدرت کا وجود فرض کر کے نتائج اخذ کرتا ہے، اسمتھ کا یہ عقیدہ تھا کہ فطرت نے معاشری بہبود کے اسباب مہیا کر دیے ہیں اور یہ چیز انسانی طبیعت میں داخل ہے کہ انسان اپنی حالت و حیثیت کی اصلاح کے لیے ان اسباب کو اپنے موافق کرے، ہر فرد واحد محض اپنے ہی ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھ کر کام کرتا ہے، مگر "ید قدرت" اُس شخص سے رفاہ عام کا کام بھی ضمناً کرا لیتا ہے حالانکہ اس کا انجام دینا اُس شخص کا اصلی مقصد نہ ہو۔ لیکن محض اس بنا پر کہ ہر شخص کے پیش نظر اُسی کا ذاتی مفاد ہوتا ہے اور رفاہ عام مقصد نہیں ہے حکومت کا رفاہ عام کے بہانے سے قواعد و ضوابط کے ذریعے سے اس قانون فطرت میں دخل دینا ایک ناواجب مداخلت بلکہ قانون فطرت کے اصلی مقصد کو فوت کرنا ہے، اگر اس قسم کے غیر فطری اوامر و نواہی اُٹھا لیے جائیں تو فطری آزادی کا سیدھا سادہ اور بدیہی نظام خود بخود قائم ہو جائے گا۔

95 اگرچہ ہم نے جسطرح بیان کیا ہے اس طرح اسمتھ نے یہ نظریہ صاف اور نمایاں طریقے پر نہیں پیش کیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اُس کے معاشی اُصول کی تہ میں یہی نظریہ مضمر معلوم ہوتا ہے، مگر اس امر کو تسلیم کر لینے کے باوجود کہ اس قسم کے اصول موضوعہ پوشیدہ طور پر اسمتھ کے خیالات کو متاثر کرتے رہے ہے، یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالا جا سکتا کہ اسمتھ کا طریق بالکلیہ لمّی استخراج تھا، کیونکہ اسمتھ، اپنے طبعی رجحان کے مطابق اشیاء کا اسیطرح مطالعہ کرتا تھا جس طرح کہ وہ حقیقت میں موجود ہیں، چنانچہ وہ ان تمام مبالغہ آمیزیوں اور مغالطہ خیز بیانات سے محفوظ رہا جنمیں کہ اُس کے اکثر متاخرین مبتلا پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ مان ٹسک کے اثر نے ان نظری تعصبات کو ایک حد تک دور کر دیا جو "قانون فطرت" کے مفروضے سے اسمتھ میں پیدا ہو گئے تھے، مان ٹسک اگرچہ تاریخی طریق سے جو کہ صحیح معنی میں عمرانی تحقیق کا موزوں طریق ہے، اُس زمانے میں واقف نہ تھا مگر بایں ہمہ بطریق استقرا نتائج اخذ کرتا تھا۔ یہ صحیح ہے جیسا کہ کونت لکھتا ہے کہ مان ٹسک نے مختلف قوموں کی مختلف تمدنی حالتوں کا مطالعہ کرکے اساسی واقعات فراہم کیے تھے اور چونکہ ان واقعات پر فلسفیانہ انتقاد نہیں کیا گیا تھا اس لیے وہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئے اور عمرانی تحقیق میں ان سے کسی قسم کا اضافہ بھی نہ ہوا، مان ٹسک کو جو امتیاز حاصل ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ اُس نے کوئی نیا قانون فطرت دریافت کیا بلکہ اس وجہ سے کہ اُس نے معاشری مظاہر کا قوانین فطرت کے تابع ہونا دریافت کیا، لیکن اسمتھ کے زمانے کے اکثر فلاسفہ اس چیز کو نظرانداز کرتے ہیں، اور مان ٹسک نے معاشری واقعات کو قوموں کے خاص خاص طبعی و اخلاقی

حالات کے لحاظ سے تاریخ وار دریافت کرنے کا جو طریق اختیار کیا تھا اُسی کی طرف زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ بقول لزلی، لارڈ کیمس، ڈال رمپل اور ملر (جو اسمتھ کے معاصر تھے اور موخر الذکر اسمتھ کا تلمیذ تھا) جن پر مان ٹسک کا اثر تھا اسی زمرے میں داخل ہیں، ان ناموں میں فرگوسن کا نام بھی اس لحاظ سے شامل کرنا مناسب ہے کہ فرگوسن اپنی ایک کتاب "تاریخ اجتماع"[۱] میں اس عالی دماغ فرانسیسی (مان ٹسک) کی بہت کچھ مدح سرائی اور توصیف کرتا ہے، بلکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، اسمتھ بھی ایک حد تک مان ٹسک سے متاثر ہوا اور اپنی اواخر عمر میں اس کی ایک تصنیف[۲] کی شرح کی تیاری میں مشغول تھا۔ 91

گویا اس طرح پر اسمتھ پر دو مختلف و متضاد فلسفوں کا اثر پڑا، یعنی ایک فلسفے کی بنیاد اُس مفروضہ قانون فطرت پر قائم تھی جس کا منشا انسانی بہبود تھا اور جو معاشی نظام کو عاقلانہ خود غرضی پر مبنی ہونے کے پُر امید خیال کی طرف رہبری کرتا تھا، اور دوسرا فلسفہ وہ تھا جس میں طریق استقرا پر عمل کیا جاتا تھا اور قوموں کے مختلف حالات کی، جو کہ واقعات یا آئین و قوانین کے نتائج کی حیثیت سے رونما ہوتے ہیں، تشریح کی جاتی تھی، چنانچہ اسمتھ کی تصنیف میں یہ دونوں طریقے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں یعنی ایک طرف تو استقرائی تحقیق سے کام لیا گیا ہے اور دوسری طرف لمیّ تحقیق ہے جو "فطرت" کے مفروضات پر مبنی ہے۔ مگر اسمتھ کے بعض متاخرین نے موخر الذکر طریق کو اختیار کرکے اُس کا استعمال ناواجب طریق پر کیا اور اس کے برعکس

۱؎ History of Civil Society

۲؎ Esprit des lois

استقرائی طریق کو بالکل پس پشت ڈال دیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ معاشی تحقیق میں استقرائی طریق کو بعض اوقات بالکل غیر ضروری اور فائدے سے خالی بھی سمجھا گیا۔

تصنیف اسمتھ کی ترتیب۔

بعضوں کی دانست میں اسمتھ کی کتاب اس قدر نامربوط اور بے ترتیب ہے کہ اس کو ایک مکمل تصنیف کہنے کی بجائے ایک سلسلۂ مضامین کہنا زیادہ مناسب ہوگا، اتنا تو بے شک صحیح ہے کہ کتاب میں باضابطہ ترتیب کا پورے طور پر خیال نہیں رکھا گیا ہے اور مباحث کو بابوں اور فصلوں پر باقاعدہ طور پر تقسیم نہیں کیا گیا ہے اور غالباً یہی سبب تھا کہ کتاب جو اصل میں کاروباری طبقے اور عوام کے فائدے اور ہدایت کی غرض سے تصنیف کی گئی تھی، قبول عام کا شرف حاصل کر سکی، لیکن کتاب کے مباحث میں شروع سے آخر تک اصول میں یکسانیت اور عام اتحاد خیال پایا جاتا ہے اور اس کو علوم میں پوری دستگاہ ہونے کی وجہ سے اس کا بیان تناقض سے مبرا ہے۔

92 کتاب اول۔

اسمتھ اس خیال سے ابتدا کرتا ہے کہ قوم کی سال بھر کی محنت وجفاکشی کی بدولت زندگی کے ضروریات اور آرام کی چیزیں مہیا ہوتی ہیں، گویا محنت ہی دولت کمانے کا اصلی ذریعہ ہے، اس سے اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ محنت ہی کو محض ایک عامل پیدائش ثابت کرے، بلکہ جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے، اس عامل پر شروع ہی میں خصوصیت کے ساتھ زور دینے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ تجارئین اور فطرآئینوں کے خیالات سے اپنی رائے کا اختلاف ظاہر کر دے، آدم اسمتھ اپنے عدیم المثال انداز میں اصول تقسیم عمل اور اس کی بنیاد کی تشریح و توجیہ کرتے ہوئے یہ خیالات ظاہر کرتا ہے کہ محنت

کی پیداآوری کی اصلاح وترقی کا مدار اکثر وبیشتر تقسیم عمل پر ہے، اس اصول پر بمقابلہ زراعت کے صنعت میں زیادہ وسیع پیمانے پر عمل کیا جا سکتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ معاشی ترقیات میں بمقابلہ صنعت کے زراعت بہت پسماندہ حالت میں ہے[1]۔

ایک شے کا دوسری شے سے مبادلہ یا ادل بدل کرنا انسانی فطرت کا رجحان ہے اور اسی رجحان سے تقسیم عمل کی ابتدا ہوتی ہے، لیکن تقسیم عمل اصل کی تھوڑی بہت فراہمی پر مشروط ہے اور وسیع تقسیم عمل کا دار ومدار بازار کی وسعت پر ہے۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ کاموں کی تقسیم عمل میں آنے کے بعد یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ قوم کا ہر فرد اپنی احتیاجیں رفع کرنے کی غرض سے دوسرے افراد سے مدد لے اور اس طرح پر ایک آلہ یا ذریعۂ مبادلہ کی ضرورت بتدریج محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ انجام کار زر کا رواج شروع ہو جاتا ہے، جب اشیاء کا ایک دوسرے سے یا زر سے مبادلہ شروع ہوتا ہے، قدر کا تصور رونما ہوتا ہے، چنانچہ قدر کے دو مفہوم ہیں ایک "افادہ" اور دوسرا "قوت خرید" گویا ایک کو "افادہ کی قدر" اور دوسرے کو "مبادلہ کی قدر" کہہ سکتے ہیں۔ اسمتھ یہاں پر افادے کی قدر کو اجمالاً بیان کر کے مبادلے کی قدر کی تفصیلی طور پر تشریح کرتا ہے۔ سوال کرتا ہے کہ قدر کا پیمانہ کیا ہے؟ اور ایک شے کے مبادلے میں دوسری شے دیجاتی ہے تو دوسری شے کی مقدار کس طرح متعین ومشخص کی جاتی ہے؟ اور خود ہی اس طرح جواب دیتا ہے کہ تمام قابل مبادلہ اشیاء کی قدر کا حقیقی پیمانہ محنت ہے اور محنت کی مساوی مقداریں

---

[1] اسمتھ اس مقام پر اُن خرابیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتا جو تقسیم عمل کی بہت ہی ترقی یافتہ صورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ملاحظہ ہو باب یکم حصۂ پنجم۔

مزدور کے نزدیک ہر وقت اور ہر جگہ مساوی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔[ا]
اسی لیے محنت ہی (جس کی قدر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی) وہ حقیقی 93
معیار ہے جس سے تمام اشیاء کی قدر کا ہر وقت اور ہر جگہ مقابلہ و
موازنہ کیا جاسکتا ہے، گویا محنت اشیا کی قیمت صحیحہ ہے اور
زر محض اُن اشیاء کی قیمت متعارفہ ہے، بایں ہمہ معمولی کاروبار
میں پیمانۂ قیمت اور آلۂ مبادلہ زر ہے، اور زر کے مقصد کو
پورا کرنے کے لیے قیمتی فلزات اس لیے سب سے زیادہ
موزونیت رکھتے ہیں کہ وہ دیرپا ہیں اور اُن کی قدر و قیمت میں
ایک معتدل زمانے تک تبدیلی نہیں ہوتی، مگر طویل زمانے
میں اشیاء کی قیمتوں کے تغیرات معلوم کرنے کے لیے بہتر
معیار غلّہ ہے۔ اور معاشرتی ترقی کے اوّلین دور میں کسی شے
کی قدر مبادلہ کے قائم کرنے کے لیے سوائے اُس محنت
کے جو اُس شے کی تیاری میں صرف ہوتی تھی کسی اور چیز کا لحاظ
ہمیں نہ کرنا چاہیے۔ لیکن ترقی یافتہ متمدن زمانے میں قیمت
ایک مرکب شے ہے اور علی العموم تین اجزا پر مشتمل ہوتی ہے یعنی
اُس میں اجرت، نفع اور لگان شامل ہیں" اجرت محنت کا معاوضہ
ہے اور منافع اس شخص کو ملتا ہے جو اصل فراہم کرتا، مزدوروں
کو اجرت اور اشیائے خام دے کر چیزیں تیار کرواتا ہے اور پھر
ان چیزوں کو اصلی لاگت سے زیادہ داموں پر فروخت کرکے
ماحصل زائد بطور منافع کے خود سمیٹ لیتا ہے، ملک کی تمام

[ا] اگر بہ نظر تعمق دیکھا جائے تو اس جملے سے کچھ بھی مطلب نہیں نکلتا اُس سے علمائے مابعد الطبیعیات کے طرز خیالات کا پتا چلتا ہے کہ یہ علما معاشی تصورات کو کس طرح مبہم بنا دیتے تھے؟ مقدار محنت سے مراد کیا ہے اور کس قسم کی محنت مراد ہے کچھ بھی وضاحت نہیں کی گئی ہے اور "مساوی قدر و قیمت" بھی ایک مبہم اور مہمل سی اصطلاح ہے ۱۲۔

زمینیں جوں ہی افراد کی خانگی ملک میں آجاتی ہیں، اُن سے لگان وصول ہونے لگتا ہے۔ تمام انسانوں کے مثل زمینداروں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ روپیہ صرف کیے بغیر نفع حاصل کریں بلکہ قدرتی پیداوار سے بھی لگان وصول کرنے کی توقع رکھتے ہیں، اس طرح ترقی یافتہ ملکوں میں اشیا کی قیمت کے بڑے جزو یہی تین چیزیں اجرت، لگان اور منافع ہوتے ہیں، ہر اُس ملک اور خطے میں کہ جہاں محنت و اصل مختلف کاموں میں لگائے جاتے ہیں، اجرت اور منافع کی ایک معمولی اوسط شرح ہوا کرتی ہے (یہ شرح کیونکر قرار پاتی ہے اُس کی تشریح عنقریب کی جائے گی) اسی طرح لگان کی بھی ایک معمولی اوسط شرح ہوتی ہے، جہاں اور جس وقت یہ شرحیں رائج ہوں وہاں انہیں اصلی قدرتی شرح کہا جائے گا، ایک شے کی اصلی قیمت میں زمین کا لگان، مزدوروں کی اجرت اور اُس اصل کا منافع شامل ہوتا ہے جو شے کو تیار کرکے بازار تک لانے میں صرف ہو، اصلی قیمت اور بازاری قیمت میں یہ فرق ہے کہ موخر الذکر گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور اس کا انحصار محض رسد و مقدار اشیاء پر
96 ہی نہیں ہوتا بلکہ اُس شے کے خواہشمندوں اور طلب کرنے والوں کی طلب پر ہوتا ہے گویا اصلی قیمت کو ایک مرکز کہنا چاہیے جس کے اردگرد بازاری قیمت گھومتی رہتی ہے جس وقت اشیا اجارے پر تیار کئے جاتے ہیں، خواہ یہ خصوصیت کسی مقامی سہولت کی بنا پر حاصل ہو یا قانوناً بطور خاص حق کے حاصل کی گئی ہو ہر دو صورتوں میں ایسے اشیاء کی قیمت ہمیشہ اعلیٰ ہوگی اور دوسرے اشیا کی قیمت جو معمولی طریقے پر تیار کئے جاتے ہیں بالعموم کم ہوگی۔ قیمت کے تینوں اجزا یا عاملین ملک کے حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، شرح اجرت کا تعین

آجر و مزدور کی باہمی گفتگو اور دونوں کے متضاد اغراض کی کشمکش سے ہوتا ہے، اجرت کی اقل شرح اس بنا پر قرار پاتی ہے کہ اجرت کم از کم اتنی ہونی چاہیے کہ اس سے مزدور اپنے اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کر سکے۔ اس سے زاید اجرت کا دار و مدار ملک کے حالات پر اور مزدوروں کی مانگ پر ہوتا ہے، قومی دولت میں جب توفیر ہوتی ہے، مزدوروں کی اجرت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جس وقت قومی دولت میں تخفیف ہوتی ہے، اجرت میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ منافع کے اضافے اور تخفیف کا انحصار بھی اسی قسم کے حالات پر مگر برعکس طریقے سے ہوتا ہے، اضافۂ اصل سے اجرت میں تو اضافہ ہو جاتا ہے مگر اصلداروں کی باہمی مسابقت کی وجہ سے منافع میں کمی ہو جاتی ہے، کسی ایک مقام میں مختلف پیشوں کے فوائد و نقصانات میں یا تو کامل مساوات ہونا ضروری ہے یا علی التسلسل مساوات کی طرف رجحان ہونا چاہیے، اگر ایک پیشے کے فوائد دوسرے پیشے کی نسبت زائد ہوں تو لوگ فائدہ مند پیشے کی طرف مائل ہوں گے اور اس طرح سے پھر سب میں مساوات قائم ہو جائے گی، پھر بھی اجرت متعارفہ اور منافعے مختلف پیشوں میں مختلف پائے جاتے ہیں، اس اختلاف کا باعث یا تو بعض ایسے حالات ہوتے ہیں جن کا پیشوں پر اثر پڑتا ہے اور جن کی بنا پر لوگ پیشوں کو پسند اور ناپسند کرتے ہیں یا قومی حکمت عملی اس کا موجب ہوتی ہے جس کی قید و بند سے کوئی شے آزاد نہیں رہ سکتی، یہاں پہنچ کر اسمتھ نہایت عمدگی کے ساتھ اُن اسباب کی تشریح کرتا ہے جن کی بنا پر مختلف مقامات کے اجرت و منافع میں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے عدم مساوات پیدا ہوتی ہے، اُس کے الفاظ سے اسمتھ کی اس خصوصیت کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ انسانی فطرت کے مبہم خصوصیات پر بھی نظرِ غائر

ڈالتا ہے اور ان حالات اور اجتماعی آئین و قوانین کا مطالعہ کرتا ہے
جو معاشی واقعات پر اثر ڈالتے ہیں، اس کے بعد اسمتھ قیمت کے 95
آخری جز و یعنی لگان پر یوں بحث کرتا ہے:۔ لگان ایک قیمت اجارہ ہے
جو زمیندار اپنی مرضی کے مطابق وصول نہیں کر سکتا بلکہ جو
کاشتکار دینا گوارا کر سکتا ہے زمین کی پیداوار کا وہی حصہ علی العموم
بازار میں لایا جا سکتا ہے جس کی معمولی قیمت سے ایک تو
معمولی نفع وصول ہو اور دوسرے اس اصل کی پا بجائی ہو جو
اس کی پیدائش میں صرف ہوا اگر معمولی قیمت ان مصارف سے
زائد ہو تو ما حصل زائد زمین کا لگان شمار کیا جائے گا۔ اگر زیادہ
نہ ہو تو پیداوار کو بازار میں فروخت کرنے کے باوجود زمیندار کو کوئی
لگان وصول نہیں ہوگا، قیمت کے اضافے یا تخفیف کا دارومدار
پیداوار کی طلب پر ہے" اسی لیے لگان پیداوار کی قیمت میں
شامل تو ہوتا ہے مگر اجرت اور منافع سے مختلف طریقے پر یعنی
اجرت و منافع کا اضافہ یا تخفیف قیمت کے اضافے یا تخفیف
کا باعث ہے، مگر لگان کا اضافہ یا تخفیف قیمت کے اضافے یا تخفیف کا نتیجہ ہے۔

لگان، اجرت اور منافع جس طرح قیمت کے عناصر ہیں
اسی طرح آمدنی کے بھی اجزائے ترکیبی ہیں، چنانچہ ہر متمدن قوم
تین جماعتوں یعنی زمیندار، مزدور اور اصلداروں پر منقسم ہوتی ہے
انھیں جماعتوں کی آمدنی سے دوسرے سب پیشے والے اپنا اپنا
حصہ پاتے ہیں، پوری قوم کے اغراض سے ان تینوں جماعتوں
کے اغراض مختلف طریقوں پر وابستہ ہوتے ہیں، زمیندار کا
مفاد عام مفاد کے ہمیشہ ہم آہنگ ہوتا ہے، جو چیز ایک کو نقصان
یا فائدہ پہنچاتی ہے وہی دوسرے کو بھی نقصان یا فائدہ پہنچاتی
ہے، علیٰ ہذا مزدور کے اغراض کا بھی یہی حال ہے یعنی جب قومی
دولت میں اضافہ ہوتا ہے مزدور کی اجرت بھی زیادہ ہو جاتی ہے

اور جب قومی دولت میں کوئی تبدل و تغیر نہیں ہوتا یا کمی واقع ہوتی ہے، اجرت بھی ایک ہی حالت پر قائم رہتی ہے یا گھٹ جاتی ہے، رہی تیسری جماعت تو اس کے اغراض کا تعلق قومی اغراض سے ویسا نہیں ہے جیسا کہ مذکور القدر دونوں جماعتوں کا ہے اصلداروں کے اغراض عوام کے اغراض سے ہمیشہ مختلف بلکہ متضاد ہوتے ہیں

کتاب دوم۔ دوسری کتاب میں "دولت کی نوعیت، اس کی فراہمی اور ترقی" پر بحث کی گئی ہے، اس میں ایک شخص کی کل دولت کے دو حصے کیے گئے ہیں، ایک حصہ وہ جو اس شخص کے فوری صرف میں آئے اور دوسرا وہ جو اس طرح پر صرف کیا جائے کہ اس سے مالک کو آمدنی حاصل ہو، دوسری قسم کی دولت کو، جسے اصل میں اس شخص کا اصل کہنا چاہیے، دو حصوں میں یعنی اصل قائم و اصل دائر میں تقسیم کیا گیا ہے

96 اصل قائم سے ایسا اصل مراد لیا گیا ہے جس سے دوسرے کے ہاتھوں میں جانے کے بغیر منافع وصول ہو، اور ایسے اشیائے خام کو یا مصنوعات کو یا خریدی ہوئی چیزوں کو جو منافع پر فروخت کیجاتی ہیں اور دوسروں کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، اصل دائر کہا گیا ہے، کہ گویا یہ اصل ہمیشہ مالک کے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے، قوم کا کل اصل بھی اسی طرح دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اصل قائم حسب ذیل اشیاء پر مشتمل ہے (۱) مشینیں (۲) عمارتیں جن سے کرایہ وصول ہوتا ہے (۳) آلات کشاورزی وغیرہ (۴) تمام افراد کی اکتسابی تعلیم و تربیت و قابلیت (اس کو بعض اوقات "ذاتی اصل" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے) اصل دائر کو بھی چار ہی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے :- (۱) زر (۲) اشیائے خام (۳) صناع یا تاجر کے پاس جو مال تیار شدہ ہے (۴) سامان از قسم جنس جو خرید اجائے، اسکے بعد

قومی آمدنی کی دو قسمیں کی گئی ہیں:- آمدنی قائم جس سے ملک کی زمین اور محنت کی مجموعی پیداوار مراد ہے اور آمدنی خالص جس سے مراد وہ آمدنی جو اوّل الذکر میں سے اصل قائم کے قیام کے اخراجات کو اور اصل دائر بشکل زر کو منہا کرنے کے بعد باقی بچے، زر کو ایک بڑا پہیا قرار دیا ہے جو گردش کرتا رہتا ہے مگر ان چیزوں سے کلیۃً مختلف ہے جو اس کے ذریعے اور مدد سے گردش کرتی ہیں، گویا زر ایک قیمتی آلہ ہے کہ اس کے ذریعے سے ہر فرد کو اس کا حصہ تقسیم ہوتا ہے، چنانچہ زر کے مہیا کرنے اور اس کے برقرار رکھنے میں جو اخراجات لاحق ہوتے ہیں وہ قوم کی خالص آمدنی میں کمی کر دیتے ہیں۔ اس موضوع پر بحث کرتے کرتے اسمتھ اُن منافع کی تشریح کرتا ہے جو کہ قوم کو فلزی سکوں کے استعمال کے عوض کاغذی سکوں کے استعمال سے حاصل ہوتا ہے اور مثلاً نقرہ وطلا کے استعمال کو ایک ایسی شاہراہ سے تشبیہ دیتا ہے جو کہ زمین پر بنائی گئی ہو اور زر کاغذی کے استعمال کو ایک ہوائی راستے سے تشبیہ دیتا ہے، فراہمی اصل کے سوال پر پہنچ کر پیدا آور اور غیر پیدا آور محنت کی بحث شروع کرتا ہے، وہ پیدا آور محنت سے ایسی محنت مراد لیتا ہے جو کسی قابل فروخت اور مادی شے کی تیاری میں صرف ہو مثلاً کارخانے میں کام کرنے والے مزدوروں کی محنت پیدا آور ہے اور غیر پیدا آور محنت سے اس سے برعکس مراد لیتا ہے مثلاً گھریلو ملازم کی محنت غیر پیدا آور ہے، اس طرح پر اُس کے نزدیک ایک قسم کی محنت تو وہ جس سے مادی اشیاء تیار ہوں یا جو مادی اشیاء کی قدر میں اضافہ کرتی ہو اور دوسری قسم سے مراد محض خدمات ہیں، وہ اوّل الذکر کو پیدا آور اور موخر الذکر کو غیر پیدا آور قرار دیتا ہے، اُس کا نقطۂ نظریہ ہے کہ محنت کا مفید ہونا ہی محض اُس کے پیدا آور ہونے کی دلیل

97

نہیں ہو سکتا کیونکہ بقول اُس کے اگرچہ سپاہی، پادری، وکیل، مصنّف اور طبیب کے خدمات مفید ہیں مگر پھر بھی وہ غیر پیداآور ہیں، پیداآور مزدور کو اصل سے اجرت دی جاتی ہے اور غیر پیداآور مزدوروں کو یا اُن لوگوں کو جو محنت ہی نہیں کرتے محاصل سے حصّہ دیا جاتا ہے۔ اسمتھ اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ ترقی پذیر صنعت گر قوموں کی سالانہ مجموعی پیداوار میں بہ مقابلہ محاصل کے (جسمیں منافع اور لگان بھی شامل ہے) اصل کی مجموعی مقدار زائد ہوتی ہے اور اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے، کفایت شعاری اضافۂ اصل کی اوّلین شرط ہے، چنانچہ مزدوروں کی اجرت کے لیے جو فنڈ رکھا جاتا ہے اُس میں زیادتی کر کے وہ صنعتی کاروبار کی مقدار میں اضافہ کر دیتی ہے جس کی بنا پر سالانہ آمدنی میں توفیر ہوتی ہے۔ سالانہ جو کچھ رقم پس انداز ہوتی ہے وہ اسی طرح صرف ہوتی ہے جس طرح وہ جو پس انداز نہ کی گئی ہو۔ لیکن ان کو صرف میں لانے والے دو مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن کی محنت پیداآور ہے اور جو محنت کر کے اپنی اجرت سے زیادہ مالیت کا سامان تیار کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو کاہل ہیں اور جن کی محنت غیر پیداآور ہے۔ مُسرف اپنے اصل کا اسراف کر کے اپنی حد تک پیداآور مزدوروں کی تعداد میں کمی اور اس طرح ملک کی دولت میں کمی کر دیتا ہے۔ اگر مُسرف رقم کو بدیسی مال خریدنے کے بجائے دیسی سامان کے خریدنے میں بھی صرف کرے تب بھی اس کا نتیجہ وہی ہوگا۔ اس لحاظ سے ہر مُسرف عوام کا دشمن ہے اور ہر کفایت شعار عوام کا بہی خواہ اور دوست ہے۔

زمین و محنت کی سالانہ پیداوار میں اضافہ کرنے کا طریقہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ یا تو پیداآور مزدوروں کی تعداد میں اضافہ

کیا جائے یا ان مزدوروں کی پیدا آور قوتوں میں اضافہ کیا جائے۔
ہر دو صورتوں میں زائد اصل درکار ہوگا، پہلی صورت میں تو
جدید مزدوروں کی اجرت کے لیئے اور دوسری صورت میں جدید
کلوں کی فراہمی کے لیئے۔ یا اس لیئے کہ آجر زیادہ مکمل طریقے
سے تقسیم عمل کا انتظام کر سکے، قرض خواہ کو جو قرضہ درکار ہوتا
ہے وہ در اصل زر نہیں ہوتا بلکہ اُس کی قیمت کے اشیاء قرضخواہ
کو مطلوب ہوتے ہیں، چنانچہ مُلک میں محنت و اصل کی جو سالانہ
پیداوار ہوتی ہے اسی کے کچھ حصّے کے حاصل کرنے کا حق
قرض دہندہ قرض گیر کو دے دیتا ہے، جوں جوں مُلک کے
مجموعی اصل میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اصل کے اس
خاص جزو میں بھی اضافہ ہوتا ہے جس کو اُس کے مالک بذاتِ خود 98
کام میں لگائے بغیر آمدنی کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں، اور جوں جوں
اصل کی مقدار میں جو بطور قرض دیا جاتا ہے زیادتی ہوتی جاتی
ہے، سود میں تخفیف ہو جاتی ہے، اس کا سبب صرف یہی نہیں
ہے جس کی بنا پر عموماً اشیاء کی بازاری قیمت بوجہ اُن کی مقدار
میں اضافہ ہونے کے گھٹ جاتی ہے، بلکہ اس کا سبب یہ بھی
ہے کہ اضافۂ اصل کی وجہ سے ملک میں کسی زائد اصل کو فائدہ مند
طریقے سے لگانے کی دقت میں بتدریج زیادتی ہوتی جاتی ہے
یعنی اسی بنا پر مختلف اصلداروں میں مقابلہ شروع ہوتا ہے اور
شرح منافع میں تخفیف ہو جاتی ہے جس سے اصل کی قیمت یا
بالفاظ دیگر شرح سود کی تخفیف لازمی ہے۔ اس سے قبل غلطی
سے یہ فرض کر لیا گیا تھا اور لاک اور مان ٹسک بھی اس غلط فہمی
میں رہے کہ یورپ میں شرح سود کی مستقل تخفیف کا اصلی
باعث فلزات کی قیمت کی تخفیف ہے جو امریکی معدنیات
کی دریافت کے بعد رونما ہوئی، لیکن یہ خیال جس کی ہیوم تردید

کر چکا ہے بالکل غلط معلوم ہوتا ہے " بعض ممالک میں سود کا لین دین قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے لیکن جس طرح ہر جگہ زر کے صرف و استعمال سے کچھ رقم کمائی جاسکتی ہے اُسی طرح ہوتا یہ چاہیئے کہ ہر جگہ زر کے استعمال کے عوض میں بھی کچھ رقم ادا کی جائے " اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کا کچھ معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے، امتناعی احکام قرض دہندے کو خطرے میں ڈال کر ربا کی خرابی کو اور بڑھا دیتے ہیں، قانونی شرح کمتر بن بازاری شرح سے کسی قدر اوپر ہونی چاہیئے۔ اس حالت میں کفایت شعار لوگوں کو بحیثیت قرض گیروں کے مسرفوں اور منصوبہ باندھنے والوں پر ترجیح ہوگی۔ اگر قانونی شرح بہت زیادہ ہوئی تو آخر الذکر طبقہ شرح اعلیٰ کی ادائی پر رضامند ہو کر کفایت شعار لوگوں پر سبقت لے جائیگا۔ جب اصل کی مساوی مقدار سے مختلف کام شروع کیئے جاتے ہیں تو مختلف کاموں میں مختلف تعداد مزدوروں کی درکار ہوگی، یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر کام میں مزدوروں کی تعداد بھی مساوی ہو۔ مثلاً (۱) زرعی کام، کان کنی اور ماہی گیری (۲) مصنوعات کی تیاری (۳) تھوک فروشی (۴) خوردہ فروشی مختلف کام ہیں۔ ان میں اگر اصل کی مساوی مقدار لگائی جائے تو ہر کام میں مزدوروں کی تعداد کا مساوی ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً زراعت میں انسان ہی محنت نہیں کرتا بلکہ قدرت بھی اُس کی شریک کار ہوتی ہے۔ کاشتکار کو، جو اصل زمین میں لگاتا ہے اُس کی پیداوار سے صرف منافع ہی نہیں ملتا بلکہ اس میں سے زمیندار کا لگان بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ پس اصل کی یہ مشغولیت قوم کو سب سے زیادہ نفع پہنچاتی ہے، زراعت کے بعد مصنوعات کا درجہ ہے، پھر تھوک فروشی کا (یعنی پہلے تو تجارت داخلہ اور اس کے بعد تجارت خارجہ) اور سب سے آخر تجارت نقل و حمل کا درجہ ہے۔ بہر حال یہ تمام کام

جن میں اصل لگایا جاتا ہے محض منفعت بخش ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہیں، اور اگر انھیں افراد کی آزادانہ کوششوں پر چھوڑ دیا جائے تو خود بخود رائج ہو جائیں گے اور ترقی کریں گے۔

ان پہلی دو کتابوں میں اسمتھ نے عام معاشیات کا خاکہ پیش کیا ہے۔ اور جہاں تک اختصار ممکن تھا، ہم نے بھی اُن کو بیان کر دیا۔ کیونکہ اُسی نظریے کی ترتیب سے انگلستان کے قدیم معتبر مسلک کی ابتدا ہوتی ہے اور یہی نظریہ آجکل مختلف ممالک میں بڑی حد تک بحث مباحثہ کا مرکز بنا ہوا ہے، اسمتھ کے نظریے پر اُس کے متاخرین نے جو کچھ تنقید و ترمیم کی ہے اس کا حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

کتاب سوم

اٹھارھویں صدی کے تنقید نگار فلاسفہ بالعموم تاریخی مذاق نہیں رکھتے تھے، اور جو کچھ زبردست معاشری خدمات انھوں نے انجام دیئے ان میں اس مذاق کو کوئی دخل نہ تھا، لیکن ان میں سے صرف بعض اور خصوصاً اسکاٹلینڈ کے فلاسفہ نے قدرتاً تاریخ کے مطالعے سے خاص شغف ظاہر کیا، چنانچہ اسمتھ بھی اسی زمرے میں سے تھا۔ کنیز اور دیگر مصنفین نے "دولت اقوام" کے اس قسم کی استادانہ بحثوں سے اسمتھ کے طبعی تاریخی مذاق کو ثابت کیا ہے، اس قسم کی اکثر طویل اور دقیق تاریخی بحثیں تیسری کتاب میں ہیں، مختلف صنعتی شعبوں کی نشو و ترقی میں موجودہ یوروپ کی قوموں نے جو حصہ لیا اس کتاب میں اُس پر تاریخ وار تبصرہ کیا گیا ہے۔ تاریخی تحقیق کے نتائج پہلے سے اُصول پر راسخ اعتقاد رکھنے کی وجہ سے جس طرح مبہم ہو جاتے ہیں، یہ کتاب اُس کی عجیب و غریب مثال بہم پہنچاتی ہے۔ اگرچہ اسمتھ یوروپ کی صنعتی تحریک اور اس کے معاشری اسباب کی صحت کے ساتھ تشریح و توجیہ

کرتا ہے لیکن مجرد اصولوں کی پابندی کی بنا پر جو بعض اوقات اُسکے فلسفے پر بدنما داغ معلوم ہوتے ہیں، اس تحریک کی اس وجہ سے مخالفت کرتا ہے کہ اس سے "فطرتی نظام اشیاء" درہم وبرہم ہوجاتا ہے۔ اُس کی دانست میں پہلے زراعت کا درجہ ہے اسکے بعد صنعت کا اور سب سے آخر میں تجارت خارجہ کا۔ اس کے ماسوا کسی اور سلسلے کو "غیر فطری اور ترقی معکوس" قرار دیتا ہے۔ ہیوم جو اس سے بڑھ کر ایجابی فلسفی تھا، محض واقعات پر نظر ڈالتا ہے، اُن کو تسلیم کرتا اور پھر اُن کو ایک عام قانون کے تحت ترتیب دیتا ہے۔ ہیوم لکھتا ہے کہ "مزدور اور اُس کے
100 اہل وعیال کی گذر اوقات کے لئے جو کچھ پیداوار درکار ہے مزدور کو اس سے زیادہ پیدا کرنے کے لئے مجبور کرنا ایک نازیبا اور بے رحمانہ حرکت ہے اور اکثر صورتوں میں ناقابل عمل طریقہ ہے، مزدور کو مصنوعات اور اشیاء کی سربراہی کرو تو وہ بذات خود اتنی پیداوار حاصل کر لے گا۔" صفحات تاریخ پر نظر ڈالو تو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ اکثر قوموں میں تجارت خارجہ مُلک کے مصنوعات کی عمدگی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور تعیشات کا رواج اور استعمال اسی کے سبب سے مُلک میں پھیلا۔"

کتاب چہارم

کتاب چہارم میں زیادہ تر نظام تجاریت کے خلاف ایک جامع اور بلیغ بحث کی گئی ہے جس کا بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ نظام تجاریت علوم کے دائرے سے خارج ہو گیا۔ اس بحث کا معاشی قوانین کی وضع پر بہت بڑا اثر پڑا۔ چنانچہ آج کل جو وجوہ آزادئ تجارت کی وکالت میں پیش کیئے جاتے ہیں وہ ان وجوہ سے مختلف ہیں جو

آدم اسمتھ سے قبل بتائے جاتے تھے، آدم اسمتھ کا خیال تھا کہ برطانیۂ عظمیٰ میں تجارتی آزادی کو از سر نو قائم کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ اس میں مدینۂ فاضلہ[1] اور عبقریہ[2] کے قیام کی توقع رکھنا، تاہم یہ زیادہ تر اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ تجارتی آزادی کے حصول میں کامیابی ہوئی۔ موجودہ زمانے کے کسی مصنّف نے بالکل سچ کہا ہے کہ اگر اسمتھ کا سنجیدہ استدلال اصول پرستی سے مبدّل نہ کیا جاتا تو دوسری سب قومیں آزاد تجارت کو عام طور پر تسلیم کر لیتیں۔ اسمتھ کے تعلیمات آزاد تجارت کے متعلق غیر مشروط نہیں ہیں بلکہ ہر قسم کے مبادلات کے بارے میں جن میں صرف معاشی اغراض کی بنا پر عمل ہوتا ہے وہ بحیثیت مجموعی آزادی کو پسند کرتا ہے، پھر بھی وہ سیاسی اور معاشی ہر دو اغراض کا لحاظ کرتا ہے اور اس بناء پر کہ "مدافعت تموّل سے زیادہ اہم ہے" وہ کرامول کے قانون جہازرانی کو انگلستان کے جملہ تجارتی قوانین میں سب سے زیادہ عاقلانہ خیال کرتا ہے۔ وہ اون کی برآمد کی ممانعت کا مخالف ہے، اس کی دانست میں اون کے پیدا کرنے والوں کے حق میں برآمد پر محصول عائد کرنا بہ نسبت قطعی ممانعت کے کم نقصان رساں ہے اور محصول لگانے سے بمقابلہ دوسرے ممالک کے صنّاعوں کے ملک کے صنّاعوں کو زیادہ فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے، غالباً یہی سب سے بیّن مثال ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اصول کی سخت پیروی سے قدرے انحراف کیا اور عوام کی اصلاح کو مدّنظر رکھ کر اُن کے فائدے کی غرض سے اس قسم کی تجویز پیش کی،

[1] Utopia

[2] Oceana.

101 بیرونی حکومتوں کے سخت محصولات و امتناعات کو منسوخ کرانے کے لئے اپنے یہاں بھی اس قسم کے قیود بطور انتقام عائد کرنا اس کے نزدیک ایک ایسا فعل ہے جو محض حصول مقصد کی کامیابی کے امکان پر مبنی ہے۔ لیکن وہ اس پر عمل کرنے سے اظہار تنفّر کرتا ہے اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ جب بڑے بڑے محصولات تامین کی بدولت ملک کی صنعت خاصی ترقی کرلے تو ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ بتدریج اور نہایت غور و احتیاط کے ساتھ صنعت پر سے محصولات اٹھائے جائیں ورنہ فوری تنسیخ سے خرابیاں پیدا ہوں گی اگرچہ ان خرابیوں کو بقول اس کے مبالغے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ جے ایس مل نے جس خاص صورت میں تامین کو روا رکھا (یعنی ایسی حالت جس میں ملکی صنعت کی ترقی بیرونی صناعوں کی اکتسابی فوقیت کی وجہ سے رکی ہوئی ہو) اس کا تذکرہ اسمتھ نے کیا ہے، لیکن اس استثنا کو تسلیم کرنے کا اسمتھ جن وجوہ سے مخالف ہے، وہ قطعی اور صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ مگر اسمتھ سرمایۂ مشترک والی ایسی کمپنیوں کو رعایتاً عارضی طور پر اجارہ دینے کا موئد ہے جو پُرخطر کاروبار کا بیڑا اٹھاتی ہیں اور جن سے آئندہ چل کر عوام کو فائدہ پہنچنے کی امید ہوتی ہے۔ اس طرح اس کی پہلی مخالفت اور دوسری

---

۱۰۵ یہ بات ہمیشہ ذہن نشیں رکھنی چاہیئے کہ اگر حکومت اس قسم کا تامینی اصول اختیار کرے گی تو حسب ذیل تین قسم کی خرابیوں کی ذمہ دار ہوگی (۱) محض سیاسی اثرات کے ذریعے سے ایسی صنعتوں کی حوصلہ افزائی حاصل کرنا جو بغیر سہارے کے صحیح طور سے چل نہیں سکتیں (۲) سرکاری امداد کا اس مدت سے تجاوز کرنا جو صنعت کو اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونے کیلئے درکار ہو (۳) دوسری قوموں میں اس انتقامی جذبے کا مشتعل ہونا کہ وہ بیرونی اشیا کی درآمد کو روکیں۔

موافقت میں تضاد پایا جاتا ہے۔

کتاب پنجم۔ اسمتھ نے اپنی کتاب پنجم میں "فرماں روا یا جمہور
کے مصارف" پر بحث کی ہے، لیکن اپنے
نظریۂ عدم مداخلت میں بہت زیادہ مطلق رائے کا اظہار نہیں
کرتا، یہ تو تسلیم کرتا ہے کہ محکمۂ ترقیات عامہ اور رفاہ عام کے
اداروں کا تعمیر کرنا اور قائم کرنا حکومت کے فرائض میں داخل ہے اور
یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ یہ قوم کے لیئے مفید ہیں لیکن ان سے
کوئی مادی آمدنی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیئے افراد پر یا افراد کی
چھوٹی جماعتوں پر ان کا بار ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ وہ مؤرخانہ
انداز میں بجا طور سے یہ رائے زنی کرتا ہے کہ ان فرائض کی
انجام دہی کے لیئے قوم کی مختلف حالتوں میں مختلف اخراجات
لاحق ہوتے ہیں، وہ حفاظت عامہ، نظم و نسق عدالت اور تجارتی
محکموں کے ساتھ ساتھ قوم کی تعلیم و تربیت کے انتظام کے لیئے 102
محکمۂ تعلیمات کا قیام بھی ضروری سمجھتا ہے، وہ رائے ظاہر کرتا
ہے کہ اگر حکومت ابتدائی تعلیم کے لیئے لوگوں کی حوصلہ افزائی
ہی نہ کرے اور اُن کے لیئے آسانیاں ہی پیدا نہ کرے بلکہ
جبری تعلیم کا انتظام بھی کرے تو اُس کا یہ فعل نہایت درست
ہوگا۔ ابتدائی تعلیم کو پھیلانے کی غرض سے یہ تجویز پیش کرتا
ہے کہ "قبل اس کے کہ کوئی شخص مجلس تجارت کی رکنیت حاصل
کرے یا کسی گاؤں یا شہر میں تجارتی کاروبار شروع کرنے کی
اجازت حاصل کرے" اُس کے لیئے آزمائشی امتحان کی شرکت
لازمی قرار دی جائے، اسی طرح اگر کوئی شخص آزاد پیشہ اختیار کرنا
یا کسی معزز عہدے کا امیدوار بننا چاہے تو اُس پر اعلیٰ اور
دقیق طلب علوم کی تحصیل اور کارآموزی کی شرط لگائی جائے۔
اُس کی دانست میں اگر مذہبی تعلیم اور عام تعلیم کے اخراجات

قومی خزانے سے ادا کیے جائیں تو نا واجب نہ ہوگا، اگرچہ بادی النظر میں یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ جو لوگ ایسی تعلیم یا تربیت کو ضروری سمجھتے ہوں انھیں کی خوشی سے چندے وصول کر کے اس کام میں لگائے جاویں، کتاب پنجم میں بہت سی باتیں صحیح، دلچسپ اور سبق آموز ہیں جن سے اسمتھ کی سیاست دانی اور اس کی وسعت نظر کا ثبوت ملتا ہے اور انھیں کی بنا پر مانچسٹر اسکول کے مقابلے میں اُس کے خیالات کو ترجیح دی جاتی ہے لیکن اگر یہ کہنا اس فاضل کی شان میں گستاخی نہیں ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں بہت سی ایسی چیزیں بھی پائی جاتی ہیں جو اُن لوگوں سے منسوب کی جاتی ہیں جو فنون لطیفہ اور شاعری کے مقاصد کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ان چیزوں کا پایا جانا نتیجہ تھا اسمتھ کی ذاتی کمزوریوں کا۔ اس کے علاوہ اسمیں مذہب کے اعلیٰ مقاصد اور اُس کی دائمی اہمیت سے بھی غفلت کے آثار پائے جاتے ہیں، اس کی وجہ زیادہ تر اُس دور کے اثرات تھے جبکہ اعتقادی مذاق ایک ناگزیر کام انجام دے رہا تھا اور جب کہ عارضی کے مستقل کے ساتھ مخلوط ہوجانے کا امکان تھا۔

حکومتوں کے فرائض کے متعلق اسمتھ کے جو خیالات تھے اُن کا مجموعی حیثیت سے مطالعہ کرنے کی غرض سے ہم نے اُس کے فطرآئینی نظام کی بحث کو جو کتاب چہارم کا ایک جزو ہے اسی موقع کے لیئے ملتوی کر دیا تھا۔ اسمتھ اپنے زمانۂ قیام فرانس ۱۷۶۵ء میں کوئینے، ترگو اور اس فرقے کے
103 دوسرے ارکان سے روشناس ہوگیا تھا اور جیسا کہ خود اُس نے ڈیوگلڈ اسٹورٹ سے کہا کہ اُس کا ارادہ تھا کہ اگر فطرآئین کا بانی زندہ رہتا تو وہ اُس کے نام سے اپنی کتاب "دولت اقوام" کو معنون

کرتا۔ اسمتھ لکھتا ہے کہ نظام کو گینے باوجود اپنے نقائص کے "غالباً جملہ معاشی نظاموں میں سب سے زیادہ حقیقت سے قریب ہے" تاہم اسمتھ اس امر سے کافی طور پر باخبر نہیں معلوم ہوتا کہ اُس کے اور فطر آئینوں کے اُصول میں کس درجہ تطابق ہے۔ ڈیو پون دی نیمورؔ اس بات کا شاکی ہے اور اس کو صریحی ناانصافی خیال کرتا ہے کہ اسمتھ نے کوئینے کو اپنا پدرِ معنوی تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ پھر بھی دوسری جانب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسمتھ سنہ ۱۷۵۲ء میں بحیثیت پروفیسر کے اُنھیں معاشی قوانین کا درس دیتا رہا جس کو خود اُس نے اپنی مشہور تصنیف میں پیش کیا' یہ کہنے والا حقیقت میں اسٹورٹ ہے' اُس نے اگرچہ اس کی کوئی دلیل نہیں پیش کی' لیکن ممکن ہے کہ اُس کا بیان بالکل صحیح ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو اُصولی لحاظ سے اسمتھ کا سلسلہ فرانسیسی فرقے سے نہیں بلکہ ہیوم سے جا کر ملتا ہے۔

فطر آئینی فرقے کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے محض زرعی مزدوروں کی محنت کو پیدا آور قرار دیا۔ اسمتھ کتاب چہارم میں اس کی تردید کرتا ہے گو اس تردید کا طریقہ موثر نہیں۔ اس فرقے کے غلط خیالات کا اثر اُس کی کتاب میں اکثر مقامات پر ملتا ہے' مثلاً ایک مقام پر اسمتھ لکھتا ہے کہ زراعت میں انسان اور قدرت دونوں مل کر کام کرتے ہیں اور صنعت میں قدرت کوئی حصّہ نہیں لیتی' انسان ہی کو سب کچھ کرنا پڑتا ہے اور دوسری جگہ ان ہی کے اثر کے تحت محنت کی دو قسمیں پیدا آور اور غیر پیدا آور قرار دیتا ہے' یہ محض فطر آئینوں ہی کا اثر تھا کیونکہ یہ اصطلاحیں فطر آئینوں نے اپنے ہاں استعمال کی ہیں ورنہ اسمتھ کے اس تصوّر میں جس کو آجکل "ذاتی اصل" کہا جاتا ہے اور فطر آئینوں کی مذکورۂ بالا محنت

کی تفریق میں تناقض پایا جاتا ہے۔ میکلاک اور دیگر مصنفین نے اسمتھ کے ایک اور تصور کو بھی فطرت آئینوں کے اثر کا نتیجہ اور ایک غلط خیال ثابت کیا ہے، وہ خیال یہ ہے کہ مختلف پیشوں میں انفرادی فوائد عوام کے فوائد پر دلالت نہیں کرتے، لیکن جیساکہ پروفیسر نکل سن نے بخوبی ثابت کر دکھایا ہے اس کا یہ خیال درحقیقت بالکل صحیح ہے۔[1] آدم اسمتھ یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ اگر منافع کی شرح یکساں تسلیم کر لی جائے تو اصل کی مشغولیت کی مختلف شکلیں مزدوری پیشہ طبقے کے اغراض پر مختلف اثرات ڈالتی ہیں۔ اس خیال کو ریکارڈو نے تسلیم کیا ہے اور جیساکہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے کیرنس نے اسی بنیاد پر اپنی کتاب "اساسی اصول" میں بعض اہم نتائج قائم کیے۔

کتاب پنجم میں اسمتھ نے نظریۂ محصول پیش کیا ہے۔ اس پر 104
تفصیلی طور پر نظر ڈالنا ہم مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ نظام محصول کے بارے میں اس نے جو اصول مرتب کیے وہ عام طور پر مسلّم ہیں اور متفقہ طور پر صحیح مانے جاتے ہیں۔ حال میں پروفیسر واکر نے ان اصول پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ لیکن ان میں سے صرف ایک ہی اعتراض مبنی بر حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ اسمتھ نے یہ کلیہ قائم کیا تھا کہ سرکاری اخراجات کو پورا کرنے کے لئے افراد جو رقم ادا کرتے ہیں وہ سرکار کی خدمات کا صلہ ہے اور یہ صلہ سرکار کو اپنے خدمات کے تناسب سے لینا چاہئیے۔ اگر حقیقت میں اس کا یہی مفہوم ہے جیساکہ بظاہر الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو یقیناً اسمتھ کا بیان اس حد تک

[1] دیکھو دولت اقوام کا مقدمہ۔

اُصولاً غلط تھا، چنانچہ واگنر کا اعتراض یہاں بالکل درست ہے۔
اگر ہم اس مقام پر اس امر کا کچھ ذکر کریں جس نے عوام کی رائے کو اُس کے متاخرین کی بجائے خود اسمتھ کے حق میں بدل دیا اور جس کا سبب اسمتھ کے بعض متاخرین کا اس سے قدرے انحراف ہوا ہے تو ہمارا بیان بے موقع متصوّر نہ ہوگا۔ موجودہ زمانے میں اس امر کا قوی احساس ہونے لگا ہے کہ اسمتھ ریکارڈو اور اُس کے حوارئین کے مذموم رجحانات سے نسبتہً بری ہے اسی وجہ سے اب اسمتھ کی طرف رجوع کرنے کا خیال پیدا ہوتا جاتا ہے اور لوگ پھر اسی کو معاشی خیالات کا منبع خیال کرنے لگے ہیں۔ لیکن باوجود اُس کی مسلم الثبوت فوقیت اور اُسکی غیر فانی تصنیف کی عظیم الشان خدمت کے اعتراف کرنے کے ہمیں یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ اسمتھ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ اگرچہ دوسرے مصنّف کو حاصل نہیں ہوئی مگر اس کی تصنیف بحیثیت مجموعی اٹھارھویں صدی کے سلبی فلسفے کی پیداوار ہے اور اس کی اساسی بنیاد مابعد الطبیعیات پر قائم ہے۔ اسمتھ کا دماغ زیادہ تر انتقادی تحریروں کے کام میں مصروف تھا جو اُس زمانے میں نہایت ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس کا خاص کام مروّجۂ وقت معاشی نظام کی تردید و تغلیط تھا اور اُس نے ثابت کر دکھایا کہ موجود الوقت یورپین حکومتیں صنعتی کاروبار کی نگرانی کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتی تھیں۔ اسمتھ کی یہ خدمت اس عام انہدامی کام کے مطابق اور اس کا ایک جزو تھی جس کو اسمتھ کے عہد کو ممتاز حیثیت دینے والے فلاسفہ انجام دے رہے تھے۔ یہ بات اسمتھ کی شان کو دوبالا کرتی ہے کہ باوجود اس انہدامی کام کے اُس نے ایسے قیمتی عناصر کا اضافہ کیا جن سے اصول و عمل کے ایک منضبط نظام کی ترتیب میں کافی مدد ملی، اُس نے خاص کام جو انجام دیا وہ

یہی نہیں تھا کہ بہت سی غلطیاں اور تعصبات دور کیئے اور حقیقت
کو پہنچنے کا راستہ صاف کیا، بلکہ معاشی خیالات و واقعات کے 105
مدلل تجزیہ، عاقلانہ عملی مشوروں اور ہمہ قسم کے کارآمد معلومات کا
ایک مستقل ذخیرہ چھوڑا ہے جن سے اس کی تصنیف پُر ہے
وہ اگرچہ اپنے زمانے کے بہترین طبقۂ فلاسفہ میں سے تھا (یعنی
ایسا طبقہ جس کی طرف ہیوم اور دیدرو کے نام منسوب کیئے جاتے
ہیں) تاہم اُس کا بیشتر میلان ایجابی فلسفہ کی طرف تھا لیکن وہ
اُس پر عمل پیرا نہ ہو سکا، اس لحاظ سے اُس کی عظیم الشان تصنیف
میں بھی ایک کمی باقی رہ گئی ہے کہ قومی معاشیات کی بحث ایجابی
نہیں ہے اس کی تکمیل کرنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ
مباحث کی بنیادیں زیادہ محکم بنائی جائیں۔

کسی مصنف کے بقول فلسفے کے نظریات پر یہ بات
بالکل صادق آتی ہے کہ "ان[لہ] کے اثمار سے تم ان کو پہچان لو گے"
اسمتھ کے متاخرین نے جو مذموم طریقے اور غیر صحیح یا مبالغہ آمیز
نظریات قائم کیئے تھے، اصل میں اُن کی تخم ریزی خود اسمتھ کی
تصنیف میں ہوئی تھی، گو اسمتھ نے دانشمندی سے اپنی حد تک
کوئی غلو پیدا نہ ہونے دیا۔ ہلڈی براند اور دوسرے مصنفین نے
اسمتھ کے نظریے کی پوری تاریخی نشو و نما کے متعلق (جس کو اہل جرمنی
"نظام اسمتھ" سے موسوم کرتے ہیں) بعض اعتراضات کیئے ہیں
اور وہ یہ رائے زنی کرتے ہیں کہ یہ اعتراضات بحیثیت مجموعی
اسمتھ کے مسلک کے تمام متاخرین پر ہی نہیں بلکہ خود اس پر بھی،
خفیف حد تک صادق آتے ہیں اُن کے سب سے اہم
اعتراضات حسب ذیل ہیں:-

لہ Bible

(۱) اسمتھ کا تصور معاشیات کے بارے میں لازمی طور پر انفرادیت پر مبنی تھا اور اس لحاظ سے وہ اپنے زمانے کے سلبی فلسفے کا ہم آہنگ ہے۔ سلبی فلسفے کی خاص شکلوں میں سے ایک شکل یہ ہے کہ وہ بے غرض اور بے لوث محبت کے قدرتی وجود سے انکار کرتا اور دوسروں کی ہمدردی اور محبت کو محض ذاتی محبت کا ذیلی نتیجہ قرار دیتا ہے۔ گو اسمتھ مثل ہیوم کے ان انتہائی خیالات کا مخالف تھا اور اسی وجہ سے یہ بات مان لی گئی ہے کہ اُس نے جان بوجھ کر اور صاف طور سے انسان کے عمدہ صفات کے اُصول سے ماخوذ کر کے صرف بطور منطقی حیلے کے ایک "معاشی انسان" کو فرض کیا ہے جس کا ہر کام خود غرضی پر مبنی ہوتا ہے، لیکن بایں ہمہ وہ عادتاً انفرادی نقطۂ نظر سے بحث کرتا ہے، اور ہر فرد پر اس لحاظ سے نظر ڈالتا ہے کہ گویا وہ خالص انانی قوت ہے جو دوسروں کی یا پوری قوم کی فلاح و بہبود کا خیال کیئے بغیر محض اپنے ذاتی مفاد کے لیے ہمہ تن مصروف کار رہتی ہے۔

(۲) اسمتھ اس شخصی طرز عمل کو اُس کے نتائج کی بنا پر مستحسن قرار دیتا ہے اور یہ امید افزا خیال ظاہر کرتا ہے کہ صرف افراد کی خود غرضانہ جدوجہد کو آزادی دینے سے قومی مفاد بہترین طریقے پر حاصل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ قانون، قوم کے ایک فرد کو دوسرے کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے سے باز رکھے۔ اُس نے مثل سلبی فرقے کے، یہ فرض کیا (اگرچہ اُس کے بعض الفاظ ان قضیوں کے ہم آہنگ نہیں ہیں) کہ ہر شخص اپنے ذاتی مفاد کو بہتر طریقے پر سمجھتا ہے اور اُسی کے مطابق عمل کرتا ہے، نیز یہ کہ ہر فرد کا معاشی مفاد قوم کے مفاد کے مطابق ہوتا ہے۔ اسمتھ اس آخری نتیجے پر بدیہی مذہبی خیالات اور ایک مفروضہ نظام فطرت، 106

فطرتی آزادی اور فطرتی حق کے مابعد الطبیعی تصوّرات کی بنا پر پوشیدہ طور پر پہنچتا ہے۔

(۳) تقریباً ہر سوال کو انفرادی مفاد کے سوال پر تحویل کر کے قیمت مبادلہ پر جو دولت سے اُس کے اصلی معنوں میں جدا گانہ شے ہے، بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ اگرچہ اس طریق سے نتائج کے استنباط کرنے میں بہت بڑی سہولت پیدا ہو جاتی ہے مگر اس سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں مثلاً وہ معاشی تحقیق کو بالکل سطحی بنا دیتا ہے، معاشیات کو علوم طبیعات وحیاتیات سے علیحدہ کر دیتا ہے، حقیقی معاشری مفاد کے سوال کو بحث سے خارج کر دیتا ہے، پیدائش دولت کے طریق میں انتقاد کی گنجائش باقی نہیں رکھتا، اور جس طرح مل نے صرف دولت سے متعلق کسی معاشی اُصول کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا اسی طرح کا رجحان پیدا کرتا ہے، یا بالفاظ دیگر استعمال دولت کے نظریوں سے منکر بناتا ہے۔

(۴) استمتہ سرکار کی موجود الوقت صنعتی حکمت عملی کی مخالفت کر کے اُصول غیر مداخلت کی وکالت کرتا اور معاشی زندگی میں ہر قسم کی معاشری مداخلت کی مخالفت کرتا ہے۔

(۵) بنی نوع انسان کے اخلاقی انجام کو نظر انداز کرتا ہے اور دولت کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں خیال کرتا گویا اُس پر مادیت پرستی کا الزام بالکل بجا ہے اور آخر میں (۶) اُس کا پورا انظام بلحاظ نوعیت بہت زیادہ غیر مشروط اور مطلق ہے اور وہ اس بات کو کافی طور پر تسلیم نہیں کرتا کہ بقول ہلڈی برنڈ "انسان بحیثیت قوم کا فرد ہونے کے "تمدن کا بچہ اور تاریخ کا ماحصل ہے" اور نہ اس کا قائل ہے کہ قوم کے مختلف مدارج ترقی کا لحاظ کرنا ضروری ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ان کا

لحاظ نہیں کیا جائے گا اُس وقت تک معاشی حالات و معاشی جدوجہد میں جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں یا خود انسان کے عادات و حالات میں جو تغیر و تبدل ہوتا جاتا ہے اُن کا صحیح اور کامل علم حاصل ہونا محال ہے۔

107 اسمتھ کی تصنیف کا اثر۔ غالباً ان تمام امور میں جو یہاں بیان کیے گئے بعض میں تو یقیناً اور بالخصوص آخری امر میں اسمتھ پر اکثر متاخر انگریز معاشئین کے مقابلے میں بہت کم گرفت ہوتی ہے۔ لیکن ہماری رائے میں یہ امر تسلیم کرنا ضروری ہے کہ ان متذکرۂ بالا مختلف مذموم رجحانات کی بنا اسمتھ کے وہ عام اصول ہیں جو اُس کے خاکے کی تہ میں مضمر ہیں۔ فرگیوسن اپنی کتاب "قومیت کی تاریخ" میں لکھتا ہے کہ اسمتھ کی تصنیف سے متعلق اسکی اشاعت سے قبل، باکمال عقلا بڑے بڑے توقعات قائم کر رہے تھے، پہلی مرتبہ شائع ہونے کے بعد پندرہ سال کے اندر اندر چھ مرتبہ طبع ہونا اُس کی قبولیت عام کا بیّن ثبوت ہے، ۱۷۸۳ء سے پارلیمنٹ میں بھی اس کا اثر روز بروز بڑھتا گیا جہاں سند کے طور پر اس کا حوالہ دیا جاتا تھا، پٹ اس کے دلائل و براہین سے بیحد متاثر ہوا بقول اسمتھ اس وزیر اعظم نے اس کی کتاب کو اس عمدگی کے ساتھ سمجھا جیسا کہ خود مصنّف نے۔ ۱۷۹۷ء میں پلٹینی نے لکھا کہ "اسمتھ موجودہ نسلوں کو ترغیب دے رہا ہے مگر آیندہ نسلوں پر حکومت کرے گا"۔

اسمتھ کے نقاد۔ اسمتھ پر سب سے پہلے نکتہ چینی کرنے والے بنتھم اور لاڈر ڈیل تھے۔ اگرچہ یہ دونوں اسمتھ کے خیالات سے عام طور پر متفق تھے مگر خاص خاص باتوں میں انہوں نے اختلاف

108 ظاہر کیا ہے، جریمی بنتھم نے ایک مختصر رسالہ معاشیات پر تصنیف کیا۔ اس کے علاوہ معاشی مباحث پر متعدد کتابیں

اور بہت سے رسالے لکھے جن میں سے سب سے مشہور "ربا کی وکالت" ہے جو ۱۷۸۷ء میں شائع ہوا۔ اس رسالے میں "دولت اقوام" کی ایک عبارت پر (جس کا ذکر کیا جا چکا ہے) طول طویل اعتراض کیا ہے، اس عبارت میں اسمتھ نے ایک ایسی بیشترین قانونی شرح سود کے تعین پر زور دیا ہے جو بازاری شرح سے کچھ اوپر ہو، تاکہ اس کی وجہ سے ملک کا اصل بجائے مسرفوں اور منصوبے باندھنے والوں کے کفایت شعار لوگوں کے ہاتھ میں جائے۔ کہتے ہیں کہ بنتھم کا رسالہ شائع ہونے کے بعد اسمتھ نے اس امر کا اقبال کیا کہ بنتھم کا بیان مدلل اور کامیاب تھا۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ بنتھم نے بڑی قابلیت سے استدلال کیا، اور بلاشبہہ صحیح اصول یہی ہے کہ ترقی یافتہ صنعتی قوم میں شرح سود کا تعین قرض دہندہ اور قرض گیر کی باہمی معاملت پر چھوڑ دیا جائے اور صرف دغا و فریب کی صورت میں قانون مداخلت کرے۔

بنتھم کی اصلی شہرت معاشیات کے میدان ہی تک محدود نہ رہی بلکہ ایک طرف تو وہ وہ چیز پیش کرتا ہے جس کو "نظام بنتھم" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو بقول کوننت بلاشبہہ معاشیات سے اور بالخصوص نظام فطری آزادی سے مشتق ہے اور دوسری طرف اس نے عمرانی و اخلاقی نظریے میں اصول انفرادی مفاد اور اس مفاد سے استخراج کرنے کے طریق کو داخل کر کے فطری آزادی کے نظام کو عارضی غلبہ و ترقی دی، معاشیات اور بنتھم کے منصوبے کا یہ ارتباط فلاسفہ کے اس گروہ میں نظر آتا ہے جو بنتھم کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا، اس میں کلام نہیں کہ ان فلاسفہ میں وقت نظر اور منطقی قوت بدرجۂ اصلی موجود تھی اور ان کا میلان طبع اگرچہ کسی قدر مبہم طریقے پر ایجابی عمرانیات کی طرف تھا۔ بایں ہمہ مل کا ان کو

"علمائے متبحر" کا لقب دینا موزوں اور نا واجب معلوم ہوتا ہے
یہ گروہ ایجابی عمرانیات کی بنیاد قائم کرنے سے اس وجہ سے قاصر رہا
کہ اس کے افراد عالمانہ حیثیت سے تربیت یافتہ نہ تھے اور ان کا
طرز خیال مطلق تھا۔ لارڈ لاڈر ڈیل نے اپنی کتاب "قومی دولت" میں
(جو موجودہ زمانے میں بھی لائق دید اور قابل قدر ہے) اسمتھ
کے مسئلۂ قدر و پیمانۂ قدر، اور پیدا آوری محنت پر نکتہ چینی کی ہے 109
اور مختلف مباحث اور سوالات مثلاً قومی دولت کے شمار
کرنے کا صحیح طریق کیا ہونا چاہیئے اور پیدائش پر تقسیم دولت کا کیا
اثر پڑتا ہے، ان پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اسمتھ کا ظہور عظیم الشان
صنعتی انقلاب کے شروع میں ہوا تھا اور وہ جس صنعتی و تجارتی دنیا میں
رہتا تھا، بقول کلف لیزلی "بہت ہی ابتدائی" اور نسبتاً محدود
دنیا تھی چنانچہ اسمتھ صرف نیوکامن کے ہی انجن کا ذکر کرتا ہے
اور روئی کی تجارت کا ایک بار ذکر کرتا ہے اور وہ بھی اتفاقی طور پر۔
مارشل اس زمانے کی ترقیات کے متعلق لکھتا ہے کہ "سنہ ۱۷۶۰ء
اور سنہ ۱۷۷۰ء کے مابین روبک نے لوہے کو کوئلے سے پگھلانے
کا طریقہ ایجاد کیا، برنڈلے نے بڑے بڑے صنعتی مرکزوں کو
نہروں کے ذریعے سے سمندر سے ملا دیا۔ ویجوڈ نے عمدہ اور
ارزاں مٹی کے برتن بنانے شروع کیے، ہارگریوس[1] نے کاتنے کی
کل ایجاد کی۔ آرک رائٹ[2] نے ویاٹ اور ہائی کے ایجادات
سے فائدہ اٹھا کر بیلنوں سے کاتنے کا طریقہ نکالا اور بیلنوں کو
پانی کی قوت سے چلانا شروع کیا۔ واٹ نے دخانی انجن ایجاد کیا اور
اس کے بعد ہی کرامپٹن کا روئی کاتنے کا چرخا اور کارٹ رائٹ

---

[1] معمولی جلاہا تھا Hargreaves

[2] غریب حجام تھا Arkwright

کی کپڑا بننے کی کل ایجاد ہوئی۔" اس ارتقائے سریع سے صنعت کو گوناگوں فروغ حاصل ہوا، لیکن بہت سے افسوسناک نتائج بھی نمودار ہوئے۔ اگر اسمتھ پیش آیند نتائج سے آگاہ ہوتا (کیونکہ یہ نتائج اس کے بعد ظہور پذیر ہوئے) تو وہ معاشی جدّ و جہد کی آزادی کا اس قدر پرجوش وکیل نہ بنتا، اور نہ اس آزادی کے فوائد پر زور دیتا اور نہ قدیم آئین و قوانین کو جو اس زمانے میں ایک حد تک مزدوروں کے پشت و پناہ تھے، اس قدر مذموم قرار دیتا۔ نئے صنعتی نظام کے نقائص کے پہلو بہ پہلو تحریک اشتراکیت بھی جس کو ہم آجکل "لاینحل معاشری سوال" کہتے ہیں، رونما ہوئی اور یہ تحریک نظام جدید کے خلاف ایک پُرزور اور ناگزیر صدائے احتجاج تھی جو مزدوروں کی جانب سے بلند کی گئی تھی۔

تامس رابرٹ مالتھس
سنہ ۱۷۶۶ء - سنہ ۱۸۳۴ء

اس سوال کو سب سے پہلے تامس مالتھس نے نہایت موثر طریقے سے انگریز ناظرین کے سامنے "مضمونِ آبادی" کی شکل میں پیش کیا۔ یہ مضمون سنہ ۱۷۹۸ء میں شائع ہوا لیکن اس پر مصنف کا نام نہ تھا۔ اس تصنیف کی محرک انقلابی تحریک سے اس کی ہمدردی نہ تھی اور نہ اس تحریک کی تائید میں یہ کتاب لکھی گئی تھی بلکہ قدامت پسند حکمت عملی کے اغراض کو پیش نظر رکھ کر قدامت پسند طبقے کی تائید میں یہ لکھی گئی۔ اس کی وجہ تصنیف نہایت عجیب اور دلچسپ ہے۔ مصنف کا باپ ڈینیل مالتھس، روسو کا دوست تھا اور انسانی ترقی و بہبود کے نظریے کا جو کہ کنڈارسے اور دیگر فرانسیسی فلاسفہ نے اور اس کے انگریز متبعین نے پیش کیا تھا، قائل تھا۔ ولیم گاڈون 115
ان انگریز متبعین میں سب سے مشہور تھا، اس کی کتاب "سیاسی انصاف کی حقیقت" Enquiry Concerning Political Justice سنہ ۱۷۹۳ء میں شائع ہوئی مگر سنہ ۱۷۹۷ء میں گاڈون نے اس میں ترمیم کر کے "محقق"

کے نام سے دوبارہ شائع کیا اس دوسری کتاب میں ایک مضمون بعنوان "حرص و افراط" تھا۔ اسی موضوع پر باپ بیٹے میں بحث شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ "آئندہ اصلاح معاشرت" کے عام سوال پر بحث ہونے لگی، ڈنیل، گاڈون کے نظریے کا وکیل تھا اور روبرٹ اس کا مخالف تھا چونکہ روبرٹ اپنے خیالات و دلائل کو تقریر میں وضاحت اور جامعیت کے ساتھ بیان نہیں کرسکتا تھا اس لیے تحریر کی شکل میں مرتب کرنے لگا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسئلۂ آبادی پر ایک اچھا خاصہ مضمون تیار ہوگیا۔

گاڈون کی اصلاح معاشرت کی تجویز اس خیال پر مبنی تھی کہ "انسان کی تنزل پذیری کا سبب کوئی مافوق انسان قوت نہیں ہے بلکہ قوم میں محض انسان کے بنائے ہوئے آئین و رواج کی بنا پر نقائص پیدا ہوتے ہیں، مثلاً قدرت نے جو دولت انسان کے لیے ودیعت کی وہ انسان کے لیے کافی سے زیادہ ہے لیکن اس کی تقسیم مساوی نہیں، ایک کے پاس بافراط دولت موجود ہے تو دوسرے کے پاس کوڑی بھی نہیں۔ اس دولت کو اور اس کے پیدا کرنے کی محنت کو مساوات کے ساتھ تقسیم کردو تو ہر شخص معمولی سی محنت کرکے اس قدر دولت کمالیگا کہ سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہوجائیگی اور اس کو کافی فرصت بھی مل جائے گی، جس کو وہ اپنی عقلی و اخلاقی اصلاح میں صرف کرسکے گا۔ انسانی اعمال کی رہنمائی عقل کرے گی، اور حکومت کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں حقیقت کے پُرامن اثر سے کرۂ ارض پر مرفہ الحالی اور نیکی کا دور دورہ ہوگا۔" روبرٹ مالتھس نے ان دل خوش کن اور جوشیلی پیشین گوئیوں کی مخالفت میں یہ واقعات پیش کیے کہ "جس سرعت سے اور جس حد تک آبادی میں زیادتی ہوسکتی ہے، زمین

کی پیداوار میں اُسی حد تک اسی سرعت کے ساتھ زیادتی نہیں ہو سکتی،
اور خصوصاً اس حالت میں جبکہ سب انسان عام طور پر تندرست
اور خوش حال ہوں اضافۂ نفوس کے اس رجحان کے عمل میں کوئی چیز مزاحم نہ ہوگی
اور اضافۂ آبادی کے ساتھ ساتھ غذا کی قلت لازمی محسوس ہوگی
کوئی بھی فرصت و آرام کی زندگی بسر نہ کر سکے گا۔ تنازع للبقا کی
سرگرمی پہلے سے زیادہ ہو جائے گی اور ہر طرف عدم مساوات
نظر آنے لگے گی"۔ مالتھس لکھتا ہے کہ اگر گاڈون کا تصوری
نظام قائم ہو بھی جائے تب بھی "اصول آبادی" کی واحد قوت
اس نظام کو شکست کرنے کے لیئے کافی ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ بحث مباحثے کی غرض سے مضمون
لکھا گیا تھا، اس میں خالص عالمانہ حیثیت سے مسئلۂ آبادی پر
نظر نہیں ڈالی گئی بلکہ اُس کو ایک اتفاقیہ تصنیف کہنا چاہیے
جس میں اُس زمانے کے خیالی منصوبوں اور عبقریوں کی مخالفت
کی گئی ہے لیکن بحث مباحثے کے اعتبار سے یہ مضمون کامیاب
ضرور رہا، اس لیے کہ گاڈون کی تجویز مساوات کی تردید کرنا کوئی
مشکل کام نہ تھا۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں ڈاکٹر رابرٹ والس نے ایک
کتاب بعنوان "بنی نوع انسان اور فطرت" تصنیف کی تھی اسمیں
معاشری نقائص کا علاج اشتراک اموال تجویز کرتے ہوئے
مصنف اس امر کا اقبال کرتا ہے کہ اس قسم کے نظام میں
صرف ایک چیز بے حد قابل اعتراض ہے اور وہ آبادی کا
اضافہ ہے جو اس نظام کے مطابق عمل کرنے سے لازمی
طور پر پیدا ہوگا۔ یہ کتاب منجملہ اُن کتابوں کے ہے جن کا مطالعہ
اپنا مضمون لکھتے وقت مالتھس نے کیا تھا اس لیے اُس کو
گاڈون کے استدلال کی تردید کرنے میں سہولت ہوئی، ایک
جلیل القدر فاضل کنڈارسے نے بھی انقلاب فرانس کے

متلاطم دور میں اپنے دشمنوں سے چھپ کر ایک کتاب[1] تصنیف کی تھی جو اپنے تصورِ عمومی کی وجہ سے ترقیٔ عمرانیات کی تاریخ میں ایک اہم کارنامہ خیال کی جاتی ہے، اگر ہم ترگو کے بعض جزوی بیانات سے قطع نظر کرلیں تو کنڈارسے کی یہ پہلی کتاب کہی جاسکتی ہے جس میں حرکی عمرانیات کے نظریے کی تشریح تاریخی بنیاد پر کی گئی ہے۔ چنانچہ کونت بھی کنڈارسے کو اپنا سب سے متصل پیش رو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن کنڈارسے اپنے مہتم بالشان منصوبے کی تکمیل میں ناکام رہا اس لیے کہ اسکا سلبی مابعد الطبیعیات کا فلسفہ زمانۂ قدیم کی حقیقی قدر شناسی میں مزاحم ہوا اور وہ اپنی تصنیف کے آخری حصے میں بنی نوع انسان کی تکمیل پذیری کے بارے میں مبہم مفروضات پیش کرتا اور انسان کی عمر کی غیر محدود طوالت کے متعلق خلاف عقل توقعات قائم کرتا ہے۔ اس قسم کے مبالغہ آمیز خیالات کی مالتھس نے تنقید کی۔ اگرچہ مالتھس کے خیالات خود تنگ اور غیر دلچسپ تھے لیکن عبقریوں اور خیالی منصوبوں کی تردید کرنے میں اور اُن کو غلط ثابت کرنے میں مالتھس یقیناً کامیاب رہا، اگرچہ کنڈارسے نے جو خیالی منصوبے قائم کیے تھے اور فرضی اُمیدیں باندھی تھیں مالتھس محض اُن کے ابطال و تغلیط میں سرگرم نظر آتا ہے اور کنڈارسے کی نیک دلی اور عالی منشی پر اُس نے مطلق نظر نہیں ڈالی اور نہ اس کے اساسی خیال کی قدر و عظمت کو پہچانا۔

بہر حال جب مضمون تیار ہو لیا تو مالتھس کے دل میں اس کو باقاعدہ اور مفصل طور پر مرتب کر کے تصنیف کی شکل میں لانے کا خیال پیدا ہوا، اُس نے اپنے پہلے مضمون میں تو

---

[1] Esquisse d'un tableau historique de l'esprit humain

قیاسی مستقبل کی بحث کی تھی مگر اب اس بات پر آمادہ ہوا کہ قوم کے ماضی و حال پر اس اصول کے جو اثرات ہیں اُن پر بحث کرے چنانچہ ان اثرات پر تاریخی تنقید کرنی شروع کی اور حقیقی صورت حالات کے متعلق ایسے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی جو تجربے سے صحیح ثابت ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے مضمون کی نوعیت اور ہیئت بالکل بدل گئی حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء میں اُسی کے قول کے مطابق ایک "نئی تصنیف" تیار ہو گئی جس کا نام "اُصولِ آبادی پر ایک مضمون" تھا۔

اُس نے اپنے پہلے مضمون میں سوائے اُن اسباب کے جو مصائب یا بدکاری کے تحت آتے ہیں اضافۂ آبادی میں کسی اور سبب کا مزاحم ہونا ظاہر نہیں کیا تھا لیکن دوسرے مضمون میں ایک نئے عنصر یعنی "اخلاقی روک" کا اضافہ کرتا ہے یعنی یہ کہ انسان اپنے اختیار سے نفسانی خواہشات کو دبا کر تجرّد کی زندگی اختیار کر سکتا ہے اور اس طرح پر اضافۂ آبادی اور اُسکے نتائج مصائب بدکاری اور افلاس کو روک سکتا ہے۔ گویا وہ (جیسا کہ خود اُسی کا قول ہے) اپنے بعض سابقہ سخت ترین نتائج کو "ملائم" کر دیتا ہے۔ مالتھس ہی کی زندگی میں یہ کتاب چھ دفعہ شائع ہوئی اور ہر مرتبہ اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ یا ترمیم ہوتی رہی آخری مرتبہ ۱۸۱۷ء میں کامل نظر ثانی کے بعد طبع ہوئی، اس کے بعد کوئی ترمیم نہ ہوئی، چنانچہ آجکل بھی وہی نسخہ باقی ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ خود مالتھس نے مضمون کی بہت کچھ اصلاح و ترمیم کی اور اس پر عدیم المثال طریقے پر بہت کچھ بحث مباحثہ بھی ہو چکا ہے لیکن یہ دریافت کرنا دقت سے خالی نہیں کہ مالتھس نے ہمارے علم میں کونسی ٹھوس اور پُر مغز چیزوں کا اضافہ کیا اور نہ یہ صحیح طور پر معلوم کرنا کچھ آسان کام ہے کہ اُس نے اپنے نظری

اُصول کی بنیاد پر وہ کون کون سے عملی مشورے قائم کیے 113
جن سے قبل ازیں واقفیت حاصل نہ تھی۔ اِس دوگونہ ابہام کی
تشریح اُس کے ایک مشہور خط سے ہوتی ہے جو اُس نے
سینیر کو لکھا تھا۔ مالتھس کو اِس امر کا اقبال تھا، جیسا کہ اس خط سے
ظاہر ہوتا ہے، کہ بلحاظ نوعیت و ماہیت اُس کا نظریہ اس قدر
انوکھا اور نیا نہ تھا جتنا کہ اُس کے ظاہری لباس یعنی الفاظ نے
بنا دیا تھا۔ لکھتا ہے کہ پہلے مضمون کے شائع کرنے کے بعد،
جس کے بیشتر حصے میں ہیوم، ویلیس، آدم اسمتھ اور پرائس کے
دلائل کی تقلید کی گئی تھی، جب اُس نے مضمون پر نظر غائر ڈالی تو
اُس کو معلوم ہوا کہ اُس نے جتنی تحقیق کی تھی اس سے زیادہ دوسرے
اس میدان میں جولانی دکھا چکے ہیں، مثلاً فرانس کے
بعض علمائے معاشیات مثلاً مان ٹسک اور انگریز معاشئین
مثلاً ڈاکٹر فرنکلن، سر جیمس اسٹورٹ، مسٹر آرتھر ینگ اور
مسٹر ٹاؤن سینڈ نے بھی اس مضمون پر بحث کی لیکن ان کا
طرز بیان ایسا تھا کہ عوام کی توجہ اپنی طرف منعطف نہ کرا سکا۔
مالتھس یہ خیال کرتا تھا کہ اس موضوع میں بہت کچھ اضافے کی
ضرورت باقی تھی۔ یعنی کمی اس بات کی تھی کہ اضافۂ آبادی اور
غذا کے مقابلے کو کافی قوّت اور صحت کے ساتھ بیان نہیں
کیا گیا تھا اور ذرائع معاش اور آبادی کے درمیان جن مختلف
طریقوں سے توازن قائم کرنا چاہیے اُن کی تحقیق نہیں کی گئی تھی۔
پہلی ضرورت جو اس مضمون میں بیان کی گئی ہے یعنی اضافۂ آبادی
اور ذرائع معاش کے باہمی تعلق کو صحیح طور پر بیان کرنے کی
ضرورت وہ، مالتھس کو یقین کامل تھا کہ، اُس مشہور و معروف
اُصول سے پوری ہوتی ہے کہ "آبادی ہندسی نسبت سے بڑھتی
ہے اور پیداوار حسابی نسبت سے بڑھتی رہتی ہے"۔ لیکن یہ نظریہ

قطعی طور پر غلط ثابت ہو گیا ہے کیونکہ ایزاد نسل انسانی کا اور انس نامیاتی مخلوق کی ایزاد کا جو انسان کی غذا ہیں کوئی جدا جدا قانون نہیں ہے۔ جے۔ یس۔ ل' مالتھس کے اس ضابطے پر اعتراض کرنے والوں کو برا کہتا ہے۔ لکھتا ہے کہ "مالتھس نے کوئی ضابطہ نہیں بنایا تھا بلکہ محض سرسری رائے ظاہر کی تھی' اور یہ رائے اگرچہ غلط تھی مگر کافی حد تک حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے"۔ لیکن اس کے ثبوت میں معقول دلائل نہیں پیش کرتا حالانکہ غیر صحیح علم کی تحقیق و نقد کرنا اور عقائد کی بنیادوں کو جانچ لینا یقیناً نہایت ضروری ہے۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ جس ضابطے کا ہم نے ذکر کیا ہے اُس کا استعمال موجودہ زمانے میں نہیں کیا جاتا ہے پھر بھی دوسرے کسی قدر مبہم سے جملے تو اکثر استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "آبادی میں یہ رجحان ہے کہ وہ بمقابلہ پیداوار کے بہت زیادہ سرعت کے ساتھ بڑھتی ہے"۔ اِس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں عناصر پر اس حیثیت سے بحث کی گئی ہے کہ گویا یہ خود دو چیزیں ہیں اور لفظ "رجحان" ایسا مبہم سا ہے کہ یہ جملہ مسلّمہ طور پر سینیر کے دعووں کے بھی مطابق بن سکتا ہے یعنی یہ کہ "پیداوار کا رجحان یہ ہے کہ وہ بمقابلہ آبادی کے زیادہ سرعت کے ساتھ بڑھے"۔ یہ بات ہمیشہ سے معلوم ہی تھی کہ ایزاد پیداوار 114 کے ساتھ آبادی میں بھی اضافہ ہوتا ہے گو یہ نتیجہ ہر وقت لازمی نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ بھی ممکن خیال کیا جاتا تھا کہ آبادی اسقدر بڑھ جائے کہ پیداوار مکتفی نہ ہو یا جتنی آبادی پہلے موجود تھی اس پر بھی بار بن جائے۔ اور علیٰ ہذا القیاس اس میں بھی کبھی کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ جنگ' وبا اور افلاس (جس میں سے آخری دو اسباب بد اعمالی کا نتیجہ ہیں) ایسے اسباب ہیں جن سے آبادی میں تخفیف کا عمل ہوتا رہتا ہے' گویا یہ حقیقت بالکل واضح تھی

کہ افراط اشیاء و اضافۂ آبادی قلت اشیاء و ایزاد اموات لازم و ملزوم ہیں اور ان کے عمل میں عقل انسانی مداخلت نہیں کر سکتی چنانچہ ایک پادری جوزف ٹاون سینڈ نامی نے ان سب امور کی تشریح اپنی کتاب "قوانین مفلسی پر ایک نظر"[1] میں کی ہے جو ۱۷۸۶ء میں شائع ہوئی اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے یہ کتاب مالتھس کی نظر سے بھی گزری تھی۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی کافی واضح ہے کہ افراد کا افلاس کے برے نتائج سے خائف ہونا یا اپنی ہونے والی اولاد کی پرورش کے حقوق کا احساس ممکن ہے کہ مزید تولید میں مزاحم ہو، چنانچہ تقریباً سب متمدن قوموں میں بھی اسی طرح پر عمل ہوا اور ہو رہا ہے، مگر جب ایسے بدیہی حقائق کو مصطلحات کی شکل دی جاتی ہے یعنی "قطعی روک" اور "اخلاقی روک" وغیرہ جملے استعمال کیے جاتے ہیں تو وہ انوکھے اور ٹھوس معلوم ہوتے ہیں، تاہم بظاہر انھیں مصطلحات کے ذریعے سے مالتھس نے دنیا کو اپنا پیغام سنایا، اور دنیا کے مختلف ملکوں کے تاریخی واقعات اور اعداد و شمار کا ذخیرہ فراہم کر کے مالتھس نے اپنے مرمّمہ مضمون میں نتائج پیش کیے اگرچہ ان میں بہت سے امور حیرت افزا اور دلچسپ ہیں مگر وہ کوئی ایسے نئے اصول نہیں جن کا پہلے سے کافی علم نہ ہو چکا ہو۔ چنانچہ جیمس مل اور دیگر مصنفین ان کو اسی بنا پر نظر انداز کرتے ہیں کہ اس نظریے کی بنیاد ان سیدھے سادے واقعات پر قائم ہے جن کی عام مشاہدے سے تصدیق ہو سکتی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، مالتھس کو اپنا مضمون لکھنے اور اور اپنے اساسی اصول کا اعلان کرنے کے بعد کامل تاریخی تحقیق

[1] Dissertation on the Poor Laws

115

کرنے کا خیال پیدا ہوا۔

پس جس چیز کو بلند آہنگی کے ساتھ مالتھس کا "نظریۂ آبادی" کہا جاتا ہے وہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے جیسا کہ بعضوں کی رائے ہے اور نہ کوئی نقصان رساں ندرت ہے جیسا کہ مخالفین کا بیان ہے، بلکہ محض بدیہی واقعات کو جو بعض اوقات نظر انداز کیے جاتے ہیں، ایک باقاعدہ اصولی شکل دیگئی ہے معاشئین مالتھس کے نظریے کے متعلق اکثر مدعیانہ کلمات استعمال کرتے ہیں جو ایک قابل اعتراض امر ہے کیونکہ اس کی وجہ سے ہمارے دل سے یہ بات بھلا دینے کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ جس مسئلے سے یہ نظریہ بحث کرتا ہے وہ اب تک کامل طور پر سمجھا نہیں گیا ہے اور وہ اسباب جو جنسی جذبے کی قوت پر اثر ڈالتے ہیں نیز وہ اسباب جو قوت تولید کے اختلافات کا باعث ہوتے ہیں ابھی تک کامل طور پر تحقیق نہیں ہوئے ہیں۔

معاشیات میں آبادی کا مسئلہ خاص اہمیت حاصل کر رہا ہے، اس کا باعث زمین کا قانون تقلیل حاصل ہے (جس کا تفصیلی حال آگے چل کر بیان ہوگا) جس کی وجہ سے جملہ افراد قوم کی ضروری معاش کے حصول کی روزافزوں دقتوں کی توقع رونما ہوئی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ ریکارڈو کے نظریات اور بالخصوص ان نظریات کے فروع (جو جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا ریکارڈو نے نظریۂ لگان سے اخذ کیے تھے، اگرچہ خود مالتھس نے ان کو تسلیم نہیں کیا) اور مالتھس کے خیالات کے مابین جو ربط و اتحاد قائم ہوا تھا اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ موجودہ زمانے میں آبادی بحیثیت ایک عنصر کے اکثر معاشی مسائل کی بحث میں داخل ہوگئی۔

اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ مالتھس اس لحاظ سے قابل ستائش ہے

کہ اُس نے نہایت موثر اور دل نشیں طریقے سے عوام کی توجہ ایک ایسے مبحث کی طرف منعطف کرائی جس پر اس سے قبل کبھی نہ تو اُصولی لحاظ سے اور نہ عملی حیثیت سے کافی طور پر غور کیا گیا تھا۔ لیکن اُس نے اور اُس کے پیروؤں نے جن خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کی وسعت اور ان کے ناگزیر ہونے کو بظاہر مبالغے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ اپنے تصور کے لحاظ سے ایک معمولی سے معاشری نقص کو کمال غلو کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ گویا ایک بلائے آسمانی نازل ہوگئی اور ساری دُنیا پر محیط ہو کر سب کو فنا کر دینے کی دھمکی دے رہی ہے۔ اس کی وجہ بلاشبہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اوّلاً مسئلے سے بحث کرتے وقت مالتھس نے "اخلاقی روک" کے مخالف و متوازن اثر کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اگر ایک ایسی قوت موجود ہو جس کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو تو وہ قوت بعض نتائج پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر محض اسی بنیاد پر یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ وہ نتائج قریب الوقوع ہیں یا عملاً ممکن ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ ایک شے کو پھینک دیا جائے تو فقط اسی پھینکنے کی تحریک سے وہ ہمیشہ خط مستقیم میں حرکت کرے گی اور یہ فراموش کر دیں کہ اس نتیجے میں دوسرے مخالف 116 اثرات اپنے عمل سے مزاحم ہوں گے اور پھر اس نتیجے کو روکنے کی غرض سے خاص تدابیر اختیار کریں تو یہ ایک خلاف عقل حرکت ہوگی، چنانچہ ہم جس مسئلے سے بحث کر رہے ہیں اس میں بھی دوسرے ایسے ہی مخالف اثرات موجود ہیں۔ اگر اصول آبادی کی اصلی قوت کا (جس کے متعلق یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ ہر جگہ یکساں ہوتی ہے) اس شرح سے اندازہ کریں جس شرح سے موافق ترین حالات میں تعداد نفوس بڑھتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ نسبتہً غیر موافق حالات کی (جو دانشمندانہ یا ہمدردانہ محرکات کی بنا پر ہوں) قوت کا اندازہ اس موافق ترین حالات کی شرح اور ان شرحوں کے عظیم فرق سے ہو سکتا ہے

جو یورپ کے اس وقت اکثر ممالک میں ہیں۔ جن مقامات میں روشن خیال اور معقول ادارے ہوتے ہیں وہاں محض محسوسہ یا متوقعہ حالات کے دباؤ اور معاشرتی پستی کے خوف کی بنا پر آبادی کو ذرائع معاش کے مکتفی ہونے کی حد تک رکھا جاتا ہے اس حد اور تناسب کو برقرار رکھنے یا کم از کم معیار سے قریب تر لانے کیلئے ضروری ہے کہ عوام میں اعلیٰ قسم کی تعلیم کی نشر و اشاعت کی جائے تاکہ اُن کی اخلاقی حالت درست ہو اور مدبرانہ عادات و صفات پیدا ہوں لیکن ہر شخص پر اپنی موجودہ یا آئندہ اولاد کا جو فرض اور حق ہے اُسی کا احساس اُس شخص کے چال چلن پر اثر ڈال سکتا ہے باقی اس قسم کے مبہم خیالات قائم کرنا کہ ذرائع معاش پر آبادی کا دباؤ پڑے گا اس سے چال چلن یا طرز عمل پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

مالتھس محض ایک فریضے پر زور دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تاوقتیکہ اہل و عیال کے لیے ضروری نان و نفقہ پیدا نہ کر لیا جائے یا اُس کے ملنے کا پہلے سے تیقن نہ ہو جائے شادی سے اجتناب کیا جائے۔ مالتھس کے بعد جے۔ یس۔ مل وغیرہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شادی تو کرنی چاہیئے مگر شادی کے بعد نفسانی خواہشات پر قابو رکھنا چاہیئے۔ لیکن مالتھس خود اس قسم کا کوئی خیال ظاہر نہیں کرتا، بلکہ وہ یہ مشورہ دیتا ہے کہ ایک خاندان میں چھ سے زیادہ جتنے بچے ہوں ان کے نام سرکاری وظیفہ مقرر کیا جائے اس لیے کہ ایک شخص جب شادی کرتا ہے تو یہ نہیں جانتا کہ اُس کے کے بچے ہوں گے، لیکن کسی ناگہانی آفت سے نجات دلانے کے لیے اس قسم کی جو امداد دیجائیگی وہ لوگوں کو شادی کرنے کی جانب خواہ مخواہ راغب نہ کرے گی۔ اب بیاہ سے قبل معاشی حالات کو درست کرنے کا جو فریضہ ہے

وہ بالکل واضح ہے۔ لیکن مزدور پیشہ لوگوں کے معاملے میں مستقل محفوظ معاش کے خیال پر نامناسب زور نہ دینا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی جماعت میں شادی کی عمر کا مدار اس جماعت کے افراد کی عمر طبیعی پر ہوتا ہے۔ تاہم کم سنی کی شادیاں بہت 117
عام اور کثیر ہیں اور ان میں معاشی نقائص کے علاوہ دوسرے نقائص بھی ہیں۔ پس اگر ایسی شادیوں کے رواج کو تمام طبقوں میں روکنے کے لئے قانونی تدابیر اختیار کیے جائیں اور شادی کیلیے قانونی عمر قانوناً کسی قدر بڑھا دی جائے تو مفید ہوگا، گو یہ ایسی تبدیلی ہے جو کسی طرح خطرات سے خالی نہیں۔ اس کے برعکس پیروان مالتھس "غیر اختیاری تجرد" کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور یہ کافی طور پر نہیں جانتے کہ یہ ایک قابل افسوس ضرورت ہے۔ وہ نہ تو کافی طور پر خانہ داری کی زندگی کی قدر جانتے ہیں کہ گھر ایک اعلیٰ شہری صفات کے سیکھنے کا مدرسہ ہے اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ مرد و زن کے باضابطہ اور عمدہ تعلقات سے طرفین کو جو موثر طریقے سے تربیت حاصل ہوسکتی ہے (قطع نظر اس کے کہ اس اتحاد سے کیسی خوشی حاصل ہوسکتی ہے) اس کی معاشرتی اہمیت کیا ہے۔

مالتھس اپنے اصول سے ایک اور نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ وہ یہ کہ حکومت کو آئین و قوانین کے ذریعے سے تعداد نفوس میں اضافہ نہ کرنا چاہیے اور خاصکر یہ کہ قوانین افلاس نافذ نہ کیے جائیں بلکہ جہاں کہیں ایسے قوانین موجود ہوں منسوخ کردیے جائیں۔ اس قضیے کا پہلا حصہ اس لحاظ سے ناقابل تسلیم ہے کہ ہر معاشرتی حالت پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایک ایسی صورت میں جیسی کہ قدیم روما کی تھی، جہاں مسلسل فتوح اور جنگ آزمائی قوم کا اصلی پیشہ تھا، اور مسلسل جنگوں کی وجہ سے قوم کی آزادی یا لوگوں کی جانیں معرض خطر میں تھیں، بظاہر مدبران سلطنت کی وہی حکمت عملی دانشمندانہ ہوتی

جس کا مالتھس مخالف تھا۔ البتہ موجودہ صنعتی قوموں کے بارے میں مالتھس کا خیال عام طور پر صحیح ہے، حالانکہ نئے ممالک میں توطن کے طریقے کو جس طرح ترقی دی جاتی ہے وہ اصولاً ممالک میں ایزاد آبادی کی کوشش کے بعینہٖ مماثل ہے۔ رہا قوانین افلاس کا سوال تو اس سے کئی دوسرے امور بھی متعلق ہیں۔ اگرچہ انگلستان میں مالتھس کے زمانے میں یہ قوانین بے حد ناقص تھے مگر ان سے دوسرے معاشری رسم ورواج کے نقائص کی اصلاح ہوتی رہی اور ان قوانین میں اصلاح وترمیم کرنے کی جو کوششیں کی گئیں وہ عوام کے حق میں مفید ثابت ہوئیں اور اسی لحاظ سے ان کی تنسیخ کی تجویز کو کبھی نہ تو مدبران سلطنت نے مستحسن قرار دیا اور نہ عوام نے اختیار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ نظام کا مستقل رہنا کوئی یقینی امر نہیں۔ یہ نظام بہت زیادہ میکانیکی ہے اس میں مستحق وغیر مستحق کا امتیاز نہیں اور بعض حیثیتوں سے اس کے اصول سراسر ناقص اور نقصان رساں ہیں، وہ ان مستحق غریبوں کے ساتھ جو بدبختی کا نشانہ ہوتے ہیں اکثر نہایت برا سلوک کرتا ہے، اور نوجوانوں اور بچوں کے ساتھ معمولاً جو سلوک کرتا ہے اس پر بھی بڑے بڑے اور سخت اعتراض ہوسکتے ہیں۔ لیکن اس کو منسوخ کردینا سراسر ظلم ہوگا کیونکہ یہ ایک ایسا آئین ہے جس کا اس وقت تک باقی اور قائم رکھنا مناسب ہوگا جب تک کہ مزدوروں کی حیات وبقا کا مسئلہ زیادہ مکمل اور ہمدردانہ طریقے سے حل نہ ہوجائے۔ غربا کی امداد کے متعلق مالتھس کا جو خیال ہے اس پر عام اعتراض یہ عائد ہوتا ہے کہ مالتھس اوّلاً تو حد سے زیادہ مبالغے کے ساتھ کسی چیز کو ثابت کر دکھاتا ہے اور پھر اپنے ہی دلائل سے پسپا بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے استدلال سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور خود اس کے اصل مضمون میں بھی ایک مقام پر یہی درج ہے کہ "جو شخص اہل وعیال

کے لیے کافی نان و نفقہ مہیا کرنے سے قبل متاہل ہو جائے وہ قدرت کی طرف سے سزا کا مستحق ہے اور اُس کو مصائب برداشت کرنے چاہئیں، اُس کو سزا اور تکلیف سے بچانے کے لیے اسکی مدد کرنا ایسا ہی ہے جیساکہ قدرت کے قانون اور اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے لینا، اور اس قسم کی دست اندازی کا خیال نہایت مکروہ اور ذلیل قسم کی آرزو اور خواہش ہے"۔ اگرچہ اس کا نظریہ اُسکو اس نتیجے پر پہنچاتا ہے لیکن بحیثیت ایک عیسائی پادری ہونے کے وہ اس نظریے کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے ایک بھائی کو مصیبت زدہ دیکھ کر رحم و کرم کے ہاتھ اُس سے کھینچ لے۔ جہاں پر وہ مصیبت زدوں کی دستگیری کو معاشرت کے لیئے مضرت رساں خیال کرتا ہے، وہیں یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اُن کی امداد اگر فرض نہیں تو جائز ضرور ہے اور اس طرح پر ایک سرتاسر منطقی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ بجلی جس پر علمائے معاشیات کے اکثر مبالغہ آمیز بیانات کا اثر تھا اُس معقول نتیجے کو تسلیم کرتا ہے جس سے مالتھس نے پہلوتہی کی تھی۔ اور لکھتا ہے کہ صرف کوئی سبب ایسا ہے جو ہماری ذات سے متعلق ہے اور جس کی بنا پر مصیبت زدوں کی مدد کرنا واجب ہے یعنی اگر ان کے نالہ و بکا پر کان نہ دھریں تو اغلب ہے کہ خود ہمارے لطیف حسیات کُند ہو جائیں"۔

اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ بعض حلقوں میں مالتھس کے خیالات کو جو سریع قبولیت حاصل ہوئی اُس کا باعث ایک حد تک یہ تھا کہ قوم کے اعلیٰ طبقوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ ان خیالات کا رجحان متموّل اور مقتدر لوگوں کو مزدوری پیشہ طبقے کی خبرگیری کی ذمہ داری سے سبکدوش کرنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ خود مزدور قابل ملامت ہیں، اُن کے بالادستوں پر یا ملک کے دستور اور رسم و رواج پر الزام نہیں دھرا جا سکتا، نیز مالتھس کے

119 بعض متاخرین نے اُس کے نظریوں کی کچھ اس طرح پر تشریح
وتوجیہ کی کہ اُس کے اثر سے اصلاح معاشرت کی تمام کوششیں
سرد پڑ گئیں - چنانچہ شامل اس تبصرے کے سلسلے میں عوام کی
معاشی حالت کی ترقی و اصلاح کے تجاویز کو، جو عام طور پر پیش
کیئے جاتے تھے، اس بنا پر مسترد کرتا ہے کہ جب عیش و آرام میں
اضافہ ہوگا تو یقیناً تعداد نفوس بھی بڑھے گی، اور اس طرح پر
بعد کی حالت پہلے کی حالت سے زیادہ ابتر ہو جائے گی -

ڈاروِن کے نظریے کی شہرت اور قبول عام کے طفیل
حال میں مالتھس کو بھی ایک حد تک شہرت حاصل ہوگئی ہے
ڈاروِن اپنے نظریے کے الحاق و تعلق کا سراغ لگاتے لگاتے
"کشمکش حیات" کے ایک فقرے کی طرف اشارہ کرتا ہے
جس کو مالتھس نے معاشری مقابلے کے سلسلے میں استعمال
کیا تھا - ڈاروِن یہ سمجھتا تھا کہ انسان اسی کشمکش کی بدولت
اپنے موجودہ بلند مرتبے پر پہنچا ہے جو نتیجہ ہے کثرت تناسل
اور تعداد نفوس کے سریع اضافے کا - وہ یہ بھی تسلیم کرتا تھا
کہ معاشرت کی زیادہ مہذب حالتوں میں مزید ترقی انسانی کیلئے
اخلاقی اثرات کشمکش حیات کی جگہ لے لیتے ہیں پھر بھی کثرت تناسل
کے عنصر کو ترقی انسانی کے لیئے وہ اس قدر اہم سمجھتا ہے کہ
کشمکش حیات کے ان آلام و مصائب کا کافی لحاظ کرنے کے
باوجود جو ہر شخص کو منفرداً برداشت کرنے پڑتے ہیں، وہ آبادی
کے قدرتی اضافے میں (جس سے اُس کی مراد غالباً معمولی
شرح اضافہ معلوم ہوتی ہے) کسی قسم کی بڑی تخفیف کو نامناسب
خیال کرتا ہے - حال میں بعض مقامات پر نظریۂ بقائے اصلح کا
انسانی جماعت پر اس طریقے سے اطلاق کرنے کا رجحان ظاہر
ہوا ہے جس سے مالتھس کے پیش کردہ سخت خصوصیات میں

مزید تشدد پیدا ہوگیا ہے مثلاً اس خیال پر زور دیا جا رہا ہے کہ جس چیز میں اپنے آپ کو باقی رکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس کا فنا ہو جانا حق بجانب ہے، اور یہ اس کو فنا ہونے دینا چاہیئے لیکن انسانیت بحیثیت ایک فیصلہ کُن قوت، حیواناتی و معاشری دونوں حالات پر جو اثر ڈالتی ہے اس پر وسیع نظر ڈالی جائے تو اس تصوّر کی ناخوش گواری دور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جس طرح حیواناتی عالم میں انسان کی فوقیت کے باعث ایک نئی قوت کا وجود عمل میں آیا ہے اور اس قوت کے ہاتھوں میں تحتانی انواع کی قسمتوں کا فیصلہ و انتظام ہے اسی طرح معاشری ماحول میں بھی عقل انسانی کمزور افراد کے بچاؤ کے لیے دست اندازی کر سکتی اور اپنے ارادی فعل سے آپس کی نزاع و مقابلے کو جو خود غرضی پر مبنی ہو روک سکتی ہے۔[لہ]

ڈیوڈ ریکارڈو
۱۷۷۲ء - ۱۸۲۳ء 120

ڈیوڈ ریکارڈو یقیناً آدم اسمتھ کا ہم مشرب ہے، وہ آدم اسمتھ کے اکثر نظریوں کو تسلیم کرتا ہے، گو اسمتھ کے بعض فروع و تفصیلات میں بھی ترمیم کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن طریق بحث کا جہاں تک تعلق ہے، ریکارڈو کا طریق اسمتھ کے طریق سے بہت مختلف ہے، اسمتھ نے

لہ مالتھس کے سب سے اہم معاشی تصانیف یہ ہیں (۱) Essay on population اور (۲) Enquiryin to the nature and progress of rent وہ دوسری کتابوں مثلاً (۱) Definitions in Political Economy (۲) Principles of Political Economy کا اور دیگر کم اہم کتابوں کا بھی مصنف ہے۔ ان کم اہمیت رکھنے والی کتابوں کے لیئے اور اس کی شخصی تاریخ کے لیئے دیکھو (۱) Jame's Bonar's Malthus and his works (2) Jame's Bonar's " Letters of Recordo to malthus.

حقائق زندگی کے قریب رہنے کی کوشش کی تھی اور انسانوں اور اشیاء کے حالات و تعلقات کو اسی طرح پیش کیا تھا جس طرح کہ وہ حقیقت میں موجود تھے، اور جیسا کہ ہیوم نے اسمتھ کی کتاب کو پہلی مرتبہ ہی پڑھ کر لکھا تھا، اسمتھ ہر جگہ اپنے اصول کی عجیب و غریب واقعات سے تشریح کرتا اور اُن کی بے شمار تمثیلیں پیش کرتا ہے۔ اسکے بالکل برعکس ریکارڈو کا طریقہ ہے یعنی وہ مجرد تصورات کے عالم میں سرگرداں رہتا ہے اور ایسے مفروضات سے ابتدا کرتا ہے جو کم و بیش حقیقت میں موجود نہیں ہوتے اور انھیں مفروضات سے بطریق استخراج استدلال کر کے اپنے نتائج کے صحیح ہونے کا اعلان کر دیتا ہے، ریکارڈو نہ تو مفروضہ حالات کے ایک حد تک غیر صحیح ہونے کا کچھ لحاظ کرتا اور نہ واقعات و مشاہدات سے اپنے نتائج کی توجیہ و تصدیق کرتا ہے بلکہ محض فرضی مثالوں سے تشریح کرنے کی کوشش کرتا ہے، مثلاً وہ عام طور پر دو جنگلی انسانوں کی مثال فرض کرتا ہے کہ گویا وہ آپس میں معاہدہ کر رہے ہیں اور پھر اُن کے طرز عمل کے متعلق فرضی خیالات قائم کرتا چلا جاتا ہے، ریکارڈو نے نہ تو معاشیات کے صحیح طریقے کی با ضابطہ تحقیق کی اور نہ، جیسا کہ اغلب معلوم ہوتا ہے وہ اس کی صلاحیت ہی رکھتا تھا، معاشیات کے لیے کون سا طریقہ موزوں اور صحیح ہو سکتا ہے اس کے بارے میں کوئی رائے ظاہر نہیں کرتا۔ چنانچہ اس کے طریق استدلال کی نظری تشریح و توجیہ جے۔ ایس۔ مل اور کیرنس کے حصے میں آئی لیکن ریکارڈو کی مثال کا اثر اُس کے اپنے متاخرین کے عمل کے متعین کرنے میں بڑی حد تک پڑا۔ اس اولوالعزم نظریاتی کو منطقی طریق کچھ ایسا دلاویز معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سے کام لے کر بیان میں خاص جامعیت، صحت اور تیقن پیدا کر دیتا ہے، اس کے بنائے ہوئے

ضابطے اس قدر سادہ اور پُرمغز ہوتے ہیں اور اُن سے استدلال میں اس قدر سہولت ہوتی ہے کہ اگرچہ اُن سے اہم سوالات کا حقیقی حل نہیں ہو سکتا تھا مگر بظاہر اکثر بڑی حد تک سوالات سلجھ جاتے تھے۔ اگرچہ اسمتھ کے اساسی اصول میں کسی قدر غلطی تھی اور وہ تنگ نظری پر مبنی تھے مگر خود اُس کے عملی حِس اور حقیقت شناسی کے جذبے نے ان نقائص کو بڑی حد تک دور کر دیا تھا، اس کے برعکس ریکارڈو اور اُس کے پیروؤں کے مجرّد اصول میں یہ تنگ نظری اور غلطیاں انتہائی صورت میں اور مبالغہ آمیز
طریقے سے ظاہر ہوتی ہیں۔ 121

یوں تو ریکارڈو کے طریق میں کئی نقائص ہیں مگر اس کے اصطلاحوں کا استعمال اس قدر غیر معین ہے کہ اس سے اور بھی زیادہ ابتری پیدا ہو گئی ہے، سینیر لکھتا ہے کہ "کسی مصنف کو محض غلط طریقے پر اُصول پیش کرنے کے باوجود اگر فلسفی ہونے کی شہرت حاصل ہوئی تو وہ ریکارڈو ہی تھا"۔ خود ریکارڈو کے سب سے زیادہ جوشیلے مداح بھی اس بات کو محسوس کیئے بغیر نہ رہ سکے کہ وہ مبہم الفاظ استعمال کرتا ہے جس کے مختلف معنیٰ لیئے جا سکتے ہیں اور مطلب صاف نہیں نکلتا۔ یہ اشخاص اس کی ساری غلطیوں کی بنیاد صرف یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ ایک عام اصطلاح کو ایک جگہ پر کسی معنیٰ میں استعمال کرتا ہے اور دوسری جگہ اپنے ذہن میں اسی اصطلاح کے دوسرے معنیٰ لیتا ہے۔

ریکارڈو کے نظام کی مکمل ترین تشریح اُسکی کتاب "اصول معاشیات و محصولات"[1] (سنہ ۱۸۱۷ء) میں موجود ہے۔ اس میں علم معاشیات کی کوئی مکمل اور باقاعدہ بحث نہیں ہے بلکہ قدر و قیمت کے سوالات،

---

[1] Principles of Political Economy and Taxation

لگان، اجرت، منافع، محصول، تجارت، زر اور بنک پر سلسلے کے ساتھ
مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ مضامین منتشر اور ایک دوسرے
سے بے تعلق ہیں، پھر بھی بعض بعض اساسی تصورات بار بار
دُہرائے گئے ہیں، چنانچہ یہی کتاب کی خصوصیت متمائز ہے۔
ریکارڈو نے تقسیم دولت کے مسئلے پر یعنی یہ کہ زمیندار، اصلدار[1]
اور مزدوروں کو کسی ملک کی مجموعی پیداوار سے کتنا کتنا حصہ ملیگا
خاص طور پر بحث کی ہے اور سب سے اہم قابل ذکر امر یہ ہے
کہ معاشرت کی ترقی کے ساتھ ان تینوں طبقوں کے مختلف حصوں
میں جو جو ردّ و بدل ہوتا ہے اسی سے ریکارڈو بحث کرنے کا دعویٰ
کرتا ہے یعنی ایک ایسے مصنف سے، جس کو تاریخ سے قطعاً کوئی
دلچسپی نہ تھی، معاشی حرکیات کے نظریے کی ضرورت کا احساس
ظاہر ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نظریہ خود اسی کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے
ناممکن تھا۔ ریکارڈو سب سے پہلے جس مسئلے کو پیش کرتا ہے اور
جس کو حقیقۃً سب کی کنجی کہنا چاہیئے، وہ مسئلۂ قدر ہے۔ وہ یہ رائے
ظاہر کرتا ہے کہ آزاد مسابقت میں ہر شے کی قیمت، جس کی رسد میں
بوقت ضرورت اضافہ کیا جاسکتا ہو، اُس محنت سے متعین ہوتی ہے
جو اُس شے کی تیاری میں لابدی درکار ہو۔ اس قسم کے اُصول پہلے
کی انگریزی تصانیف سے قطع نظر کرتے ہوئے خود اسمتھ کی کتاب
"دولت اقوام" میں موجود ہیں۔ اسمتھ لکھتا ہے کہ معاشرت کے اس
122 ابتدائی اور غیر مہذب دور میں، جو فراہمی اصل و تملیک زمین کے

[1] "آپ کا خیال یہ ہے کہ معاشیات "دولت کے اسباب و نوعیت کی تحقیق کا نام
ہے۔ مگر میری رائے میں اگر معاشیات کو "تقسیم دولت کے قوانین کی تحقیق سے" تعبیر
کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔" (دیکھو ریکارڈو کے خطوط مالتھس کے نام (Letters of
Ricardo to Malthus Ed. by J. Bonar (1889)

دوسرے پیمانے تھا، مختلف اشیاء کے حصول میں جو محنت و مشقت کرنی پڑتی تھی، محض اُسی کے تناسب کی بنا پر اشیاء کا ایکدوسرے سے تبادلہ ہوتا تھا۔ لیکن اُس کے تصوّر میں تذبذب پایا جاتا ہے، وہ کبھی تو اس محنت کو پیمانۂ قدر قرار دیتا ہے جو کسی شے کی تیاری کے لیئے ضروری ہے اور کبھی اُس محنت کو جو اُس شے کے معاوضے میں بازار میں مل سکتی ہے، حالانکہ یہ دو چیزیں صرف بعض اوقات اور بعض مقامات ہی میں یکساں ہو سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ ایک ترقی یافتہ معاشری نظام کی مناسبت سے ترمیم چاہتا ہے۔ اگر اصل کے استعمال کا لحاظ کیا جائے تو یہ مسئلہ وہی شکل اختیار کرلے گا جس کو کسی جگہ ریکارڈو نے بالتخصیص سے نقل کر کے پیش کیا ہے یعنی یہ کہ ایک شے کی اصلی قیمت کا "مدار اس کم و بیش مقدار اصل و محنت پر ہوتا ہے جس کا اس شے کی تیاری میں لگانا ضروری ہے" ("مقدار اصل" کی اصطلاح ناقص ہے اس میں وقت کا عنصر نظرانداز کر دیا گیا ہے، لیکن معنی صاف ہیں) پھر بھی ریکارڈو ہمیشہ اصل کو نظرانداز کرتا ہے، اور اپنے اس اُصول کی تشریح کے سلسلے میں صرف محنت کا ذکر کرتا ہے۔ اور اصل کو "اندوختۂ محنت" کہہ کر اپنے عمل کو حق بجانب ٹھہرانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن واقعات پر اس طریقے سے سطحی نظر ڈالنے سے عمل پیدائش میں اصل کی کارگزاری کی نوعیت پر پردہ پڑ جاتا ہے اور "اصل کی کارگزاری" کو اس طرح نظرانداز کر دینا اشتراکیئین کی غلط فہمیوں میں مدد دیتا ہے۔ ریکارڈو پیمانۂ قدر اور تقدر و قیمت کے سبب میں کافی امتیاز نہیں کرتا وہ اس اصول کا سلسلہ کہ مصارف پیدائش کی بنا پر اشیاء کی قیمت متعیّن ہوتی ہے اُس کی اساسی بنیاد سے نہیں ملاتا۔ اور یہ اساسی بنیاد یہ ہے کہ مصارف پیدائش رسد کی تحدید کرتے ہیں اور رسد کی بنا پر قیمت قرار پاتی ہے۔ ہم نے جس مسئلے کو بیان کیا اس سے

کسی شے کی "قدرتی" یا معیاری قیمت قرار پاتی ہے۔ بازاری قیمت
اس معیار سے عارضی طور پر انحراف کرتی رہتی ہے اور اس کا مدار
رسد وطلب کی تبدیلیوں پر ہوتا ہے، مگر ایک مستقل اور طولانی مدت
میں قیمت، مصارف پیدائش کے تابع ہوگی، جیسا کہ اوپر بیان
ہوچکا ہے۔ اس بنیاد پر ریکارڈو ان قوانین کی تشریح کرتا ہے جن کے
مطابق ملک کی زمین اور محنت کی پیداوار پیدائش دولت میں حصہ لینے والی 123
مختلف جماعتوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

نظریۂ لگان، جس سے ریکارڈو ابتدا کرتا ہے، اگرچہ بالعموم اسی
کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے اور اس کے عام معاشیات
کے خاکے کا اہم ترین جزو ہے، دراصل اس کا ساختہ پرداختہ نہیں
اور نہ خود اس نے کبھی اس کا دعویٰ کیا، بلکہ اپنے "اصول"[1] کے
مقدمے میں صاف طور پر لکھتا ہے کہ "سنہ ۱۸۱۵ء میں مالتھس نے
اپنی کتاب "لگان کی نوعیت کی تحقیق"[2] اور یونیورسٹی کالج اکسفورڈ[3]
کے ایک رفیق نے اپنے ایک مضمون "زمین اور شغل اصل"
میں تقریباً ایک ہی زمانے میں اصلی نظریۂ لگان کو دنیا کے سامنے
پیش کیا۔" اس میں جس دوسرے مصنف کا حوالہ دیا گیا ہے وہ
سر ایڈورڈ ویسٹ تھا جو عدالت العالیہ بمبئی کا جج تھا۔ بقول ہم کلاک
مالتھس اور ویسٹ سے بھی بہت عرصے قبل ڈاکٹر جیمس انڈرسن نے
نظریۂ لگان کا صحیح تصور قائم کیا تھا، اور اپنی کتاب "قوانین غلہ
کی نوعیت کی تحقیق"[4] میں (جو بمقام ایڈنبرا ۱۷۷۷ء میں شائع ہوئی) اس

---

[1] Principles

[2] Inquiry into the Nature and Progress of Rent

[3] On the application of capital to Land

[4] Enquiry into the Nature of Corn Laws

نظریے کی کافی تشریح کی تھی - یہ امر کہ مالتھس اور ویسٹ اس تصنیف سے ناواقف تھے، ہم ہر طرح تسلیم کر سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں نظریۂ لگان کو جس صفائی کے ساتھ پیش کیا گیا اور جس اطمینان بخش طریقے سے اس کی توجیہ کی گئی ہے، وہ ان دونوں کے انداز سے ملتا جلتا ہے - اور انڈرسن نے بحیثیت مجموعی اس کو جن انداز سے بیان کیا ہے وہ ریکارڈو کے پیش کردہ طرز بیان سے نمایاں مماثلت رکھتا ہے -

اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کاشتکار زمین کی پیدا آور قوتوں کے استعمال کے صلے میں مالک زمین کو جو قیمت ادا کرتا ہے اُسکا نام لگان ہے، اور یہ پیداوار زمین کی قیمت میں سے مصارف کاشت منہا کرنے کے بعد جو حاصل زائد بچتا ہے اُس کے مساوی ہوتا ہے - جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوتا ہے اور اشیائے خوردنی کی مانگ بڑھتی ہے ویسے ویسے کم زرخیز زمینوں پر کاشت پھیلتی جاتی ہے اور آبادی کی ضرورت کے لحاظ سے جتنی رسد مطلوب ہوتی
ہے سب کی قیمت اُس پیداوار کے مصارف کاشت کی بنا پر 124
قرار پاتی ہے جس کی تیاری میں بیش ترین مصارف ہوئے ہوں - لیکن ایسی زمین سے جس سے محض مصارف کاشت ہی وصول ہوں کوئی لگان وصول نہ ہوگا، زمین کی زرخیزی کیسی ہی ہو اُس کا لگان اُس زمین کے مصارف اور اُس پیداوار کے مصارف کاشت کے فرق کے برابر ہوگا جس کی تیاری میں بیش ترین صرفہ ہوا ہے -

نظریۂ لگان اس مفروضے کے ذریعے سے سب سے سہل طریقے سے سمجھ میں آتا ہے جو یہاں پر قائم کیا گیا ہے کہ ایک ملک میں زمین کے مختلف قطعات مختلف زرخیزی کے موجود ہیں - جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوتا ہے سب زمینوں پر

اُن کی زرخیزی کے مدارج کے لحاظ سے کاشت پھیلتی جاتی ہے۔
اگرچہ بعض اوقات ریکارڈو یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ زرخیزی کا اختلاف
لگان کے پیدا ہونے کی ضروری شرط ہے، لیکن ایسا خیال قائم
کرنا حقیقت میں غلطی ہے۔ اگر کسی ملک کی سب زمینیں زرخیزی میں
برابر اور یکساں بھی ہوں اور اُن سب پر کاشت ہوتی ہو، تب بھی یقیناً
اُن سے لگان وصول ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کی قیمت
اُن مصارف سے کسی قدر زائد ہو جو محنت و اصل کی شکل میں زمین پر
لگائے گئے ہوں۔ یہ ایک فرضی مثال ہے جس کو ہم نے سہولت تفہیم
کی غرض سے پیش کیا اور آئندہ اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔
جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، چونکہ پیداوار کی قیمت اس زمین
کے مصارف کاشت کی بنا پر قرار پاتی ہے جس سے کوئی لگان نہ
ملتا ہو اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "لگان غلے کی گرانی کا باعث
نہیں بلکہ غلے کی گرانی لگان کا باعث ہے" اور "اگر زمیندار لگان
معاف بھی کر دیں تب بھی غلے کی قیمت میں کوئی تخفیف واقع نہ
ہوگی۔" واقعہ یہ ہے کہ نرخ کے متعین کرنے میں لگان کا کوئی حصہ
نہیں ہوتا، بلکہ لگان خود نرخ کا آفریدہ ہوتا ہے، اگر لگان نہ بھی ادا
کیا جائے اور پیداوار کی سب قیمت کاشتکار اپنے ہی پاس
رکھ لے تب بھی قیمت وہی رہے گی جو لگان ادا کرنے کی صورت
میں ہوتی۔ آیا آدم اسمتھ اس نظریۂ لگان کو تسلیم کرتا تھا، اس سوال پر
بہت کچھ بحث اور رد و قدح ہو چکی ہے۔ اسمتھ بعض اوقات
ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا
مفہوم بھی وہی تھا اور ایسے اُصول پیش کرتا ہے جن پر نظر غائر ڈالی
جائے تو بلا کم و کاست وہی مطلب نکلتا ہے جو کہ مذکورۂ بالا نظریے
سے نکلتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر لکھتا ہے "جیسا کہ پہلے
بیان کیا جا چکا ہے کہ "پیداوار زمین کا صرف ایسا حصہ بالعموم

بازار تک لایا جا سکتا ہے جس کی معمولی قیمت سے منافع کے علاوہ
وہ اصل بھی وصول ہو جائے جو اس کی پیدائش میں صرف ہوا ہے
اگر معمولی قیمت ان مصارف سے زیادہ ہو تو ماحصل زائد یقیناً
لگان زمین شمار ہوگا اور اگر معمولی قیمت زائد نہیں ہے تو باوجود
اس امر کے کہ وہ شے بازار تک لائی جا سکتی ہے، زمیندار کو
کوئی لگان وصول نہ ہوگا۔" رہی قیمت کی کمی و بیشی تو وہ طلب پر
موقوف ہے۔" بقول ریکارڈو، اسمتھ نے معدنیات کی بحث 125
کے سلسلے میں نظریۂ لگان کو نہایت خوبی اور وضاحت کیساتھ
بیان کیا ہے۔ اسمتھ نے یہ رائے قائم کی تھی کہ دنیا میں کوئی
ایسی زمین نہیں ہے جس سے زمیندار لگان وصول نہ کر سکتا ہو
لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اُس نے یہ رائے ایسی صورتوں کی
بنا پر اخذ کی جن میں ایک پورا معاشی قطعہ ایسے چھوٹے چھوٹے
قطعات زمین پر مشتمل ہوتا ہے جن میں سے کچھ تو لگان ادا کر سکتے
ہیں اور کچھ ادا نہیں کر سکتے۔ درحقیقت یہ واقعہ (اگر اس کو واقعہ
کہا جا سکتا ہے) کہ ایک مُلک کی تمام زمینوں سے لگان وصول
ہو سکتا ہے، انڈرسن کے نظریے کے مقابلے میں ایک
غیر متعلق سی بات ہوگی اس لیے کہ اگر ایک ایسی زمین پر جو زیر کاشت
ہو اصل لگایا جائے اور ماحصل صرف بقدر معمولی منافعہ
وصول ہو تو یہ حاصل لگان نہ ہوگا۔ اس اصل پر ماحصل زائد یعنی
لگان اُسی وقت مل سکتا ہے جبکہ پیداوار کی قیمت میں اضافہ
ہو جائے۔

بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ اگرچہ اسمتھ کے بعض مبہم اور
پیچیدہ عبارتوں سے صاف طور سے واضح نہیں ہوتا لیکن حقیقت
میں اسمتھ، انڈرسن کے نظریے کا قائل تھا، اگر ہم ہیوم کے ایک
خط پر غور کریں جو کہ اُس نے اسمتھ کی کتاب "دولت اقوام" کو

پہلی مرتبہ پڑھنے کے بعد اسمتھ کو لکھا تھا تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے، اسمتھ کے خیالات سے (غالباً کتاب اول باب دوم کی بحث کی طرف اشارہ ہے) عام اتفاق ظاہر کرتے ہوئے ہیوم لکھتا ہے کہ "میں یہ تو جانتا ہوں کہ پیداوار کی قیمت کلیتہً طلب اور مقدار رسد کے اثر سے متعین ہوتی ہے لیکن یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کھیتوں کا لگان پیداوار کی قیمت کا جزو بن سکتا ہے" یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ انڈرسن کی ایک کتاب ۱۷۷۷ء میں شائع ہوئی اس میں نظریۂ لگان کی تشریح کی گئی ہے، اور اسمتھ نے برآمد غلہ پر انعامات مقرر کرنے کے بارے میں جو اعتراضات کیے انکی تردید میں انڈرسن کے دلائل بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب اسمتھ کی نظر سے ضرور گزری ہوگی، مگر پھر بھی اسمتھ پر نہ تو اس کتاب کے استدلال کا کوئی اثر پڑا اور نہ ہیوم کے خط کا، مسئلۂ لگان کے بارے میں اپنے پہلے ایڈیشن میں جو کچھ اس نے لکھا تھا وہ اسی پر قائم رہا اسمیں کسی قسم کی ترمیم نہ کی۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مختلف زمینوں کے اعلیٰ و ادنیٰ زرخیزی کے فرق ہی سے لگانوں کے فرق کا تعین نہیں ہوتا بلکہ کسی کھیت کے عمدہ یا خراب محل وقوع، بازار سے اس کے قرب و بُعد یا ریلوں اور سڑکوں کی سہولت و دقت سے بھی اس فرق کا تعین ہوتا ہے، اگر اخراجات باربرداری کم ہوں تو پیداوار کو کھیت سے بازار تک لانے میں یقیناً کم صرفہ ہوگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ زیادہ لگان وصول ہو۔ ریکارڈو نے اسکی تشریح تو کی مگر اس کو خاص طور پر زور دے کر نہیں بیان کرتا محض زمینوں کی اضافی پیداآوری کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے، ریکارڈو لگان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ ایک قیمت ہے جو "زمین کی قدرتی اور مستقل یا ناقابل فنا قوتوں" کے استعمال کے معاوضے میں ادا

کی جاتی ہے، اس طرح وہ اپنی اصطلاح میں لگان کا وہ مفہوم نہیں لیتا جو کہ عام طور پر لیا جاتا ہے، اُس کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اکثر لگان سے پہلے لفظ "حقیقی یا معاشی" کا اضافہ کرنا پڑتا ہے یوں تو کاشتکار جو کچھ ماحصل زائد زمیندار کو ادا کرتا ہے اُس کا ایک حصہ عام طور سے زمیندار کی اُس محنت کا منافعہ ہوتا ہے جو اُس نے کاشتکار کے حوالے کرنے سے قبل زمین کو قابل کاشت بنانے میں صرف کی ہوگی۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگر زمین کی درستی اس طرح کی جائے کہ اصل زمین کا جزو بن جائے اور زمین کی پیدا آور قوتوں میں مستقل اضافہ ہو جائے تو ان ترقیات کی وجہ سے جو آمدنی ہوگی وہ قانون منافعہ کے تحت نہ ہوگی بلکہ قانون لگان کے تحت۔ بنابریں زمیندار کو جو آمدنی وصول ہوتی ہے اُس میں یہ امتیاز کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے کہ اُس کا کتنا حصہ "زمین کی قدرتی قوتوں کے استعمال کا صلہ ہے اور کتنا اُن ترقیات اصلاحات کا صلہ ہے جو اُس نے یا اُس کے پیش روؤں نے زمین پر کئے ہیں۔ کھیتوں میں مستقل ترقیات ہو جانے سے کھیتوں کی قوت پیدا آوری میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اُن کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا قدرت ہی نے شروع سے ان کو اتنی قوت پیدا آوری بخشی تھی۔

اسمتھ نے زراعت اور دیگر طریقہ ہائے پیدائش کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ زراعت میں انسان اور قدرت دونوں مل کر کام کرتے ہیں اور دیگر طریقہ ہائے پیدائش میں تنہا انسان ہی کی کوشش ہوتی ہے، چنانچہ صنعتی کاروبار میں اہل حرفہ کی محنت سے محض اصلداروں کا اصل اور آجروں کا منافع مل سکتا ہے لیکن زراعت میں کاشتکاروں کی محنت سے اصلداروں کے اصل اور آجروں کے منافع کے علاوہ زمینداروں کو لگان بھی وصول ہوتا ہے، اس لگان کو اسمتھ قدرت کا ایک آزاد عطیہ

سمجھتا تھا جو جملہ اخراجات اور انسان کی محنت کے معاوضے کو منہا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ ریکارڈو اس خیال کی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ صنعت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں قدرت انسان کی اعانت و امداد نہ کرتی ہو، محض زراعت میں
قدرتی اعانت کا خیال غلط ہے اور ساتھ ہی بوکانن کا یہ قول نقل 127
کرتا ہے کہ "یہ خیال کہ زراعت میں پیداوار کے مصارف کے علاوہ لگان اس لیے وصول ہوتا ہے کہ کھیتی باڑی میں قدرت انسان کا ہاتھ بٹاتی ہے، محض مہمل ہے، کیونکہ لگان دراصل محض پیداوار سے وصول نہیں ہوتا بلکہ قیمت پیداوار سے وصول ہوتا ہے، اور لگان لانے والی قیمت اس بنا پر وصول نہیں ہوتی کہ قدرت انسان کے ساتھ شریک کار ہے بلکہ اس وجہ سے وصول ہوتی ہے کہ یہ قیمت طلب و رسد کو متوازن کرتی ہے"۔

اضافۂ لگان سے پوری قوم کو ہرگز فائدہ نہیں پہنچتا، اس اضافے سے محض زمیندار ہی مستفید ہوتے ہیں اور اس طرح زمینداروں کے اغراض قوم کی دوسری سب جماعتوں کے اغراض کے ہمیشہ متضاد ہوتے ہیں۔ زرعی ترقیات مثلاً نئی نئی کلیں یا کھاد استعمال کرنے سے یا زرعی مزدوروں کی تنظیم سے (اگرچہ زراعت میں اس قسم کی تنظیم کی اس قدر گنجائش نہیں ہے جسقدر کہ پیدائش کے دوسرے شعبوں میں ہے) یا بیرونی ممالک سے غلے کی فراہمی کا انتظام کرنے سے اضافۂ لگان کو روکا جا سکتا ہے، یا اس میں عارضی طور پر تخفیف کی جا سکتی ہے۔ لیکن جب تک آبادی میں اضافہ ہوتا رہے گا لگان کا دائمی رجحان لازمی طور پر اضافے کی طرف ہوگا۔

ریکارڈو کے نظام میں مسئلۂ لگان کو خاص عظمت و اہمیت حاصل ہے، اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ریکارڈو قوم کی موجودالوقت

معاشی حالت کا مدار اُس وقت کے زرعی استحصال کی حالت پر قرار دیتا ہے۔ اس کا ثبوت ہم کو اُس کے اجرت و منافع کے نظریے سے ملتا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔ محنت و اصل کے ہر جرعے سے پیداوار حاصل ہوتی ہے اور یہ پیداوار مزدور اور اصلدار میں تقسیم ہوتی ہے۔ اگر ایک کو زیادہ حصہ ملے تو اسی مناسبت سے دوسرے کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔ اگر مزدوروں کی پیداآوری کو مقررہ تسلیم کر لیا جائے تو منافع کی مقدار میں صرف اضافۂ اجرت کے سبب سے تخفیف ہو سکتی ہے اور اجرت میں تخفیف ہونے سے منافع کی مقدار میں اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ محنت کی قیمت (اجرت) مزدور کے مصارف پیدائش کے مساوی ہوتی ہے اس لیے اجرت کا تعیّن ان اشیاء کی قیمتوں کی بنا پر ہوتا ہے جو مزدور کے بقائے حیات کے لیے لازمی ہیں۔ مزدور کو از قسم مصنوعات جن اشیا کی ضرورت ہوتی ہے اُن کی قیمت کا دائمی رجحان تخفیف کی طرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ صنعت کے شعبے میں تقسیم عمل کا رواج بہت وسیع پیمانے پر ہے لیکن اسکے مصارف زندگی زیادہ تر مصنوعات سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ اشیائے خوردنی کی قیمت سے متعلق ہوتے ہیں اور تمدن کی ترقی اور آبادی کے اضافے کے ساتھ ساتھ غذا کے حاصل کرنے کے لیے زیادہ محنت درکار ہوگی جس کی وجہ سے اشیائے خوردنی کی قیمت میں اضافہ ہونا ناگزیر امر ہے اور اس اضافۂ قیمت کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اجرت متعارفہ بڑھ جائے گی۔ اور منافع میں تخفیف واقع ہوگی۔ اس طرح کم زرخیز زمینوں کا زائد پیداوار حاصل کرنے کے لیے زیر کاشت لانا یا اسی زمین پر اصل و محنت کے مزید جرعوں کا استعمال کرنا جن سے پیداوار نسبتہً کم حاصل ہو منافع کی اُس کمی کا باعث ہے جو تاریخ میں پائی جاتی ہے۔ اسمتھ شرح منافع کی اس تخفیف کو اصلداروں کے 128

باہمی مقابلے کی طرف منسوب کرتا ہے حالانکہ اس کی کتاب اوّل باب نہم[1] سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ریکارڈو کے مذکورۂ بالا اصول سے ناواقف نہ تھا لیکن اگر اشیائے ضروریات کی تیاری میں نئی نئی مشینیں استعمال ہونے لگیں اور زراعت میں ایسی ایجادیں اور ترقیاں ہوں جن کی بدولت مزدور کی شدید ترین ضرورتیں کم صرفے سے پوری ہوجایا کریں تو بعض صورتوں میں منافع کی تخفیف رک جاتی ہے۔ اس طرح پر اصلدار کا تو بیشک نقصان ہے لیکن مزدور کا بھی اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ محض اجرت متعارفہ میں اضافہ ہوجانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مزدور فائدے میں ہے کیونکہ اگر اس کی ضرورت کے اشیاء کی قیمتیں اس قدر زائد ہیں کہ وہ اپنی زائد اجرت سے اپنی ضرورتوں کو اس طرح کما حقہٗ اور سہولت کے ساتھ پورا نہیں کرسکتا جس طرح کہ پہلے کرتا تھا تو اس کی دوسری حالت پہلے سے بہتر نہیں کہی جاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مزدور کسی مدت دراز تک اس آمدنی سے زیادہ نہیں کما سکتا جتنی کہ مزدوروں کی عام جماعت کو رسم و رواج کے مطابق آرام سے بسر کرنے اور اپنی نسل کو بغیر اضافے یا تخفیف کے قائم رکھنے کیلیے ناگزیر ہے۔ یہی مزدور کی "اصلی" یا "قدرتی" اجرت ہے، اگر اجرت کی بازاری شرح اس معیاری یا قدرتی اجرت سے عارضی طور پر بڑھ جائے تو یقیناً آبادی میں اضافہ ہوگا اور پھر اجرت کی شرح میں تخفیف واقع ہوگی۔ لگان کا رجحان ہمیشہ بڑھنے کی طرف اور منافع کا رجحان

[1] جوں جوں نوآبادی میں تعداد نفوس بڑھتی ہے اصل کا منافع بتدریج گھٹتا جاتا ہے۔ جب تمام بہترین زمینیں زیر کاشت آجاتی ہیں تو کم زرخیز زمینوں پر کاشت کرنے سے منافع بھی کم وصول ہوتا ہے اور جو اصل ان زمینوں پر لگایا جائیگا ان پر سود بھی کم ہوگا (دیکھو باب نہم) مگر اسی خیال کو ٹیوٹ نے بھی اس سے قبل ظاہر کیا تھا (مترجم)۔

دائمی طور سے گھٹنے کی طرف ہوتا ہے، لیکن اجرت کے اضافے یا
یا تخفیف کا مدار مزدوروں کی تعداد کی شرح اضافہ پر ہے۔ اسی لحاظ
سے ریکارڈو مالتھس کے تدابیر کی سرسبزی کا یقین نہیں رکھتا تھا
مگر مزدوروں کی حالت کی اصلاح کرنے کی غرض سے مالتھس ہی کے
تدابیر کو اختیار کرتا ہے۔ ریکارڈو آبادی کے اضافے کی روک تھام
کے لیے یہ تدابیر پیش کرتا ہے:- قوانین مفلسی کو بتدریج منسوخ 129
کیا جائے (وہ ان قوانین میں محض ترمیم کرنے پر قانع نہیں ہے)
اور مزدوروں میں زیادہ عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا صحیح
ذوق پیدا کیا جائے۔

یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اشترائکین نے اس قانون کا رشتہ کہ "مزدور کو اجرت کی اتنی ہی مقدار ملنی چاہیے جتنی کہ اُس کی اور اس کے اہل و عیال کی بقا و پرورش کے لیے ضروری ہو" ریکارڈو کے آہنی قانون اجرت سے ملانے میں مبالغے سے کام لیا۔ ریکارڈو "معیار زندگی" کے اثر کو تسلیم کرتا ہے، کہ یہی مزدوروں کی تعداد کے اضافے پر حد بندی قائم کرتا ہے اور اجرت کو مایحتاج حیات کی اقل ترین حد سے اوپر رکھتا ہے۔ لیکن وہ یہ خیال بھی ظاہر کرتا ہے کہ قدیم ملکوں میں جہاں لوگ مدت دراز سے آباد ہوں اگر اضافۂ آبادی کو روکنے میں خاص تدابیر اختیار نہ کیے جائیں تو مرور زمانہ کے ساتھ مزدور کی حالت میں اُسی سرعت کے ساتھ اور اُنھیں اسباب کی بنا پر انحطاط واقع ہوگا جن کی بنا پر زمیندار کی حالت میں ترقی ہوگی۔

اگر ہم سے پوچھا جائے کہ آیا یہ نظریۂ لگان اور اُس کے نتائج جو ریکارڈو نے اخذ کیے، صحیح ہیں؟ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ صرف سب سے زیادہ ترقی یافتہ صنعتی ممالک میں اور وہ بھی مفروضی طور پر صحیح ہیں۔ مگر ہم ان ممالک میں بھی ان نتائج کی

بناپر کوئی صحیح اور صائب عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کو سخت تعجب ہے کہ ہندوستان اور آئرلینڈ پر ان نتائج کا اطلاق کیونکر جائز رکھا گیا۔ اس قسم کا اطلاق کرنا ایک زبردستی کی سی بات ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائیگا معاشیات قدیم کے نظریات کی قدر و منزلت مندرجۂ ذیل وجوہ کی بنا پر بڑی حد تک گھٹ جاتی ہے۔ مثلاً (۱) ایک ایسے معاشی انسان کا وجود فرض کر لینا جس کے اعمال صرف ایک ہی اُصول کے تابع ہوں (۲) یہ فرض کرنا کہ مسابقت کے مقابلے میں رسم و رواج کا وجود حقیقت نہیں رکھتا (۳) یہ کہ کاروباری اتحاد کوئی چیز نہیں (۴) یہ کہ ہر معاملے میں معاہدہ کرنے والے فریقین کے مابین مساوات ہوتی ہے، اور (۵) یہ کہ ہر قوم میں منافع و اجرت کی ایک معین شرح ہوتی ہے۔ اس آخری مفروضے کے معنی یہ ہیں :- کہ

(ا) اگر کسی کاروبار میں اصل لگایا جائے اور دوسرے کاروبار میں اس کی نسبت زیادہ منافع ملنے کی توقع ہو تو اصل پہلے کاروبار سے دوسرے کاروبار میں فوراً منتقل ہو جائے گا۔

(ب) خواہ مزدور وطن اور گھر بار کی محبت، عادات اور دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے کتنا ہی مجبور و مقید ہو اگر دوسری جگہ یا دوسرے پیشے میں اُس کو زیادہ اجرت ملنے کی توقع ہو تو وہ فوراً اپنا موجودہ مقام یا پیشہ بدل دے گا۔[1]

(ج) اصلدار اور مزدور دونوں ملک کے صنعتی حالات و توقعات سے اور اپنے پیشے کے اور دوسرے پیشوں کے فوائد و نقصانات سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں، لیکن ریکارڈو

---

[1] آدم اسمتھ کا قول ہے کہ :- تجربے سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان ایک ایسا سامان ہے جو سب سامانوں کی نسبت سب سے زیادہ مشکل کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔

کے نظریۂ لگان اور اُن کے نتائج میں اور بھی زیادہ تجرید سے کام لیا گیا ہے۔ خارجی توطن پذیری کا اثر جو اُس کے زمانے کے بعد سے روز بروز بڑھ رہا ہے نظر انداز کیا گیا ہے۔ اور یہ فرض کیا گیا ہے کہ ایک مُلک اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لیتا ہے اور ہر قوم صرف اُسی زمین سے پیداوار حاصل کر سکتی ہے جس پر کہ وہ قابض اور آباد ہے۔ حالانکہ اس مفروضے کے بالکل برعکس واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں یورپ کے اکثر مغربی ممالک امریکہ سے اشیائے خورد و نوش کی کثیر مقدار میں درآمد کرتے ہیں۔ ریکارڈو نے اس امر کو واضح طور سے نہیں سمجھا کہ مزدوروں کی پیداآوری بڑھ جانے سے خواہ وہ ذہانت، اعلیٰ تنظیم، اور مشینوں کی ایجاد کی وجہ سے ہو یا ذرائع آمد و رفت میں سہولتیں پیدا ہو جانیکی وجہ سے ہو، مصارف پیدائش میں بتدریج تخفیف ہوتی جائے گی۔ ان کے علاوہ اور بھی دوسرے اثرات ایسے ہیں جیسے حق ملکیت میں قانونی اصلاح اور معاہدات میں آزادیٔ شرائط جن کا رجحان مصارف پیدائش کو گھٹانے کی طرف ہے۔ ان تمام اسباب سے نتیجہ نکالتے ہوئے ریکارڈو نے آبادی پر جس دباؤ کے پڑنے کی پیشین گوئی کی تھی وہ آجکل محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ صرف کنندہ گرانی نرخ کی شکایت نہیں کرتا بلکہ زمیندار ہی لگان کی انحطاط پذیری سے نالاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام حالات میں اس قدر تغیر واقع ہو گیا ہے کہ پروفیسر نکلسن خود جو قدیم مسلک معاشیات کا مخالف نہ تھا، حال میں زرعی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ "ریکارڈو کا نام نہاد نظریۂ لگان محض ایک تجریدی تصور ہے جو عملی حیثیت سے کوئی وقعت نہیں رکھتا"۔

ریکارڈو نے ایک خاص معاشی مبحث کی نہایت وضاحت اور خوبی کے ساتھ تشریح کی ہے۔ وہ مبحث یہ ہے کہ تجارت خارجہ

سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اُن کی نوعیت کیا ہے۔ اور تجارت خارجہ کن حالات و شرائط کے تحت جاری رہ سکتی ہے۔ ریکارڈو سے پہلے کے علمائے معاشیات نے تجارت خارجہ کے فوائد یہ بتلائے تھے کہ زائد پیداوار کو ملک کے باہر بھیجنے کا موقع ملتا ہے اور قومی اصل کے ایک حصّے کی پابجائی منافع کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ مگر ریکارڈو صرف ایک فائدہ بیان کرتا ہے کہ سوائے اس فائدے کے تجارت خارجہ سے کوئی دوسرا فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔ اور وہ فائدہ یہ ہے کہ تجارت ہر قوم کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنے اصل اور محنت کی معیّنہ مقدار سے بحیثیت مجموعی نسبتہً زیادہ مقدار تمام اشیاء کی حاصل کرسکے۔ اگرچہ ریکارڈو کے متقدمین نے (بشمول آدم اسمتھ) اس بارے میں جو خیالات ظاہر کیے ہیں وہ اس لحاظ سے کارآمد ہیں کہ اُن سے قومی پیداوار کے متعلق حقیقی امور پر روشنی پڑتی ہے اور اُن کو متروک معاشی نظریوں کی حیثیت سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ ریکارڈو آگے لکھتا ہے کہ اگر غیر ممالک سے کوئی چیز خریدی جاتی ہے تو اس خریداری کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ شئے اپنے ملک کی بہ نسبت وہاں بہت کم محنت اور اصل میں تیار ہوسکتی ہے۔ بلکہ ہم کو اس شئے کی پیدائش کے مقابلے میں کسی دوسری شئے کی پیدائش میں قطعی طور پر زیادہ فائدہ نظر آتا ہے اس لیے باوجود اس امر کے کہ پہلی شئے کی تیاری میں فائدہ ہے ہم محض اپنے اغراض کے لحاظ سے اسی چیز کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہوتے ہیں جن سے بیشترین فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اُس شئے کو باہر سے طلب کرتے ہیں جس کی تیاری میں نسبتہً کم فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔ مختصر یہ کہ پیدائش کے اضافی مصارف کی بنا پر نہ کہ مصارف مطلق کی بنا پر مبادلہ متعین ہوتا ہے، یہ خیال صحیح اور دلچسپ ہے اگرچہ بظاہر مل اور کیرنس نے اُس کی طرف نا واجب اہمیت منسوب کی ہے

اور موخرالذکر انتہائے فصاحت کو کام میں لاکر لکھتا ہے کہ یہ خیال
تجارت بین الاقوام کی تہ کو پہنچتا ہے۔ اگرچہ جیسا کہ آگے چل کر
معلوم ہوگا اُس نے اندرون مُلک کی پیدائش کے حالات سے
متعلق بعض امور کا اضافہ کر کے اس خیال میں کسی قدر ترمیم کردی۔
بقول ریکارڈو ملک کے لیے زمین اور محنت کی مجموعی پیداوار
اس قدر اہمیت نہیں رکھتی، جیسا کہ اسمتھ منوانا چاہتا ہے، جس قدر
کہ خالص آمدنی، یعنی وہ ماحصل زائد جو مصارف کی منہائی کے بعد
باقی بچ رہے، بالفاظ دیگر وہ رقوم جو بطور لگان اور منافع وصول ہوں۔
اجرت کو جو مزدور کی گزراوقات کے لیے کفایت کرے ریکارڈو
"ضروری مصارف پیدائش" کا جزو سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر وہ یہ نتیجہ
نکالتا ہے، جیسا کہ خود ریکارڈو کا قول ہے، جس کو بالعموم حوالے
کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، کہ "بشرطیکہ قوم کی خالص حقیقی آمدنی مقررہ
ہو یہ سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ آبادی کی تعداد دس ملین ہے
یا بارہ ملین۔ اگر پانچ ملین آدمی غذا اور لباس کی اتنی مقدار تیار کرسکتے
ہیں جس سے دس ملین آدمیوں کی ضرورت پوری ہوجائے تو پانچ ملین
آدمیوں کی غذا اور اُن کا لباس خالص آمدنی ہوگا۔ اس سے مُلک کو
کیا فائدہ پہنچے گا کہ اُسی خالص آمدنی کو بجائے پانچ ملین کے سات ملین
آدمی تیار کریں یا دوسرے الفاظ میں کیا ملک کو اس سے کوئی فائدہ
پہنچ سکتا ہے کہ بارہ ملین آدمیوں کے لیے جتنی غذا اور جتنا لباس
مکتفی ہو اُس کو تیار کرنے کیلئے سات ملین آدمیوں کو مصروف کیا جائے؟
اس صورت میں بھی پانچ ملین نفوس کی غذا اور لباس خالص آمدنی
شمار ہوگی۔ زیادہ نفوس سے کام لینے میں نہ تو بری وبحری فوج میں 132
ایک نفر کا اضافہ ہوگا اور نہ محصولات میں ایک روپیہ بڑھے گا"
تجارئین کے نقطۂ نظر کے مطابق ریکارڈو بھی صنعت کو
فوجی اور سیاسی اغراض کا ایک آلہ خیال کرتا ہے اور انسانی فلاح

اور بہبود اس کا مقصد اور نصب العین نہیں سمجھتا۔ بقول ہلڈ مزدور پر قوم کے رکن کی حیثیت سے نظر نہیں ڈالی جاتی بلکہ اس کو قوم کے مقاصد کے حصول کا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے۔ گو اس کی پرورش کے لیے آمدنی خام کے ایک حصے کا اسی طرح صرف ہونا ضروری ہے جس طرح کہ گھوڑوں کی پرورش کے لیے۔ یہاں ہم بھی یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں، جیسا کہ سسمنڈی نے ریکارڈو سے اثنائے ملاقات میں پوچھا تھا کہ کیا "دولت ہی سب کچھ ہے اور انسان کوئی حقیقت نہیں رکھتا"؟

بحیثیت مجموعی ریکارڈو کے متعلق یہ کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ عجیب وغریب دماغی قوی کا مالک تھا، مگر عمرانی تحقیق کے لیے یہ قوتیں موزوں نہ تھیں۔ قدرت نے اس کو گھٹیا ریاضی داں بنایا تھا، عالم عمرانیات نہیں بنایا اور نہ اس نے عمرانیات کے مطالعے کے لیے پہلے سے کوئی تیاری کی تھی۔ چنانچہ ہم کو بیجھٹ کی اس رائے کے قبول کرنے سے قطعی انکار ہے کہ "اگرچہ ریکارڈو ایک عالم متبحر نہ تھا مگر حصص اور تمسکات کے بیوپار کا تجربہ رکھنے کی حیثیت سے اس میں عمرانیات کی تحقیق کا خاصا مادہ تھا"۔ بیجھٹ کا یہ خیال البتہ صحیح ہے کہ ریکارڈو کو موشگافی میں خاصا ملکہ تھا۔ پھر بھی ریکارڈو میں نہ تو وسعت نظر تھی اور نہ وہ فطرت وحیات انسانی کے جامع معلومات رکھتا تھا اور نہ اسمیں بنی آدم کی ہمدردی ہی کا قوی جوش وخروش تھا۔ حالانکہ جیسا کہ بعض فاضلوں کا قول ہے، ہمدردی کے جذبات ہی بڑی حد تک عمرانیات کے مطالعے میں ممد ومعاون ہوتے ہیں۔ ایک ایسے مسئلے میں، جیسا کہ زر کا مسئلہ ہے جس میں صرف چند آسان اور ابتدائی اصول پیش نظر رکھنے پڑتے ہیں اور کوئی بڑی اخلاقی بحث شامل نہیں ہوتی، کامیابی حاصل کرنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اگر

عمرانیات کے وسیع شعبوں میں ریکارڈو ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بطریق استخراج استدلال کرنے کی خاص مہارت و استعداد رکھتا تھا (اگرچہ بقول سجوک اُس کی منطق کی صحت کو بہت کچھ مبالغے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے) اور بسہولت 133
تمام نتائج اخذ کرتا تھا۔ لیکن انسانی امور میں جن کے مظاہر لغایت پیچیدہ اور اُصول نہایت محدود و مشروط اور آپس میں گتھے ہوئے ہوں واقعات پر غائر اور وسیع نظر ڈالے بغیر اس کا اس طرح پر عجلت اور بیباکی کے ساتھ استخراج کے طریق کو استعمال کرنا صریحی نادانی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ لسانی قوت وقابلیت ایک بیش بہا نعمت ہے۔ لیکن محض یہی کافی نہیں، عمرانی تحقیق میں کامیاب ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ واقعات وحالات کو اس طرح دیکھا جائے جسطرح کہ وہ حقیقت میں موجود ہیں۔

کچھ مدت تک معاشی حلقوں میں ریکارڈو کے مغالطوں کا اثر رہا۔ اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اُس کے اوصاف کے متعلق جو مبالغہ آمیز اندازہ قائم کیا گیا تھا اس کا باعث ایک حد تک آجروں اور اصلداروں کا یہ احساس تھا کہ اس کا نظام اُن کو زمینداروں کی روزافزوں مخالفت میں تقویت پہنچا رہا ہے۔ اس رجحان کیوجہ سے نیز اس وجہ سے کہ آجروں اور اصلداروں کے مجرد و غیر تاریخی طرز خیالات اور فلاح وبہبود عامہ کے متعلق اُن کے قائم کردہ اُصول میں اور ریکارڈو کے خیالات میں مماثلت تھی، ریکارڈو کو بنتھم کے پیروؤں میں اور بالعموم انتہا پسند فلاسفہ میں قبول عام حاصل ہو گیا۔ بقول بروہم یہ معلوم ہوتا تھا کہ "گویا وہ کوئی اوتار ہے جو آسمان سے ٹپک پڑا ہے"۔ زر اور بنک کے مسائل کے متعلق اُس نے جو اصل خدمت انجام دی اس کی وجہ سے اُس کے دوسرے تمام عام خیالات کے متعلق بھی قدرتاً عمدہ رائے قائم ہو گئی تھی لیکن ان خاص خاص

مباحث کے قطع نظر بظاہر اُس نے کسی مستقل نظری تعلیم یا قیمتی عملی ہدایت کی شکل میں دُنیا کی کوئی بڑی خدمت انجام نہیں دی۔ بالیقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے اکثر اہم مسائل کے متعلق لوگوں میں غلط فہمی پھیلا دی۔ اس لحاظ سے ڈی کوئنسے نے ریکارڈو کو کاشف حقیقت (Revcaler of Truth) کا جو لقب دیا تھا وہ محض مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ جے۔ ایس۔ مل وغیرہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ آدم اسمتھ کے مقابلے میں ریکارڈو کا مبلغ علم بہت زیادہ وسیع تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم عمرانیات میں اضافہ کرنے کی حیثیت سے اُس کی تصنیف "دولت اقوام" کے مقابلے میں لمحہ بھر بھی نہیں ٹھہر سکتی۔

یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ باوجود اس کے کہ مالتھس کا نظریۂ آبادی جو ریکارڈو کے اُصول سے مل جل کر ایک عرصۂ دراز تک قدیم و مروجہ معاشیات کے علما کا مسلک بنا رہا۔ مگر خود مالتھس نے ریکارڈو کے خاکے کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ مالتھس نے پیشین گوئی کی تھی کہ ریکارڈو کی عمارت کا بیشتر حصہ ناپائدار ہے۔ ریکارڈو کا نظریہ فرانس کے علمائے معاشیات کے نظام کی مثل مبحث پر سطحی اور ادھوری نظر ڈالتا ہے اور جس طرح اس نظام کا انجام ہوا ریکارڈو کا نظریہ بھی اکثر جدید علما کو اپنا حلقہ بگوش بنا کر بدیہی واقعات کی صحت کے سامنے اور اُن نظریات کی سچائی کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا جو اگرچہ پیچیدہ اور کم دلچسپ ہیں مگر اس وجہ سے زیادہ صحیح ہیں کہ اُن کی بنیاد ایسے اسباب و دلائل پر ہے جو حقیقی معاشی واقعات سے متعلق ہیں۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ عام فلسفہ میں اسمتھ کے اصول کی بنیاد نا استوار تھی۔ چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ اُس کے خاکے کی اخلاقی خصوصیت پر مُضر اثر پڑا۔ لیکن اُس کا جو طریق بحث تھا یعنی وہ جس طرح طریق استخراج و استقرا

کو عادتاً ملاکر استعمال کرتا تھا اس میں بالکل گرفت کا موقع نہیں ہے۔ یہ تو ریکارڈو نے اپنے اثر سے معاشی طریق تحقیقات کو بدل کر ناقص کر دیا۔ ریکارڈو مشاہدات سے گریز کرتا اور اپنی منطق کے زور میں چند عاجلانہ تعمیمات سے کام لے کر مظاہر فطرت کے متعلق چند قوانین مرتّب کر لیتا ہے اور اس طرح یہ معاشیات کو غلط راستے پر لا پھینکتا ہے۔ "قدیم و مروّجہ" مسلک معاشیات کے پیروؤں کی طرف موجودہ زمانے میں جو خاص خاص نقائص منسوب کیے گئے ہیں وہ در اصل سب ریکارڈو کی تقلید کا نتیجہ ہیں۔ پہلا نقص یہ ہے کہ وہ سب خیالی اور تجریدی نظریے قائم کرتے ہیں جو حقیقت سے بہت دور ہوتے ہیں، دوسرا یہ کہ علمی تحقیق میں ہر جگہ استخراج کے طریق کو جا و بے جا استعمال کرتے ہیں، اور تیسرا یہ کہ وہ بالکل قطعی اور مطلق طور پر نتائج اخذ اور پیش کرتے ہیں۔

جے۔ آر۔ یم۔ کلاک نے ریکارڈو کی تصانیف مع اسکی ایک مختصر سوانح کے ایک کتاب میں جمع کر دیے ہیں۔ (۱۸۴۶ء)۔

ایپی گونی۔

مالتھس اور ریکارڈو کے بعد، جن میں سے اوّل الذکر نے بعض معاشی سوالات کی طرف عوام کو متوجہ کرایا اور موخر الذکر نے معاشی تحقیق کو ایک نئے راستے پر پہنچا دیا جو غلط اور قابل اعتراض تھا، متعدد مصنّف پیدا ہوئے جن کو ادنیٰ درجے کے مصنّف کہا جا سکتا ہے۔ یہ اشخاص زیادہ تر ریکارڈو اور مالتھس کے شارح اور نقاد تھے۔ اور اسی بنا پر جرمانی مصنّفین نے انھیں یونان کے افسانے کی تاریخ کے حوالے سے ایپی گونی
(Epigonl) کا لقب دے دیا۔ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اسمتھ 135
اور اُس کے اوّلین پیروؤں کے نظریات باضابطہ طور پر مرتّب ہو گئے۔ انھیں مصنّفوں نے نظریات کو مشروط کر کے اور ان کے

فروع میں ترمیمات کرکے اور اصطلاحات کو خاص اہتمام اور صحت کے ساتھ استعمال کرکے نظریات کو اعتراضات سے کم و بیش محفوظ کردیا۔ اور انھوں نے اس زمانے کے بعض علمی مسائل کے حل کرنے میں بھی مدد دی۔

جیمس مل۔

۱۸۲۱ء میں جیمس مل کی کتاب "العناصر یا دستور معاشیات"[۱] شائع ہوئی۔ یہ اس لحاظ سے توجہ کے قابل ہے کہ اس میں نظام ریکارڈو کو نہایت شدومد اور متانت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور مختلف مباحث کی اس طرح پر تقسیم کی گئی ہے کہ کتاب میں فنی خصوصیت پیدا ہو گئی ہے، اس میں لمّی یا اولی معاشیات کو تحلیل کرکے سادہ اور سلیس پیرایے میں پیش کیا گیا ہے۔

جے۔ آر۔ یم۔ کلاک ۱۷۷۷ء تا ۱۸۶۴ء

یم کلاک نے متعدد کتابیں اور رسالے لکھے جنھیں سے اکثر میں اعداد و شمار ملتے ہیں۔ اس نے "ایڈنبرا ریویو" میں اکثر مضامین شائع کیے جس میں ریکارڈو کے نقطۂ نظر کے لحاظ سے موجود الوقت معاشی آئین و قوانین پر نکتہ چینی کی گئی ہے اور نظری اعتبار سے اس کا استدلال بعینہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعد میں چل کر منچسٹر اسکول کا رہا۔ یم۔ کلاک میں نہ تو جدت و اصلیت کا کوئی مادہ ہے اور نہ فلسفیانہ بلند خیالی یا وسعت نظر کا کوئی ثبوت ملتا ہے بلکہ وہ ہر جگہ اصول پرست نظر آتا ہے اور اس کی اصول پرستی اکثر تنفّر پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ اس نے خود اپنی آخری عمر میں اس کمزوری کا اقبال یوں کیا کہ "میں ہمیشہ سے نادر اور انوکھے خیالات کا شائق رہا اور ان پر حد سے زیادہ جوش اور ہٹ دھرمی کے ساتھ جما رہتا تھا"۔ یہ امر حیرت افزا ہے کہ اوّل اوّل کلاک کی

۱۔ Elements

بہت قدر افزائی کی گئی اور نہ صرف اُس کے مداح بلکہ اس کے مخالف جیسے ہینڈری وغیرہ بھی اس کو اُس زمانے کے حکمران مسلک کا خاص نمائندہ تصور کرتے تھے۔ مگر موجودہ زمانے میں خود اس مسلک کے ارکان کی تصانیف میں اُس کا نام نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُس نے اصول آزاد تجارت کو صحیح طریق کار ثابت کر دکھانے میں ایک حد تک قابل قدر خدمت انجام دی، مگر ہمارے معاشری مستقبل کی نسبت کچھ رائے زنی نہیں کرتا۔

نساؤ ولیم سینیر (سنہ ۱۷۹۰ء سے سنہ ۱۸۶۴ء)

سینیر جامعہ اکسفورڈ میں معلم معاشیات تھا، اُسکی متعدد تقریریں شائع ہوئیں اور ایک کتاب بھی شائع ہوئی جسکا مضمون پہلی مرتبہ انسیکلوپیڈیا میٹروپولیٹانا میں چھپ چکا تھا۔ سینیر ایک بلند مرتبہ اور قابل مصنف تھا، اُس نے معاشی اُصول کی تشریح میں بہت بڑا حصہ لیا اور خاصکر اصطلاحات علمیہ
کو صحت اور تعین مفہوم کے ساتھ وہ استعمال کرتا ہے اور طریق استخراج 136
کو بالکل مناسب اور صحیح طریقے سے کام میں لاتا ہے۔ اُس نے مختلف مسائل پر بحث کی، مثلاً قیمت پر مصارف پیدائش کا اثر، لگان، شرح اجرت اور محنت کی قیمت کا فرق، اجرت اور منافع کا تعلق (اس آخری مسئلے میں ریکارڈو کے نظریے کا خاص طور پر حوالہ دیتا ہے اور مقدار مطلق کی بجائے مقدار متناسب تجویز کرتا ہے) اور مختلف ممالک میں قیمتی فلز کی تقسیم وغیرہ۔ یہ مباحث خاص طور پر قابل قدر ہیں، وہ ایک نئی اصطلاح یعنی "اجتناب" ماہیت سود کی توجیہ کے سلسلے میں استعمال کرتا ہے کہ گویا سود عمل اجتناب کا معاوضہ ہے۔ اگرچہ یہ اصطلاح کارآمد ہے لیکن موزوں نہیں ہے، کیونکہ اس کا مفہوم منفی ہے۔ سینیر کا سب سے کم اطمینان بخش نظریہ "نظریۂ اجرت فنڈ" ہے، اس لحاظ سے کہ وہ اجرت فنڈ کو شمار کنندہ

اور مزدوری پیشہ آبادی کو نسب نما قرار[۱] دے کر شرح اجرت کا اوسط دریافت کرتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ طریقہ غیر صحیح ہے کیونکہ اول تو اجرت فنڈ ایک فرضی رقم ہے۔ اس کا صحیح تخمینہ لگانا بہت دشوار ہے، ہم صرف اتنا معلوم کر سکتے ہیں کہ کس قدر مجموعی اجرت ادا کی گئی، اس کے ماسوا رقم کا اندازہ کرنا ناممکن ہے اور دوسرے یہ کہ صرف ایک پیشے یا ایک خاص نواح کی شرح اجرت کا اوسط نکالا جا سکتا ہے، پورے ملک میں یا اس ملک کے سب پیشوں میں شرح اجرت کا اوسط نکالا جائے تو وہ حقیقی مقدار نہیں ہو سکتی اس پر طرہ یہ کہ اس طرح پر شرح اجرت کا اوسط نکالنے کے بعد وہ اس طریقے سے بہت ہی اہم اور بعید از قیاس نتائج اخذ کرنا شروع کر دیتا ہے، حالانکہ اس کے نتائج جن مساوات پر قائم ہیں وہ محض ایک حسابی چیز ہے، اس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اگر افراد کی تعداد کی تقسیم کے بارے میں اسکو استعمال کیا جاتا تو صحیح نتیجہ نکلتا، باقی موجودہ مثال میں تو یہ طریق کسی معاشی واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ "اجرت فنڈ" کا بھی غلط طریقے پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ اصطلاح ابتداءً اسمتھ نے اپنی بعض تحریروں میں محض تمثیل کے موقع پر استعمال کی تھی اور اس میں کبھی خاص طور پر کوئی معنی نہیں پہنائے تھے جیسے کہ سینیر نے پہنائے ہیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ آگے معلوم ہو گا کہ "قدیم مسلک معاشیات" کے اکثر پیروؤں نے اس طریقے کی اور اس سے اخذ کردہ اصول کی تردید کی۔

سینیر کا طریق — طریق تحقیقات کا جہاں تک تعلق ہے۔ سینیر

---

[۱] $\frac{\text{اجرت فنڈ}}{\text{آبادی}}$ = شرح اجرت۔

معاشیات کو ایک استخراجی علم قرار دیتا ہے، گویا اس میں سوائے ان چار اساسی قضیوں کے جن سے وہ تمام معاشی حقائق اخذ کرتا ہے دوسرے "واقعات" کو کوئی دخل نہیں ہے، حالانکہ وہ محض فرضی واقعات سے فرضی نتائج اخذ کرتا ہے، لیکن ان فرضی نتائج اور موضوعات کو حقیقی مظاہر کا آئینہ سمجھتا ہے۔

137 کرنل روبرٹ ٹارنس ۱۷۸۰ء-۱۸۶۴ء

ٹارنس متعدد کتابوں کا مصنّف ہے، انمیں سے چند ہی کتابیں معاشی نظریے سے متعلق ہیں، باقی زیادہ تر عملی معاشیات یعنی مالی و تجارتی حکمت عملی پر لکھی گئیں۔ سر روبرٹ پیل نے جو جو قوانین وضع کیے تھے تقریباً سب کو ٹارنس اپنی تحریروں میں اصول کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ تجارت خارجہ کے متعلق اُس کا نظریہ بعینہ وہی ہے جو کہ بعد میں جے۔ ایس۔ مل نے ایک مجموعۂ مضامین یعنی "حل طلب سوالات"[ف۱] میں پیش کیا۔ ٹارنس قوانین غلہ کا سب سے پہلا مخالف ہے اور اور ان کی تنسیخ کی نہایت پرجوش وکالت کرتا ہے۔ لیکن تجارت کو تمام قیود سے کامل طور پر آزاد رکھنے کا مخالف ہے اور یہ مشورہ دیتا ہے کہ انتقامی طریقے پر محصول عائد کیا جائے تاکہ ملک کے مال پر غیر ممالک میں جو محصول عائد کیے جاتے ہیں اس سے انکا سدباب نہ ہو سکے تو کم از کم اُن کا جواب تو ہو جائے ورنہ دوسرے ملک اپنے ہاں تامینی محصول قائم رکھیں گے اور پیداوار برآمد کرتے رہیں گے، اگر کوئی ملک ایسے ملک سے پیداوار درآمد کرے جس نے اپنے ہاں مخالفانہ طریق پر درآمد پر محصول عائد کرنے کا نیا طریقہ قائم رکھا ہو اور خود درآمد پر محصول عائد نہ کرے تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ قیمتی فلز اس ملک سے جہاں آزاد تجارت ہے باہر چلے جائیں گے اور قیمتوں، منافع اور

ف۱ Essay on unsettled questions

اجرت میں بھی تخفیف واقع ہوگی۔ مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ ٹارنس کی دوسری کتابیں بھی جو عام نوعیت رکھتی ہیں شائع ہوئیں۔[1]

ہریٹ مرٹینا و ۱۸۰۲ء۔ ۱۸۷۶ء مرٹینا و نے قصے کہانیوں کے پیرایے میں ایک کتاب "معاشیات کی تشریح"[2] ۱۸۳۲ء میں شائع کی۔ اس میں مالتھس اور ریکارڈو کے اصول کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ مصنّف کا طرزِ بیان نہایت دلکش ہے، جابجا مکالمے کے پیرایے میں عالمانہ بحث بھی کی گئی ہے، لیکن اس سے بعض اوقات ثقالت پیدا ہوگئی ہے۔

بعض دیگر مصنّف معاشیات کی تاریخ میں ان مصنّفین کا ذکر بھی ضروری ہے:۔

(۱) چارلس بے بج۔ اس نے ایک کتاب "صنعت اور اس پر مشینوں کے رواج کا اثر"[3] نامی ۱۸۳۲ء میں شائع کی۔ اس میں عملی بحث کا زیادہ حصہ ہے اور نظریات صرف خفیف حد تک پیش کیے گئے ہیں۔

(۲) ولیم تامس تھارن ٹن۔ اس کی دو کتابیں قابلِ ذکر ہیں ایک "آبادی کی افراط اور اس کا علاج" (Oyer population and its Remedy) جو ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی اور دوسری "ملکی کاشتکاروں

---

[1] (۱) "فطر آئینوں کی تردید" ۱۸۰۸ء The Physiocrat Refuted
(۲) "پیدائش دولت" ۱۸۲۱ء Production of wealth
(۳) "غلّے کی تجارت خارجہ" ۱۸۲۶ء External corn Trade
(۴) موازنہ ۱۸۳۴ء The Budget

[2] Illustrations of Political Economy

[3] On the Economy of machinary and manufactures

کی وکالت" A plea for Peasant Proprietors جو ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی۔ اور تیسری کتاب "محنت" ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔

(۳) ہرمن میری ویل۔ اس نے ایک لکچر "نوآبادیات" (Lectures on colonisation and colonies) کے موضوع پر ۱۸۶۱ء میں شائع کیا۔

(۴) ٹی۔ سی بین فیلڈ۔ نے "تنظیم صنعت کی تشریح" (Organisation of Industry Explained) ۱۸۴۸ء میں شائع کی۔ 138

(۵) ایڈورڈ گبن ویکفیلڈ نے "مستعمرات پر ایک نظر"[1] ۱۸۴۹ء میں شائع کی۔

(۶) تامس شامرس نے معاشیات کے علاوہ دوسرے علوم میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، اس کے معاشی تصانیف حسب ذیل ہیں: "عیسائی معیشت اور بڑے شہروں کی معیشت"[2] ۱۸۲۶ء۔ "معاشیات پر اخلاقیات کا اثر"[3] ۱۸۳۲ء۔ شامرس ایسی خیرات کا جو قانونی طور پر سرکار کی جانب سے دی جائے مخالف تھا۔ عمدہ اخلاق وصفات، جفاکشی وکفایت شعاری کو خوشحالی کی اولین شرط قرار دیتا ہے اور مالتھس کے نظریات کو بہت شدومد کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔

آئرلینڈ کے مصنف

اس عہد کی معاشی تحریک میں آئرلینڈ نے بھی حصہ لیا مثلاً وھیٹ لی، جو آئرش نسل سے تھا، جامعۂ آکسفورڈ میں معلم معاشیات تھا جہاں اسکی ایک کتاب "ابتدائی تقریریں"[4] ۱۸۳۱ء میں

۱؎ A view of the Art of colonisation

۲؎ The Christian and Civic Economy of large towns

۳؎ On political Economy in connection with the moral state and moral prospects of Society

۴؎ Introductory Lectures

شائع ہوئی، یہاں سے وہ ڈبلن چلا گیا جہاں پر اسقف اعظم بنایا گیا۔ اس عہدے پر پہنچ کر اُس نے ٹرینٹی کالج ڈبلن میں بھی معلم معاشیات کی ایک جگہ قائم کی، اس جگہ پر سب سے پہلے مانٹی فورٹ لانگ فیلڈ جو بعد میں جائداد ہائے غیر منقولہ کی عدالت کا جج ہو گیا تھا، مقرر ہوا۔ اور ۱۸۸۴ء میں فوت ہوا۔ اُس نے ۱۸۳۴ء میں چند معاشی مضامین کا ایک مجموعہ اور ایک کتاب "قوانین مفلسی"[1] شائع کی اور ۱۸۳۵ء میں ایک کتاب "تجارت اور غائب باشی"[2] شائع کی۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف بہت آزاد خیال ہے اور دانشمندی کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے خیالات اس کے معاصرین کے برعکس مبالغہ آمیزی سے پاک صاف ہیں، چنانچہ لکھتا ہے کہ "معاشیات میں مجرد تصورات سے بہت زیادہ کام نہ لینا چاہیے" اور اس مفروضے سے کہ انسان کے ہر فعل وحرکت کا محرک اُس کی عاقلانہ خودغرضی ہوتی ہے سخت اختلاف ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد جیمس۔ اے۔ لاسن، جو بعد میں عدالت کا جج ہو کر ۱۸۸۷ء میں فوت ہوا، معلم معاشیات مقرر ہوا۔ اس کی بعض تقریریں ۱۸۴۴ء میں شائع ہوئیں، یہ موجودہ زمانے میں بھی دلچسپ اور مفید خیال کی جاتی ہیں، خاصکر مسئلۂ آبادی کے متعلق اس کے خیالات بہت عمدہ ہیں، اس نے سینیئر کے بالکل برعکس یہ خیال ظاہر کیا کہ "معاشیات کا علم واقعات کا طالب ہے۔ اسمیں مادی دنیا اور انسانوں کے حقیقی حالات و واقعات سے بحث ہونی چاہیے"۔

139 (۱) رچرڈ جونس (۱۷۹۰ء تا ۱۸۵۵ء) جو ہیلی بری میں پروفیسر تھا۔

[1] On Poor Laws

[2] Commerce and Absenteeism

ریکارڈو کا سب سے پہلا نقاد تھا اور سب سے زیادہ باقاعدہ اور شدید طریقے سے ریکارڈو کے خیالات کو نقد کرتا ہے۔ مگر متاخرین نے جونس کی کافی قدر و منزلت نہ کی۔ مثلاً جے۔ یس۔ مل کو اگرچہ جونس کی کتاب سے بڑی حد تک مدد ملی مگر مل اُس کی قابلیت کا معترف نہ تھا۔ روشر بھی یہی لکھتا ہے کہ جونس ریکارڈو کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر رہا (اگرچہ اپنے دعوے کے ثبوت میں وہ دلائل نہیں پیش کرتا) اور جو جرمانی تاریخی مسالک کے بہت سے تعلیمات جونس کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں اس بارے میں روشر کوئی رائے زنی نہیں کرتا۔ بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ جونس کو انڈرسن کے نظریۂ لگان سے اختلاف تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ جونس اس نظریے کو مالتھس سے منسوب کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مالتھس نے اس امر کو اطمینان بخش طریقے سے ثابت کر دیا ہے کہ اگر اپنے اصل کے منافع پر بسر کرنے والے اور اپنے اصل کو اپنی مرضی کے مطابق دوسرے پیشوں میں منتقل کرنے والے اصلدار زمین پر کاشت کریں تو پیداوار زمین کی اوسط قیمت ادنیٰ ترین زرخیزی والے کھیت کے مصارف کاشت کی بنا پر متعین ہوگی اور زیادہ زرخیز زمینوں) کے فرق سے لگان پیدا ہوگا" گویا جونس نے نظریے کو مسترد نہیں کیا بلکہ ہر جگہ اُسکے عام اطلاق کو ان تمام صورتوں میں غلط سمجھتا تھا، جہاں لگان ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اپنے مضمون "تقسیم دولت اور ذرائع محصول"[al] میں جو ۱۸۳۱ء میں شائع ہوا لکھتا ہے کہ "زمینداری لگان" کے علاوہ جو مفروضہ حالات کے تحت مذکورہ بالا قانون سے تطابق رکھتا ہے، "کاشتکاری لگان" بھی ہوتا ہے جو تاریخ میں بہت قدیم زمانے سے ادا کیا جا رہا ہے اور اب بھی صفحۂ زمین کے بڑے حصے میں

al On Distribution of wealth and on the sources of Taxation

ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کہ کاشتکاری لگان اس طرح منضبط نہیں ہوتا جسطرح زمینداری لگان ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں کاشتکاری لگان کی وہ حسب ذیل قسمیں قرار دیتا ہے:۔ (۱) سرفی لگان (۲) بٹائی لگان (۳) رعیتی لگان اور (۴) جھونپڑے کا لگان یا کٹی لگان[۱] اور لکھتا ہے کہ ان کا تعین ازروئے رسم ورواج ہوتا ہے نہ کہ آزاد مسابقت کے ذریعے سے۔ اورئل اس کی پیش کردہ ترتیب کو اپنی کتاب میں اختیار کرتا ہے لیکن اس کے بعد جونس ریکارڈو کے ان اکثر نتائج کی تردید کرتا ہے جو اُس نے اپنے بنائے ہوئے مفروضات وموضوعات سے اخذ کئے تھے، اور خاصکر مندرجۂ ذیل نتائج سے سخت اختلاف ظاہر کرتا ہے۔

کہ (۱) کاشتکاری لگان میں اضافہ اور زمین کی پیدا آور قوتوں کا انحطاط ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور ان کا نتیجہ نقصان اور مصیبت ہوتا ہے۔

140 (۲) زمینداروں کے اغراض ہمیشہ اور لازمی طور پر حکومت اور قوم کے بقیہ طبقے کے اغراض کے خلاف ہوتے ہیں۔

(۳) شرح منافع کی تخفیف کا مدار کلیۃً اصل کے اس آخری جرعے کی پیداوار پر ہوتا ہے جو کہ زمین پر لگایا جائے۔

(۴) اجرت میں اضافہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ منافع میں تخفیف ہو جائے گی۔

جونس کا طریق تحقیقات

طریق تحقیقات کا جہاں تک تعلق ہے جونس نے استقرائی طریق سے کام لیا اور تاریخی مطالعے کی مدد سے نیز اپنے زمانے کے واقعات کا وسیع مشاہدہ کر کے نتائج اخذ کیے، چنانچہ لکھتا ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم کرنا ہو کہ کرۂ ارض

---

[۱] (1) Serf (2) Metayer (3) Ryot (4) Cottier Rents.

پر بسنے والی قومیں اپنے ذرائع معاش اور دولت کی پیدائش اور تقسیم میں کس طرح جدّ وجہد کرتی اور کیا کیا انتظامات عمل میں لاتی ہیں اور اُن کا طرز معیشت کیا ہے تو اس کا بہترین طریقہ صرف مشاہدہ ومطالعہ ہے یعنی ہمیں وسیع اور دقیق نظر سے واقعات کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ صحیح اور وسعت آفرین اُصول مستخرج ہوں، اگر اس کے ماسوا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا یعنی محض مفروضات سے کام لے کر عام اُصول قائم کرنے کی کوشش کی گئی اور محدود طریقے پر مشاہدہ کیا گیا تو اس سے دو خرابیاں پیدا ہوں گی ایک تو یہ کہ جو اُصول بنائے جائیں گے وہ عام نہ ہوں گے، ان میں صحت وعمومیت مطلقاً نہ ہوگی یعنی جن اُصول کے متعلق مسلّم الثبوت ہونے کا دعویٰ کیا جائے گا وہ اثنائے تحقیقات میں جابجا غلط ثابت ہوں گے۔ دوسری خرابی یہ ہوگی کہ مفروضی نظریہ بنانے والا اس مفید اور بیش بہا ذخیرۂ معلومات سے محروم رہے گا جس کو واقعات کا وسیع و دقیق مشاہدہ کرنے والے محقق پالیتے ہیں۔

اُس کی بحث کا موضوع۔

جونس کو جس دُنیا کے مطالعہ کرنے کا دعویٰ تھا وہ خیالی دُنیا یا فرضی "معاشی انسانوں" کی بستی نہ تھی بلکہ ایک حقیقی دُنیا تھی اور اس حقیقی دُنیا میں زمین کی ملکیت، کاشتکاری کے حالات اور پیدائش وتقسیم دولت مختلف ممالک اور مختلف اوقات میں مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ جونس یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ مختلف قومیں تمدّنی ترقی کے مختلف مرحلوں میں مختلف طریقوں سے زندگی بسر کرتی ہیں اس لیئے اُس نے یہ تحریک کی کہ علم معیشت کو "سیاسی معاشیات اقوام" سے منسوب کرنا چاہیئے، گویا یہ خیال اس مفروضے کے خلاف کہ کرۂ ارض کے کسی ایک چھوٹے حصّے کے خاص حالات ہر ملک پر اور ہر انسانی جماعت پر صادق آتے ہیں ایک زبردست احتجاج تھا۔ اور وہ اس دعوے کو

141 بھی باطل کر دیتا ہے کہ کسی ملک کی گزشتہ تاریخ کا اور قوم کے خاص خاص حالات اور ترقیات کا اثر اُس مُلک کے معاشی مظاہر پر نہیں پڑتا۔

بعض مصنّف محض ایک ملک کی موجودالوقت صورت حالات کے مطالعے پر اکتفا کرتے ہیں اور اس ملک کی تاریخی نشو ونما یا دوسرے ملکوں کے خاص خاص حالات کی تحقیق کو نظر انداز کرتے ہیں، اس بنا پر کہ ہر جگہ مظاہر کا رجحان یکساں ہے، اوّل تو اسی رجحان میں صرف جزوی حیثیت سے حقیقت ہوتی ہے، کیونکہ ان کا موجودہ نظام قطعی اور معین نہیں کہلایا جاسکتا، لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ رجحان حقیقی ہے، تب بھی یہ امر کسی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ مغربی ممالک کے تمدن میں اور دوسرے کم ترقی یافتہ ملکوں کے تمدن میں معاشی مظاہر ایک دوسرے سے اس قدر قریب اور مشابہ ہیں کہ دونوں کو ایک ہی ضابطے اور قانون کے تحت لا سکتے ہیں، جس طرح وھیول جونس کی ایک کتاب "باقیات" (۱۸۵۹ء) پر تمہید لکھتے ہوئے بہت خوب رائے زنی کرتا ہے کہ "طبیعیات میں تو یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کہ سب اشیاء میں وہی صورت اختیار کرنے کا میلان ہوتا ہے جو کہ قوت جاذبۂ ارض متعین کرتی ہے مثلاً رجحان یہ ہے کہ پہاڑیاں میدان بن جائیں، آبشار اپنی رہگزار کاٹ کر نا پید ہو جائے، دریا وادیوں میں جھیل بن جائیں اور تودہ ہائے یخ گھل کر بہہ جائیں۔ لیکن یہ صرف فطرت کا اقتضا اور رجحان ہے۔ لیکن محض اس بنیاد پر کہ ایسی قوتیں عمل کر رہی ہیں جو ممکن ہے کہ آخر الامر یہ نتائج پیدا کریں یہ کہنا کہ یہ نتائج حقیقی اور قطعی طور پر حاصل ہو چکے ہیں کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ اسی طرح معاشیات کا بھی حال ہے یعنی تمام انسانی مسائل کا مدار بیشتر وقت پر ہے اور معاشی مظاہر در اصل

Remains لے

انسان کی مختلف تحریکوں اور جدّو جہد کا نتیجہ ہیں جو کہ مختلف عہدوں میں انسان نے کیں، پس ان کا اُسی طرح مطالعہ کرنا ضروری ہے جس طرح کہ وہ حقیقت میں موجود ہیں، ورنہ بصورت دیگر یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ ہم نہ صرف نظری بحث میں بلکہ اُس سے جو عملی سوالات رونما ہوتے ہیں اُن کے حل کرنے میں بھی سخت غلطیوں کے مرتکب ہوں گے۔

جونس کی عظمت کی اصلی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مبالغے اور جنبہ داری سے بہت دور رہتا ہے۔ چنانچہ وہ مالتھس کی غالباً حد سے زیادہ قدر و منزلت کرنے کے باوجود اس کے اس نظریے کو تسلیم کرنے سے منکر ہے کہ ذرائع معاش کے اضافے سے لازمی طور پر آبادی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے (اور اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں) کہ جہاں عمدہ حکومت اور خوش حالی ہوگی وہاں اضافۂ آبادی کے ساتھ ذرائع معاش پر قابو گھٹ جانے کی بجائے بڑھ جاتا ہے۔

جونس سے ہمیں جو کچھ ترکے میں ملا (جس کا بڑا حصہ بدقسمتی سے منتشر اجزا کی شکل میں ہے) اس کا بیشتر حصہ کلف لزلی کے خیالات سے مماثلت رکھتا ہے۔ لیکن جونس پر کلف لزلی کو اس لحاظ سے تفوّق حاصل ہے کہ آخر الذّکر کونت کی عمرانیات سے واقفیت رکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے "طریق تحقیق" پر اُس کا قابو بہت زیادہ تھا اور وہ عام اجتماعی تحریک پر ایک وسیع نظر ڈال سکتا تھا۔ جونس کی شنوائی معاشی دُنیا میں اس وجہ سے نہ ہوئی کہ اُس زمانے میں ہر طرف ریکارڈو کا چرچا تھا اور ریکارڈو کی مدح ہورہی تھی، مگر کلف لزلی نے ایسے زمانے میں تصنیف لکھی جبکہ انگلستان میں عام بیداری پیدا ہوچکی تھی اور معاشیاتِ لمبی (یا اولی) کے خلاف عام تحریک شروع ہوچکی تھی۔

کونت کسی مقام پر لکھتا ہے کہ "مغربی یوروپ معاشیات کی طرف عام طور پر مائل و راغب ہو چکا تھا، اگرچہ یہ رجحان محض عارضی تھا"۔ انگلستان میں موجودہ صدی کے تیسرے عشرے سے پانچویں عشرے تک یہ رجحان خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے۔ کسی شخص نے "ویسٹ منسٹر" میں لکھا تھا کہ "۱۸۱۸ء تک فلاسفہ کے ماسوا نہ تو کوئی شخص علم المعیشت کو سمجھتا تھا اور نہ کہیں اس کا نام لیا جاتا تھا اور ملک کے آئین و قوانین معاشی اُصول کے مطابق وضع کئے جانے کی بجائے روز بروز ان سے دور ہوتے جاتے تھے"۔ مل لکھتا ہے کہ اس کے چند سال کے بعد ہی قلیل مدت میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ چنانچہ اس کا بیان ہے کہ اس کے بعد سے معاشیات بڑے شد و مد کے ساتھ سرکاری معاملات میں دخیل ہوگئی اور وہ اس طرح کہ اوّل تو "ایک محضر جس کو مسٹر ٹک نے مرتب کیا تھا، الگزنڈر بیرنگ کے توسط سے شہر لندن کے تاجروں کی جانب سے پیش ہوا جس میں آزاد تجارت کی وکالت کی گئی تھی" اور دوسرے یہ کہ ریکارڈو نے اپنی پنج سالہ پارلیمانی زندگی میں نہایت خلوص و محنت کے ساتھ معاشیات کو سرکاری معاملات میں دخیل بنانے کی کوششیں کیں۔ قیمتی فلزات کے سوال پر جو بحث مباحثہ ہو رہا تھا اس کے متعلق ریکارڈو نے چند مضامین لکھے اور اس کے بعد میرے والد اور یم کلاک نے (جن کے مضامین اُس زمانے میں ایڈنبرا ریویو میں بہت زیادہ دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے) متعدد معاشی مسائل کے تشریحات و توضیحات شائع کئے۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی توجہ عام طور پر معاشیات کی طرف منعطف ہو گئی اور خود کابینہ کے چند ارکان بھی ان تحریرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے ساتھ ہس کس سن اور کیننگ نے مل کر تامینی نظام کو بتدریج منہدم کرنا شروع کر دیا اور اس انہدامی کام کو انہیں سے ایک ساتھی

پیل نے سنہ ۱۸۴۶ء تک فی الحقیقت ختم کردیا، گو مسٹر گلیڈسٹن نے اُسکے آخری علائم و آثار سنہ ۱۸۶۰ء میں جاکر دور کئے"۔ اس طرح یہ علم مستعد دماغوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرا رہا تھا مگر یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ اس علم کی حالت عام طور سے متزلزل اور غیر معین ہے۔ علمائے معاشیات 143
کی رایوں کا باہم اختلاف عام شکایت پیدا کر رہا تھا۔ لیکن ان اختلافات اور نقائص کے بہت جلد دور ہو جانے کی قوی امید تھی۔ چنانچہ کرنل ٹارنس نے یہ پیشین گوئی کی کہ "بیس سال کے اندر معاشیات کے اساسی اُصول کے متعلق تقریباً تمام شبہات دور ہو جائیں گے" سجوک کہتا ہے کہ "قوانین غلہ کی تنسیخ کے بعد جو خوش حالی رونما ہوئی اُس سے باعمل اشخاص کو اس مجرد استدلال کے صحیح اور مؤثر ہونے کا کافی اطمینان بخش ثبوت ملا جس سے آزاد تجارت کی ضرورت مستخرج کی گئی تھی"۔ اور جب سنہ ۱۸۴۸ء میں "ایک فاضل مصنف نے جدت دکھا کر گزشتہ نسل کے بحث مباحثوں کے خاص خاص نتائج کا ایک بیان اور اسی کے ساتھ موجود الوقت مصنفین کے خیالات مناسب تشریحات و ترمیمات کے ساتھ شائع کئے تو چند سال تک عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ معاشیات کم از کم اس کے بڑے بڑے اُصول کا جہاں تک تعلق تھا بحث مباحثے کے دور سے نکل گئی اور بالآخر مستقل بنیادوں پر ایک مستحکم اور صحیح عمارت قائم ہو گئی"۔

یہ مصنف جان اسٹورٹ مل سنہ ۱۸۰۶ء تا سنہ ۱۸۷۳ء تھا۔ بلاشبہ ریکارڈو کے بعد انگلستان کی معاشیات پر کسی دوسرے مصنف کا اس قدر قوی اثر نہیں پڑا جتنا کہ جان اسٹورٹ مل کا۔ اسکی تصنیف کردہ باقاعدہ علمی کتاب، خواہ براہ راست یا دوسرے رسالوں کی وساطت سے جو اس پر مبنی ہیں، (اور جن میں خاص طور سے فاسٹ کا رسالہ قابل ذکر ہے) ہمارے زمانے میں ممالک مغربی کیلئے علم معاشیات کی تحصیل کا سرچشمہ بنی رہی لیکن

اس ایک وجہ کے ماسوا دوسرے اہم وجوہ بھی ہیں، جن کے باعث، جیساکہ آگے چل کر معلوم ہوگا، یہ مصنف نہ صرف اس شعبۂ علم میں بلکہ دوسرے شعبہ ہائے علوم میں بھی بغایت دلچسپ اور مخصوص حیثیت وشخصیت رکھتا ہے۔

۱۸۴۴ء میں اُس نے پانچ مضامین "معاشیات کے چند حل طلب سوالات"[1] شائع کئے جو اس سے قبل ۱۸۲۹ء اور ۱۸۳۰ء میں لکھے جاچکے تھے، مگر باستثنائے پانچویں مضمون کے، سب غیر مطبوعہ حالت میں تھے۔ وہ سب معاشی اُصول ان مضامین میں موجود ہیں جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ مِل نے علم میں اضافے کئے۔ پہلے مضمون میں بین الاقوام مبادلات کے قوانین کی بحث ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ جب دو ملک آپس میں دو اشیاء کا مبادلہ کرتے ہیں تو ان اشیائے متبدّلہ کی قیمتیں (جن کو ریکارڈو نے ثابت کیا تھا کہ مصارف پیدائش کی بناپر متعین نہیں ہوتیں) باہمی
144 طلب کے عمل سے قرار پائیں گی۔ اور وہ اس طرح کہ ایک ملک کو دوسرے مُلک سے جن اشیاء کی ضرورت ہو اور جن کو وہ ایکدوسرے سے درآمد کریں اُن کی مقداریں ایک دوسرے کی قیمتیں ادا کرنے کے لئے بالکل کافی ہوجائیں گی۔ یہی وہ قانون ہے جس کو مِل نے اپنی تصنیف میں چند ترمیمات واضافہ کے ساتھ "بین الاقوامی طلب کی مساوات" کے نام سے پیش کیا۔ اس کے بعد مِل تجارت بین الاقوام کے منافع کی تقسیم سے بحث کرتا ہے اور اس بحث میں ایک اہم ترین عملی نتیجے پر پہنچتا ہے (گو یہ نتیجہ کسی حال مسلّم نہیں ہے)۔ وہ نتیجہ یہ ہے کہ جو محصول بغرض توفیر مداخل سرکاری نہ کہ بغرض تامین لگایا جائے اس میں اس شرط سے تخفیف کرنی چاہئیے کہ دوسرے

[1] Essays on some unsettled questions of P. Economy.

ملک بھی جو اپنے اشیاء انگلستان کو بھیجتے ہیں انگلستان کے ساتھ اسی کے مماثل کوئی تجارتی مراعات ملحوظ رکھیں۔ دوسرے مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ پیدائش پر صرف کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اس میں سب سے دلچسپ نتائج جو اخذ کئے گئے ہیں وہ یہ قضیے ہیں کہ (۱) غائب باشی ایک مقامی خرابی ہے نہ کہ قومی خرابی (۲) اگرچہ پیدائش کی افراط مستقل شکل اختیار نہیں کر سکتی لیکن ممکن ہے کہ عارضی طور پر افراط ہو اور ایسی افراط کسی ایک شے میں نہیں ہوتی بلکہ عام طور سے تمام اشیاء میں ہو سکتی ہے۔ لیکن اس افراط کا سبب کثرت پیدائش نہیں ہے بلکہ تجارتی اعتبار و اعتماد کی کمی ہے۔ تیسرے مضمون میں محنت، صرف اور خرچ پر "پیدا آور" اور "غیر پیدا آور" کی اصطلاحوں کے اطلاق و استعمال سے بحث کی گئی ہے۔ چوتھے مضمون میں منافع اور سود سے بحث کی گئی ہے اور خاصکر ریکارڈو کے اس مسئلے کی تشریح و توجیہ کی گئی ہے کہ "منافع کا مدار اجرت پر ہے۔ اجرت کی تخفیف سے منافع میں اضافہ ہوتا ہے اور اجرت کے اضافے سے منافع میں کمی ہوتی ہے"۔ ریکارڈو کا مطلب یہ تھا کہ منافع کا مدار مزدور کی اجرت کے مصارف پر ہے، اس لئے مزدور کو جو اشیاء عادتاً درکار ہوتے ہیں اُن کی پیدائش کی ترقی و اصلاح سے مزدور کی اجرت صحیحہ میں تخفیف ہوئے بغیر منافع میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ آخری مضمون میں معاشیات کی تعریف اور اُس کے طریق پر بحث کی گئی ہے جس سے مصنف نے بعد میں چل کر نہایت تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب[۱] "اصول منطق" میں بحث کی ہے۔

۱۸۴۸ء میں مل کی ایک تصنیف موسوم بہ "اصول معاشیات اور

---

۱ System of Logic

اس کے چند اطلاقات فلسفۂ اجتماع پر"[1] شائع ہوئی۔ گو یہ عنوان، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، قابل اعتراض ہے۔ مگر اس سے
145 یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنّف بمقابلہ اپنے متقدمین کے، جو اس علم کا دائرہ نہایت تنگ و محدود سمجھتے تھے، عام طور سے اس پر بہت ہی وسیع اور دقیق نظر رکھتا تھا۔ مل کا مقصد در اصل ایسی تصنیف تیار کرنا تھا جو عام استعمال میں "دولت اقوام" کا جانشین بن جائے، اس لئے کہ اُس کی دانست میں "دولت اقوام" کا بیشتر حصّہ متروک اور ناقص ہو گیا تھا۔ آدم اسمتھ معاشی کلیات کو اُن کے اطلاقات کے ساتھ منسوب کرتا تھا اور اطلاقات پر بحث کرتے وقت وہ اکثر ان امور سے بحث کرتا تھا جو خالص معاشیات کے دائرے سے باہر اور اس سے بہت زیادہ وسیع تھے۔ اسی انداز میں مل کی بھی یہی خواہش تھی کہ ایک طرف تو اسمتھ کے متاخرین نے خاص علم میں جو نتائج اخذ کیے تھے ان سب کو مربوط کرے اور دوسری طرف خالص معاشی مظاہر کو اپنے زمانے کے عام فلسفۂ اجتماع کے ترقی یافتہ تصورات کے مطابق اُسی طرح پیش کرے جس طرح کہ اسمتھ نے معاشی مظاہر کو اٹھارھویں صدی کے فلسفے کے مطابق پیش کیا تھا۔

مگر بلاشبہہ مل اس تدبیر میں ناکام رہا۔ اس کی کتاب "جدید آدم اسمتھ" کے معیار کو نہ پہنچ سکی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب ریکارڈو کی نہایت پاکیزہ اور عمدہ تشریح ہے، جس میں مالتھس کا نظریہ بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن بہت سی چھوٹی چھوٹی جدّتوں کے باوجود اس میں علمی اعتبار سے ریکارڈو کی نسبت

[1] Principles of Political Economy with some of their applications to Social Philosophy.

زیادہ مواد موجود نہیں ہے، بلکہ ایک حد تک کم ہی ہوگا۔ کلف لزلی کا یہ بیان کہ مل نے ریکارڈو کے نظریوں کی اس طرح پر ترمیم و اصلاح کردی کہ موخر الذکر بھی ان کو بمشکل شناخت کرسکتا تھا یقیناً ایک مبالغہ آمیز بیان ہے۔ بینیر نے اس بارے میں اس سے زیادہ کر دکھایا۔ مل کی کوشش بالعموم یہ ہوتی ہے کہ جہاں کہیں اس کے اُستاد پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ اُس کی تردید کرتا ہے اور اپنے اُستاد کو حق بجانب ثابت کرتا ہے اور اُس کے بیان کی مسلمہ بے ربطی کے الزام کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ریکارڈو کی معاشیات کی خدمت کی جو قدر و منزلت مل کرتا تھا اس کا ثبوت اُس کی کتاب "مضامین"[1] سے مل چکا ہے اس میں مل اسمتھ کے حق میں کسی قدر ناانصافی سے کام لے کر کہتا ہے کہ چونکہ ریکارڈو کو ایک علم کی بنیاد قائم کرنی تھی اس لیئے وہ اساسی اُصول کے ماسوا کسی دوسری طرف توجہ نہ کرسکا۔ اور یہ بھی لکھتا ہے کہ "ریکارڈو کے نئے اُصول کو کما حقہٗ سمجھنے کے بعد اُس کے فروع پر حاوی ہونے میں کسی کو کوئی دقت محسوس نہ ہوگی"۔ جیمس مل بھی لازمی طور سے ریکارڈو کا شارح تھا۔ اور اگرچہ جان مل طرز بیان کی دلکشی میں اپنے باپ سے بہت زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے۔ لیکن جہاں تک نظریے کا تعلق ہے جیمس اور اس کے فرزند دونوں کا نقطۂ نظر تقریباً ایک ہی ہے۔ تمام فلسفیانہ تصورات اور عمرانی مقاصد ونصب العین کے متعلق خیالات کا جہاں تک تعلق ہے پدر و فرزند میں اختلاف ہے اور دونوں کا نقطۂ نظر جداگانہ ہے۔ مثلاً جان مل (فرزند) سن رسیدہ ہونے کے بعد ان سطحی اور نامعقول دلائل کو نظریۂ حکومت میں پیش نہیں کرسکتا تھا جو بقول میکولے جیمس مل 146

[1] Essays

کی تحریرات میں کافی طور پر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، اور جان کے جذبات اس قدر عالیشان تھے کہ انھوں نے اعلیٰ معاشری مسائل میں اس کو بنتھم کے معمولی اور غیر تربیت یافتہ افادیت سے بہت زیادہ ارفع و اعلےٰ کر دیا تھا۔

جان مل نے معاشری مباحث کو بمقابلہ اپنے پیشروؤں کے زیادہ وسیع فلسفیانہ انداز میں بیان کیا تھا۔ اس کی وجہ بلاشبہہ بڑی حد تک کونت کا اثر تھا۔ اور بقول بین، مل پر کونت کا اس سے بہت زیادہ احسان تھا جتنا کہ خود مل تسلیم کرنے کے لیئے تیار تھا۔ اگر مل اس سے زیادہ کامل طور پر متاثر ہوا ہوتا تو ہمیں بعض اوقات یہ کہنے کی جرات ہوتی ہے کہ اُس کے ہاتھوں معاشیات کی کامل اصلاح و ترمیم ہو جاتی اور جو نقائص اس وقت موجود ہیں وہ محتاج اصلاح باقی نہ رہتے۔ ہمارا علم لمّی طریق سے مستغنی اور آزاد ہو جاتا اور صنعتی زندگی کے ایک حقیقی نظریئے کی بنیاد وسیع ترین معنوں میں مشاہدات پر قائم ہو جاتی۔ لیکن غالباً ابھی ایسی تعمیر کا وقت نہیں آیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ خود مل کے عقلی و ذہنی نقائص نے اس کو اس کام کا اہل ثابت نہ کیا ہو۔ کیونکہ روشر کا قول ہے کہ" وہ تاریخی دماغ نہ رکھتا تھا"۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو اتنا یقینی ہے کہ اُسکی ابتدائی تعلیم و تربیت کے اثرات نے جس میں ایجابی عناصر کی مابعد الطبیعی عناصر سے بڑی حد تک آمیزش ہوئی تھی فی الحقیقت اُس کی کامل اور صحت ور دماغی نشو و نما میں رکاوٹ پیدا کی۔ وہ کبھی ان مذموم رجحانات پر غلبہ نہ پا سکا جو اُس کے باپ کی تعلیم سے اور پیروان بنتھم کے اثر سے، جس میں اُس نے نشو و نما پائی تھی اُسکو ملے تھے۔ چنانچہ روشر کے ایک عجیب و غریب قول[1] کے مطابق

Zu wenig Aus Einem Gusse. Q[1].

حیات کے متعلق اُس کا جو نقطۂ خیال تھا اُس میں تذبذب اور کجی تھی۔ عہد طفلی میں اُس کو نہایت تنگ و محدود اُصول کی تعلیم دی گئی تھی اور بعد میں اُس نے وسیع خیالات قائم کیئے تھے۔ ان دونوں عہدوں کے خیالات کی آمیزش نے اُس کے پورے فلسفے کو غیر معیّن اور متزلزل بنا دیا۔ چنانچہ اس کی عام خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی جگہ ایک قطعی نتیجے پر نہیں پہنچتا۔ وہ رجحانات کو نئے نئے خیالات کی شکل میں ظاہر کرتا اور مختلف شعبوں میں نئے نئے نظریئے قائم کرتا ہے 147
مگر اس سب کے باوجود کسی معیّن نتیجے یا فیصلے پر نہیں پہنچتا۔ اور اس کا استدلال ناقص اور غیر مکمّل ہی نہیں ہوتا بلکہ غیر مربوط بھی ہوتا ہے۔ پھر بھی اس کی یہی غیر معیّن اور مشکوک حیثیت بظاہر اُس کی زندگی میں ہمارے لیئے ایک خاص دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ وہ اسی عجیب و غریب طریقے سے تغیرات کی تیاری کرنے اور اُس میں سہولتیں پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

مِل کی تصنیف کی ممتاز خصوصیت خود اُسی کے بقول وہ نمایاں فرق ہے جو نظریۂ پیدائش اور نظریۂ تقسیم دولت میں قائم کیا گیا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ پیدائش دولت کے قوانین ناقابل تغیّر فطری واقعات پر مبنی ہیں اور اس کے برعکس تقسیم دولت کے حالات میں مُلک کے وقتاً فوقتاً بدلنے والے آئین و قوانین کے مطابق تبدیلی ہوتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہ ضروری معلوم

لہ مسٹر جان مارلے نے اپنی کتاب Critical miscellanies (متفرق انتقادات) میں بعنوان مذہب کے متعلق مل کا خیال، حیرت و استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ مل کی وفات کے بعد مل کی جو کتابیں شائع ہوئیں اُن میں مصنّف نے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جو ان فلسفیانہ اصول سے نمایاں تضاد رکھتے ہیں جن کو وہ اپنی زندگی بھر میں نہایت شدّ و مد کے ساتھ پیش کرتا رہا۔

ہوتا ہے کہ اس فرق کو بہت زیادہ مطلق طریقے پر بیان نہ کیا جائے اس لئے کہ تنظیم پیدائش میں بھی معاشری ترقی کے ساتھ تبدیلی ہوا کرتی ہے اور جیسا کہ لارڈ ڈیل نے ایک مدت قبل ثابت کر دکھایا تھا، کسی قوم میں تقسیم دولت کی جو نوعیت ہوتی ہے اُس کا اثر پیدائش پر پڑتا ہے۔ لیکن اس فرق میں کافی اصلیت و حقیقت ہے اور اس کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ تقسیم دولت کے موجودہ طریقے میں کس طرح اصلاح کی جا سکتی ہے؟ جتنی جتنی مل کی عمر بڑھتی گئی اُتنا اُتنا وہ اس مسئلے کی تحقیق میں اشتراکیت کی طرف زیادہ مائل ہوتا گیا۔ اور اگرچہ وہ آخر تک اپنی کتاب میں (خواہ اُس میں کچھ ہی تبدیلیاں ہوئی ہوں) اصول عاقلانہ خودغرضی سے ریکارڈو کے نظریئے مستخرج کرتا رہا۔ لیکن وہ ایک ایسے نظام اشیاء کا متلاشی رہا جس میں تعامل، ہمدردی عام پر مبنی ہو۔

قوم کی معاشی تنظیم کے متعلق مل کے خیالات میں تدریج جو تغیر واقع ہوا اُس کو مل اپنی کتاب "سوانح"[له] میں بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اوائل عمر میں اجتماعی امور کی اساسی اصلاح کے امکانات کے متعلق اُس کی نظر معاشیات کے "قدیم مسلک" (یہ خاص لقب غور طلب ہے) سے زیادہ متجاوز نہ ہوئی تھی اور شخصی یا خانگی مِلک (اس اصطلاح کا جو جدید مفہوم ہے اُس کے لحاظ سے) اور توریث، وضع آئین و قوانین کی بہترین اور کامل ترین صورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ 148 ابتداءً دنیا میں مالداروں کی قلت اور اہل اخلاس کی کثرت کو ناانصافی خیال نہ کرتا تھا اور نہ اس عدم مساوات کو دور کرنے کا کبھی کوئی وہم و گمان رکھتا تھا۔ لیکن اب اُس کے خیالات میں اس قسم کا

له Autobiography.

تغیر واقع ہوا تھا کہ اُس کو قطعاً اور عام طور سے "اشتراکی" کا لقب دیا جا سکتا تھا۔ اُس کے تصوّرات نے اس کو اس نتیجے پر پہنچایا تھا کہ اُس کے زمانے کی معاشی زندگی کا پورا نظام محض عارضی اور ہنگامی تھا اور یہ کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب کہ محنت کی پیداوار کی تقسیم کا مدار بجائے حادثۂ حسب ونسب پر ہونے کے، جیسا کہ اب تک بڑی حد تک ہو رہا تھا، متفقہ طور پر مسلّمہ اصول انصاف ومساوات پر قائم کیا جائے گا۔ اُس کے خیال میں مستقبل کا معاشری سوال یہ تھا کہ بیشترین آزادیٔ عمل کو (جس کو اشتراکیوں کے تدابیر میں اکثر نظرانداز کیا جاتا تھا) کرۂ ارض کی پیداوارِ خام کی مشترکہ ملکیت اور متحدہ محنت کے ثمرات کی مساوی تقسیم سے کس طرح پر متحد کیا جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ خیالات اُس کی کتاب اصول معاشیات کے پہلے ایڈیشن میں ظاہر نہیں کیئے گئے تھے۔ دوسرے ایڈیشن میں زیادہ توضیح کے ساتھ ظاہر کیئے گئے اور تیسرے ایڈیشن میں قطعی طور پر پوری صراحت کے ساتھ بیان کیئے گئے کیونکہ ۱۸۴۸ء کے انقلاب فرانس نے عوام میں نئے نئے خیالات قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی۔

اس طرح مِل کو ایک نئے معاشی نظام کا متوقع ومنتظر ہے، پھر بھی وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس نظام کو شروع ہونے کے لیئے ابھی ایک مدّت دراز درکار ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس دوران میں ذاتی مفاد واغراض کے ترغیبات ناگزیر رہیں گے۔ روحانیات کے شعبے میں بھی وہ اسی قسم کے توقعات قائم کرتا ہے اور یہ پیشین گوئی کرتا ہے کہ بالآخر خداپرستی کا خاتمہ ہو جائے گا اور اسکی جگہ ایک خالص انسانی مذہب قائم ہو جائے گا۔ لیکن یہ خیال کرتا ہے کہ موجودالوقت مذہب کی ضرورت ابھی ایک مدت دراز تک بطور مہیج باقی رہیگی اور وہی انسان کے اعمال کی نگرانی وتربیت کریگا۔

اس طرح وہ موجود الوقت عمارت کو تو منہدم کر دیتا ہے مگر نئی تعمیر کے لیئے مسالہ فراہم نہیں کرتا اور وہ جن چیزوں کو کلیۃً مذموم قرار دیتا ہے انہی کو ایک غیر معین زمانے تک محفوظ رکھنے پر زور دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایک طرف تو معاشری تنظیم کو اشتراکیت کی صورت میں مبدل کرنے کے لیئے تخم بوتا ہے اور دوسری طرف
زمانہ قریب میں ایسے انتظامات کرنے کی وکالت کرتا ہے جن سے 149
صنعتی دنیا میں اس کے برعکس نتائج رونما ہوں۔ اگرچہ کاشتکاروں کی تملیک زمین کا رجحان صاف طور پر انفرادیت کی طرف ہے پھر بھی وہ اپنی کتاب کے ابتدائی حصے میں اس کی بہت مبالغے کے ساتھ تعریف کرتا ہے اور اس موقع پر اس مدح سرائی سے ہاتھ روکتا ہے جبکہ وہ مزدوری پیشہ طبقے کے مستقبل پر بحث کرتا ہے اور پیدائش میں نام نہاد تعامل کا نظام، جس کی وہ مابعد ایڈیشن میں اس قدر گرمجوشی کے ساتھ سفارش کرتا اور اسطرح اپنے پیرؤوں کے لیئے یہ موقع بہم پہنچاتا ہے کہ وہ اسی کو ایک واحد ضروری چیز قرار دے کر اسی پر زور دیں، ایک ایسا نظام ہے جو شخصی ملک کے اصول کو بلاشبہہ تقویت پہنچائیگا اور اگرچہ اس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے انفرادی مقابلے کی بجائے اجتماعی مقابلہ صورت پذیر ہوگا لیکن اس سے افراد کلیۃً خارج نہیں ہوسکتے۔

مل مزدوروں کی فلاح و بہبود کو مالتھس کے اخلاقیات پر بلا استثنا مشروط قرار دیتا ہے اور اس طرح ان اخلاقیات پر بہت زیادہ اور ناواجب زور دیتا ہے۔ گو بقول بین اس مبحث پر اُس کے صحیح خیالات کا پتا لگانا اسی قدر مشکل ہے جس قدر کہ اسکے باپ کے خیالات کا۔ ہمارے لیئے یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اُس نے کبھی آبادی پر بندشیں قائم کرنیکی ضرورت کے بارے میں اپنے خیالات میں تبدیلی کی۔ بریں ہم یہ عنصر اس اشتراکی تحریک

کے لیئے نیا معلوم ہوتا ہے جس کی طرف وہ روز بروز زیادہ مائل ہوتا گیا۔ کم از کم یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ اہل وعیال کی کفالت کی انفرادی ذمہ داری کے قطع نظر اُس چیز کی جس کو مالتھس اخلاقی اجتناب کہتا ہے کس طرح پر کامل طریقے سے تعمیل کرائی جا سکتی ہے۔ یہی مشکل درحقیقت ایک بڑا مہلک نقص ہے جس نے بقول مالتھس گاڈون کی تجویز کو بگاڑ دیا۔

ہمیں مل کے صفات کی بہت زیادہ تعریف کرنی چاہیئے کہ وہ نئے نئے خیالات کا پرستار اور اصلاح کے لیئے سرگرم ہے۔ لیکن ان عمدہ دماغی صفات کے ساتھ ساتھ اُس میں عملی حس کی کمی اور انسانی حیات کے ضروری حالات کو تسلیم وقبول نکرنے کا رجحان بھی موجود ہے۔ اور وہ معمولی طریقے پر زندگی بسر کرنے پر قانع نہیں معلوم ہوتا بلکہ تعیش کے ساتھ بسر کرنے کا آرزومند ہے۔ وہ صنف نازک کے حقوق، اور اُن کے فرائض اور اُن کی "محکومیت" کے متعلق عجیب اور مبالغہ آمیز بلکہ بے سروپا خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ مزدوروں کو ہمت دلاتا ہے کہ بحیثیت ایک جماعت کے اپنی ابدی غلامی اور اُجرت پر گزارہ کرنے کے طریق کے خلاف سخت ترین احتجاج کریں۔ مگر اس بات کا کوئی اطمینان بخش ثبوت نہیں پیش کرتا کہ اس صورت حالات میں تبدیلی کی صلاحیت ہے اور نہ یہ بتاتا ہے کہ یہ صورت حال اگر قانونی اور اخلاقی ذرائع سے اس کا انضباط کیا جائے، تو مزدوروں کی حقیقی خوشحالی کے منافی ہے۔ وہ مزدوری پیشہ جماعت 150
کی "آزادی" پر (جو بقول اُس کے اُس کے لوازم میں سے ہے) اس طرح زور دیتا ہے جس سے یہ حقیقت کہ صاحبان دولت وثروت کو فطری طور پر حکومت بھی ودیعت کی جاتی ہے اور ان کا فریضہ ہے کہ اس کو عامۃ الناس اور خصوصاً غیر مستطیع طبقے کے مفاد کی غرض سے کام میں لائیں اگر مسترد نہیں ہوتی تو کم از کم موہوم ہو جاتی ہے اور وہ بعض سطحی اور

خیالی تجاویز کو نہایت نا واجب اہمیت کے ساتھ پیش کرتا ہے مثلاً
یہ کہ اختیارات توریث کو محدود کیا جائے اور غیر مکتسب لگان کو
بحق سرکار ضبط کر لیا جائے۔
معاشی طرز تحقیق کے بارے میں بھی اُس نے اپنا استدلال
بدل دیا، پھر بھی آخر تک غیر معین اور متزلزل رہتا ہے۔ اُس نے
اپنے ابتدائی مضامین میں سے پانچویں مضمون میں یہ امر منوانے کی
کوشش کی تھی کہ علوم عمرانی میں تحقیقات کا واحد طریق الہٰی یا اولی طریق ہے
اور یہ کہ ان علوم میں اِنی یا غیر اولی طریق بیکار اور بے اثر ہوتا ہے اور
اُس کے ذریعے سے کوئی مفید حقیقت قابل لحاظ مقدار میں دریافت
نہیں ہو سکتی۔ جب اُس نے ایک کتاب "منطق[1]" تصنیف کی
تو اُس نے کونت سے یہ سیکھا کہ علوم عمرانی میں تحقیق کا واحد طریق
اِنی یا "غیر اولی" طریق ہے (وہ اس طریق کو معکوس استخراج کہتا ہے)۔
اور محض اس اعتراف ہی سے اُس کا مذکورۂ بالا مضمون بالکل ناکارہ
اور متروک ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اپنی اوائل زندگی کے الہٰی یا اولی طریقے
سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا اور معاشی تحقیقات کو دو حصوں
میں تقسیم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ ان میں سے ایک
میں بالضرور اس طریق کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات وہ
یہ لکھتا ہے کہ معاشیات، عمرانی علوم کا ایک شعبہ ہے اگرچہ دوسری
طرف اُس کی باقاعدہ اُصولی تصنیف کے عنوان سے یہ شبہہ پیدا
ہوتا ہے کہ معاشیات کو فلسفۂ عمرانیات سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے
اور معاشیات سے عمرانیات کے مطالعے کی ابتدا نہیں ہوتی۔ اسطرح
منطقی اور اُصولی پہلو پر وہ دو متضاد خیالات کے مابین قائم رہتا
ہے۔ پھر بھی اُس کے تذبذب، شبہات اور تردیدات کے باوجود

[1] "Logic"

جہاں تک طریق کا تعلق ہے وہ قدیم مسلک کا ہی رکن رہا اور نئے یا تاریخی مسلک میں داخل نہیں ہوا جس پر مستقبل کا دار و مدار ہے۔

جے۔ ای۔ کیرنس 151

مل کے شاگرد رشید جان ایلیٹ کیرنس (۱۸۲۴ء۔ ۱۸۷۵ء) نے بھی معاشی طریق کے سوال پر بحث کی اور اس پر ایک جداگانہ کتاب[1] تصنیف کی۔ پروفیسر واگر کا قول ہے کہ کیرنس نے جس طریق کی وکالت کی تھی وہ مل کے پیش کردہ طریق سے مختلف ہے اور جرمنی کے تاریخی مسلک کے طریق کا مثنیٰ نہیں تو اس سے مماثلت ضرور رکھتا ہے۔ لیکن یہ یقیناً ایک غلط بیان ہے۔ بظاہر اگرچہ کیرنس کے خیالات میں بعض اوقات تذبذب پایا جاتا ہے لیکن وہ استخراجی طریقے کا نہایت سرگرم وکیل ہے۔ وہ صاف طور پر لکھتا ہے کہ معاشیات میں استقرائی طریق کے لئے قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ کہتا ہے کہ "ایک عالم معاشیات کو اپنی تحقیق کا کام شروع کرنے سے قبل ہی ان اسباب و علل کا علم ہوتا ہے جو قرنوں کی دقت طلب تلاش کے بعد عالم طبیعیات کو معلوم ہوئے ہیں۔" سینیر نے تمام معاشی حقائق کو چار ابتدائی اصول سے اخذ کرنے کا دعویٰ کیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کیرنس اُس کے نقطۂ نظر سے آگے بظاہر قدم نہیں بڑھاتا۔ گو مل اپنی کتاب "منطق" میں یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ معاشی قوانین کو ثابت کرنے کا لازمی طریقہ تصدیق ہے۔ لیکن کیرنس یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ "چونکہ معاشی قوانین مظاہر کی نوعیت اور اُن کے تسلسل کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں ہوتے (اگرچہ علم میں قانون کی اس سے زیادہ کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟) اس لئے اُن کو اعداد و شمار کے ذریعے سے یا واقعاتی شہادت کے ذریعے سے صحیح یا غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا۔" ایک اصول جو

---

[1] Logical method of P. Economy (1857)

مظاہر کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا مظاہر کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اس میں شبہہ نہیں ہو سکتا کہ کتاب نہایت قابلیت سے لکھی گئی لیکن بعض اعتبارات سے وہ معاشی طریق میں ترقی معکوس کو ظاہر کرتی ہے اور آئندہ کے لیئے یہ کتاب محض تاریخی حیثیت سے دلچسپ ہو سکتی ہے۔

اس طرح سے نظر ڈالی جائے تو مل اور کیرنس نے طریق کے متعلق جو خدمات انجام دیئے، اگرچہ وہ حقیقت میں غیر صحیح تھے، اُن کا اثر سلبی حیثیت سے بہت بڑا پڑا۔ انھوں نے معاشیات کی قدیمی حالت کو بالکل متغیر کر دیا اور اُس کے مبالغہ آمیز دعووں میں دو قسم کے ترمیمات کیئے اور یہ دونوں عام طور سے صحیح تسلیم کیئے جاتے ہیں۔

152 (۱) پہلی ترمیم یہ کہ اگرچہ ریکارڈو کو اس میں ہرگز شبہہ نہ تھا کہ وہ اپنے مباحث میں حقیقی انسانوں اور اُن کے روزمرہ کے حالات سے بحث کر رہا ہے، لگر مل اور کیرنس نے یہ ثابت کیا کہ ریکارڈو نے علم کا جو تصور قائم کیا تھا وہ لازماً ایک مفروضی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اسمیں جو نتائج اخذ کیئے گئے ہیں وہ غیر حقیقی اور فرضی ہیں یا کم از کم ایسے مفروضات ہیں جن میں طرفدارانہ انداز اختیار کیا گیا ہے مثلاً سب سے اہم نام نہاد "معاشی انسان" کے وجود کا مفروضہ ہے جس میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ معاشی انسان کے دل میں دو قسم کے خواہشات موجزن ہوتے ہیں۔ ایک تو اکتساب دولت کی خواہش اور دوسرے محنت کی تکان سے بچنے کا خیال۔ اس تصور کے لحاظ سے جو مقدمات قائم کیئے گئے ہیں اُن کے نتائج صرف اسی حد تک قابل اعتبار ہو سکتے ہیں جس حد تک وہ حقیقی واقعات کے مطابق ہیں۔ معاشیات کے علم پر اس طرح نظر ڈالنے کے خلاف سینیر نے اس بنا پر احتجاج کیا تھا کہ بقول اُس کے اس سے اُس کی حقیقی معاشری تاثیر میں کمی ہو جاتی تھی اگرچہ اُس کا یہ احتجاج سودمند ثابت نہ ہوا۔ لگر ٹارنس نے

جو پہلے ہی ریکارڈو کے اُصول کی مخالفت کرچکا تھا مِل کے پیش کردہ نئے اُصول معاشیات کو بے انتہا پسند کیا کیونکہ اُن کی مدد سے وہ ریکارڈو کے نظریوں کے محاسن و اسقام بخوبی جانچ سکتا تھا اور اُن میں امتیاز پیدا کرسکتا تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ اکثر یہ کہا جاتا تھا کہ علم المعیشت کے دوش بدوش فن معیشت بھی موجود ہے۔ یعنی یہ کہ اوّل الذکر معاشی مظاہر کے متعلق قوانین کی تحقیق کرتا ہے اور موخر الذکر صحیح معاشی عمل کی ہدایت کرتا ہے اور اکثر اشخاص نے یہ فرض کرلیا تھا کہ اگر علم تیار ہوگیا تو فن کی تخلیق و تکوین کوئی دشوار کام نہیں، یعنی محض نظریوں کو مشوروں اور قواعد کی صورت میں بدل دینے سے فن مرتب ہو جائے گا۔ لیکن مِل اور کیرنس نے اس کو واضح کردیا کہ یہ بیان تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہ جسطرح صرف ایک ہی شعبۂ علم سے چند قوانین اخذ کرکے زندگی کو اُن کا پابند نہیں بنایا جا سکتا اسی طرح معاشی عمل کو بھی اُن کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔ اور یہ کہ معاشیات کے مطالعے سے بلا شبہہ بہت سے خیالات ملتے ہیں لیکن محض معاشیات کو عمل کی ہدایت کا واحد ذریعہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے لیئے انسانی معاملات پر بہت زیادہ وسیع نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس معاملے کی بہترین تشریح کونت کے تقسیم علوم (یا علوم کی درجہ بدرجہ تقسیم) کے حوالے سے ہو سکتی ہے۔ سب سے آسان علم یعنی ریاضیات سے شروع کرکے ہم بتدریج ہیئت، طبیعات، کیمیا، حیاتیات اور اس کے بعد پھر عمرانیات کی طرف بڑھتے ہیں۔ اس سلسلے کے ساتھ آگے قدم بڑھائیے تو ان علوم میں وہ سب قوانین معلوم ہوں گے جو غیر نامیاتی اور نامیاتی عالم میں اور اجتماع انسانی کے مظاہر سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد ایک اور منزل باقی رہ جاتی ہے جس کو اخلاقیات کہتے ہیں اور اسی مقام پر نظریئے اور عمل کے شعبے باہم ملتے ہیں۔ کیونکہ عمل کے ہر عنصر پر باعتبار عام مفاد کے

نظر ڈالنی پڑتی ہے۔ آخری ترکیب میں تمام سابقہ تحلیلات کو یہ معلوم
کرنے کی غرض سے بطور آلات استعمال کرنا پڑتا ہے کہ اشیاء اور
153 انسانوں کی ہر حقیقی صفت کو انسانی فلاح و بہبود کے لیئے کس طرح کام
میں لایا جاسکتا ہے۔

کیرنس کی اہم ترین معاشی تصنیف اُس کی آخری کتاب ہے۔[1]
اس کتاب کے مکمل علمی تصنیف ہونے کا دعویٰ تو نہیں کیا گیا
ہے مگر اس میں سابقہ مصنفین کے معاشی اصول کے تشریحات
کی تنقید و ترمیم کی گئی ہے اور ان حدود پر تفصیلی نظر ڈالی گئی ہے جن کے
اندر ان اُصول کو سمجھنا چاہیئے اور ان کے مستثنیات بھی پیش
کیئے گئے ہیں جو خاص خاص حالات میں رونما ہوتے ہیں۔ اگرچہ
اس تصنیف سے مصنف کی اعلیٰ قابلیت کا بیّن ثبوت ملتا ہے
لیکن اس سے وہ چیز بھی ظاہر ہوتی ہے جسے بجا طور پر کیرنس کی دماغی
کمزوری کہا گیا ہے۔ یعنی اس میں ذہنی ہمدردی کی بھی کمی ہے۔ اسی
کا نتیجہ ہے کہ وہ اکثر حقیقت کے ایک پہلو سے زیادہ پر نظر نہیں
ڈال سکتا۔

کتاب کے تین حصّے ہیں جن میں علی الترتیب (۱) قدر
(۲) محنت و اصل اور (۳) بین الاقوامی تجارت کی بحث ہے۔
پہلے حصّے میں لفظ قدر کی تشریح اور اُس کے بعد جیونس کے اس
خیال کی تردید کی گئی ہے کہ "کسی شئے کی قدر مبادلہ کا انحصار کلیتہً اسکے
افادے پر ہے" جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غالباً
جیونس کے مفہوم کو نہیں سمجھا۔ جس طرح قبل ازیں مِل نے ثابت
کیا تھا کیرنس بھی مسئلۂ رسد و طلب کے بارے میں یہ بتاتا ہے کہ

---

[1] Some Leading Principles of Political Economy newly expounded, 1874

رسد وطلب بحیثیت مجموعی ایک دوسرے سے علیحدہ اور آزاد نہیں ہیں بلکہ آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کا تابع ہے۔ یعنی اشیا کے ادل بدل کے طریق کے تحت یہ دونوں چیزیں ایک ہی ہیں اور نظام زر میں یہ دو جدا گانہ حیثیتیں اختیار کرسکتی ہیں خاص خاص اشیاء کے بارے میں جب رسد وطلب کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے یہ مفہوم لینا ضروری ہے کہ ایک مقررہ قیمت پر رسد وطلب کا توازن ہوتا ہے اور اس طرح بازاری قیمت اور معمولی قیمت سے ہم متعارف ہوتے ہیں (اور موخر الذکر قیمت کو وہ ٹیرلوٹیز کی تقلید میں اسمتھ کی اصطلاح کے مطابق قدرتی قیمت سے موسوم کرتا ہے) اور پھر معمولی قیمت سے مصارف پیدائش کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور اس مقام پر وہ مل اور دیگر مصنفین کے برعکس اس امر سے انکار کرتا ہے کہ "منافع اور اجرت مصارف پیدائش میں شامل ہیں" بالفاظ دیگر وہ اس چیز کو تسلیم کرانا چاہتا ہے جس کو سینیر نے (جس کا وہ اس مقام پر نام نہیں لیتا) اس سے قبل پیش کیا تھا' اگرچہ سینیر نے اصطلاحات اسی قسم کی پابندی کے ساتھ استعمال نہیں کئے تھے کہ "مصارف پیدائش مجموعہ ہے محنت واجتناب کا جو پیدائش کے لئے ضروری ہو۔ اور اجرت ومنافع مصارف پیدائش کا عنصر نہیں ہیں بلکہ ایثار کا معاوضہ ہیں" لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقدار محنت کے ساتھ انتظارکشی واجتناب کو کس طرح پر جوڑ سکتے ہیں ؟ کیا منافع واجرت کو پیمانۂ مصارف شمار نہ کرنا چاہئے ؟ کیرنس "ایثار" کے تصور پر قائم رہ کر اس دعوے کو جھوٹا کر دکھاتا ہے کہ "انگریزی تجارت کی راہ میں گرانی محنت بہت بڑی رکاوٹ ہے" اس جملے میں "انگریزی تجارت" سے اصل ارباب کا منافع مراد ہے۔

اس مقام پر ہم ایک ایسے اصول سے روشناس ہوتے ہیں جس کی اب سب سے پہلے تشریح ہوئی ہے' اگرچہ مل کی تصنیف میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ سچ پوچھئے تو مل کے ہی

قانون بین الاقوامی قدر کی یہ تشریح و توضیح ہے ۔ تجارت خارجہ میں مصارف پیدائش سے (کیرنس کے مفہوم کے لحاظ سے) قیمتوں کی تنظیم نہیں ہوتی ۔ اس لیئے کہ مصارف پیدائش سے یہ فعل سوائے اس حالت کے جبکہ موثر مقابلہ و مسابقت کا دور دورہ ہو، انجام نہیں پاسکتا، اور موثر مسابقت مختلف ممالک کے درمیان اسوقت موجود نہیں ہے لیکن کیرنس یہ سوال کرتا ہے کہ ملکی صنعتوں میں مسابقت کا وجود کس حد تک پایا جاتا ہے؟ جہاں تک اصل کا تعلق ہے وہ یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ ہر طرف مقابلہ موجود ہے ۔ ہماری رائے میں اس کا یہ جواب محتاج تشریح ہے کیونکہ اصل دائر کے علاوہ بہت سا حصہ اصل قائم کا بھی ہے جو عملاً قابل انتقال نہیں ہے ۔ لیکن مزدوروں میں جو ضروری مقابلہ ہوتا ہے وہ صرف چند معاشری اور صنعتی طبقوں سے مخصوص ہے ۔ صنعتی طبقوں کی گروہ درگروہ تقسیم کی جاسکتی ہے اور یہ گروہ مقابلے سے عملاً ناآشنا ہوتے ہیں اور ان میں کے وہ زائد مزدور جو کام کرنے پر آمادہ ہوں وہ بھی عدم مہارت کی وجہ سے اعلیٰ پیشوں میں کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے[1] ۔ چنانچہ یہ قانون کہ مصارف پیدائش کی بنا پر قیمت متعین ہوتی ہے نہ صرف داخلی تجارت میں بلکہ خارجی تجارت میں بھی مطلق اور عام طریقے سے

[1] علمائے معاشیات عام طور سے یہ فرض کرنے کے خوگر ہیں کہ کسی ملک میں (اس کے معاشی مفہوم کے لحاظ سے) شرح منافع اور شرح اُجرت کی سطح بہتے پانی کی طرح یکساں رہتی ہے جس میں عارضی اثرات کی وجہ سے مسلسل خلل واقع ہوتا رہتا ہے اور جو ہمیشہ اپنی معمولی سطح پر عود کرتی رہتی ہے ۔ لیکن ہمیں ان مختلف ملکوں میں جو شرحیں ہوتی ہیں اُن کی تمثیل ایسے مخزن ہائے آب سے دینی چاہیئے جو ایکدوسرے سے تعلق نہیں رکھتے اور جنکی سطحیں ہمیشہ مختلف گو تغیر پذیر ہوتا ہیں ۔ اور موخر الذکر مثال ایسی شرحوں پر بھی (کم از کم شرح اجرت پر) صادق آتی ہے جو کسی ایک قوم کے مختلف معاشی گروہوں میں رائج ہوں ۔

بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح یہ قانون تجارت خارجہ یا بین الاقوام تجارت
کے بارے میں عام طور سے صادق نہیں آتا اسی طرح داخلی تجارت
کے بارے میں بھی مقابلہ نہ کرنے والے گروہوں کی حد تک صادق
نہیں آتا۔ ان کے لیے جو قانون صادق آتا ہے وہ اسی طرح کا قانون
ہے جو بین الاقوام قدر کی تنظیم کرتا ہے اور جس کو باہمی طلب کی مساوات 155
کہا جا سکتا ہے۔ ان گروہوں کی پیداواروں میں اضافی قیمتوں کی ایسی
حالت خود بخود قائم ہو جائے گی جو ہر گروہ کی پیداوار کے اس جزو کی قیمت
کو جو دوسرے تمام گروہوں کی پیداوار کے خریدنے میں صرف ہو
اس قابل بنا دیگی کہ وہ جزو اُس گروہ کے ذمے کے واجب الادا رقوم
کو ادا کر سکے۔ گروہوں کی باہمی طلب قیمتوں کی "اوسط اضافی سطح" کو ہر
گروہ میں متعین کرتی ہے اور اس کے برعکس ہر گروہ کی انفرادی پیداواروں
کی قیمت مصارف پیدائش کی بنا پر متعین ہوتی ہے۔ غالباً یہ نظریہ
کوئی زیادہ عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ لیکن پوری تحقیق کا رجحان یہ
ہے کہ مصارف پیدائش کی اہمیت کو گھٹایا جائے اور یہ ثابت
کیا جائے کہ معمولی قیمت مصارف پیدائش کی بنا پر منتظم نہیں ہوتی۔
اور اس طرح اس کا رجحان یہ ثابت کرنا ہے کہ معاشیات کے ایک
اور مسلمہ نظریئے کی تشریح بہت زیادہ قطعی اور شدید طریقے پر کی گئی تھی۔
مل نے بازاری قیمت کی تعریف یہ کی تھی:۔ "وہ قیمت جو رسد و طلب
میں مساوات پیدا کرے" مگر کیرنس یہ تعریف کرتا ہے:۔ "وہ قیمت
جو سب سے زیادہ فائدے کے ساتھ موجودہ رسد کو موجودہ طلب
کے ساتھ اُس وقت تک متوازن رکھے جب تک کہ پیدائش کے ذریعے
سے تازہ رسد مہیا ہو۔

اُس نے اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں اُس چیز کی تائید
کی ہے جس کو اُصول اجرت فنڈ کہا جاتا ہے اور جس پر ہم سینیر کی تنقید
کے سلسلے میں بحث کر چکے ہیں۔ تھارن ٹن کے استدلال کی بنا پر

مل تو قائل ہو گیا تھا کہ یہ مسئلہ غلط ہے اور اسی لیئے اس کی بحث کو اُسنے ترک کر دیا تھا۔ لیکن کیرنس اپنے اُستاد کی تقلید سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مل کو اس طرح قائل نہ ہونا چاہیئے تھا۔ لونگ نے "اوسط شرحِ اجرت" کی اصطلاح پر جو نکتہ چینی کی تھی، کیرنس اُس کا مغالطہ آمیز جواب دیتے ہوئے اُصول زیر بحث کی تائید کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ قوم کی دولت کا وہ حصہ
156 جو کسی وقت ادائی اجرت کے لیئے وقف ہو قوم کے مشترکہ اصل کی مقدار سے ایک معین تعلق رکھتا ہے بشرطیکہ قومی صنعتوں کی نوعیت اور طریقہ ہائے پیدائش کی حالت یکساں رہے۔ اگر مشترکہ اصل مقررہ ہو تو اجرت فنڈ کی مقدار بھی مقررہ ہوگی۔ اس مسئلے پر اپنے خیالات کی تشریح کرتے ہوئے وہ اس اُصول پر (جو بڑی حد تک صحیح ہے مگر مل نے اس کو بہت زیادہ قطعی شکل میں پیش کیا تھا) زور دیتا ہے کہ "اشیاء کی مانگ محنت کی مانگ نہیں ہے"۔ اس مقام پر اسکی تحقیق کا مزید حال دریافت کرنا فضول ہے کیونکہ اس کے استدلال سے اُس کے متاخرین بجز فاسٹ کے مطمئن نہیں ہیں اور مسئلۂ اجرت پر آجکل بغیر فرضی معینہ اجرت فنڈ کے حوالے کے عام طور پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کے بعد کیرنس اجرت کے تعلق سے انجمن اتحاد مزدوراں کے طریق پر بحث کرتا ہے اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ یہ تحریک اتحاد صرف ایک طریقے سے شرحِ اُجرت کو متاثر کر سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ شرحِ اجرت میں جو اضافہ اس اتحاد کے بغیر بھی ممکن ہے وہ اتحاد اس اضافے کی رفتار کو زیادہ تیز کر دے۔ وہ اس موقع پر مسٹر براسی کے (جواب لارڈ ہیں) مفروضہ قانون کی کہ دُنیا کے ہر حصے میں مزدوروں کے مصارف یکساں ہیں تردید کرتا ہے پھر وہ مزدوروں کے مادی توقعات پر نظر ڈالتا ہے اور اس سوال کو جانچتا ہے کہ جس فنڈ سے اجتناب اور محنت کے معاوضے کا تادیہ ہوتا ہے

اس کی مقدار اور تقسیم میں کن تغیرات کی توقع ہو سکتی ہے۔ وہ یہاں یہ اُصول پیش کرتا ہے (جس کو بہرکیف اس سے قبل ریکارڈو اور سینیر نے پیش کیا تھا) کہ صنعت کی پیدا آوری کے اضافے سے نہ تو منافع پر اثر پڑ سکتا ہے اور نہ اجرت پر تاوقتیکہ پیدا آوری کی یہ ترقی مزدور کے صرف میں آنے والے اشیاء کو ارزاں نہ کرے اور چونکہ یہ بیشتر ایسے اشیاء ہوتے ہیں جن میں واحد عنصر یا بڑا عنصر پیداوار خام ہوتے ہیں اس لیئے اُن کے مصارف پیدائش میں باوجود علم و فن کی ترقیات کے اُس وقت تک اضافہ ہوتا رہے گا جب تک کہ مزدوروں کی آبادی کو بڑھنے سے نہ روکا جائے۔ اسی لئے اگر بیچارہ مزدور اپنے ہی پیشے پر قناعت کرے تو اُس کی حالت کی اصلاح کا امکان بہت کم اور محدود گنجائش رکھتا ہے۔ اُس کی حالت کی حقیقی اور مستقل اصلاح کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے پیشے پر اکتفا کرنا ترک کردے یعنی مطلب یہ ہے کہ اجرت فنڈ میں منافع کو بھی شریک کیا جائے کیونکہ صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ اجرت فنڈ میں بمقابلہ ملک کے مجموعی اصل کے کمی ہونے کا رجحان ہے۔ چنانچہ کیرنس نظری 157
پہلو پر قائم نہ رہ کر (جس کے متعلق ایک مقام پر خود اُسی کا یہ قول ہے کہ معاشی کے لیئے نظری طریق پر قائم رہنے کا طریقہ ہی مناسب ہے) نام نہاد اتحاد باہمی کے طریقے کو رواج دینے کی سفارش کرتا ہے (یعنی مطلب یہ کہ بڑے بڑے اصلداروں کا خاتمہ کردیا جائے) کہ یہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے مزدور لوگ مستقبل کے آلام و مصائب سے نجات پائیں گے" اور ایجابئین نے مسئلے کو اس طرح پر حل کرنے کی جو مخالفت کی تھی کیرنس اُس کو کسی قدر حقارت کے ساتھ نظرانداز کرتا ہے۔ ایجابئین پر کیا موقوف ہے ان کے علاوہ اکثر اشخاص مثلاً انزلی اور سائیف - اے - واکر اس تجویز کو خیالی اور ناقابل عمل تصور کرتے ہیں۔

کتاب کا تیسرا حصہ بیشتر ریکارڈو کے اُصول "بین الاقوامی تجارت کے شرائط" اور مل کے نظریۂ "بین الاقوامی قدر" کی تشریح پر مشتمل ہے۔ کیرنس پہلے اُصول میں یہ ترمیم کرتا ہے کہ داخلی اشیاء کی قیمتوں کی تنظیم پر مصارف پیدائش کی بجائے باہمی طلب کا ایک حد تک اثر پڑتا ہے اور اسی سلسلے میں ملک کی اجرت اور اُس کی تجارت خارجہ کی نوعیت و وسعت میں جو تعلق ہے اُس پر ایک دلچسپ بحث کرتا ہے۔ مل کا نظریہ یہ تھا کہ ایک ملک کی پیداوار کا دوسرے ملک کی پیداوار سے ایسی قیمت پر مبادلہ ہوتا ہے کہ ایک ملک کے اشیائے برآمد سے جو قیمت وصول ہو وہ اشیائے درآمد کی قیمت واجبی طور پر ادا کر سکتی ہے۔ اس آخری جملے کو بدل کر کیرنس یہ شرط لگاتا ہے کہ ہر ملک کو چاہیئے کہ اپنے اشیائے برآمد کے ذریعے سے اپنے ذمے کے خارجی مطالبات کی ادائی کر دے۔ بہ الفاظ دیگر وہ "توازن قرضہ جات" کے تصور کا اضافہ کرتا ہے۔ یہ کوئی جدید تصور نہ تھا۔ جان لزلی فاسٹر نے اس سے بہت عرصے قبل ۱۸۰۴ء میں یہی تصور پیش کیا تھا[1]، اور خود مل نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مگر کیرنس نے اس کی نہایت خوبی سے تشریح کی ہے اور یہ تشریح اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے کہ اس سے عام غلط فہمیاں بالکل رفع ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات بے بنیاد خوف و ہراس بھی دور ہو جاتا ہے[2]۔

کیرنس اس کے بعد آزاد تجارت کے سوال پر غور کرتا اور تائین کے وکیل جن دلائل کو بار بار پیش کرتے ہیں اُن میں سے بعض کی اور

[1] دیکھو Essay on the principle of Commercial Exchanges

[2] اس کل بحث کے بارے میں دیکھو پروفیسر سی، یف، بیسٹبل کی کتاب Theory of International Trade, 1887

بالخصوص امریکہ والوں کے اس دعوے کی تردید کرتا ہے کہ امریکہ کے
اعلیٰ اجرت پانے والے مزدور یورپ کے نادار مزدوروں کا مقابلہ
نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ اس "سیاسی دلیل" کی کامیابی کے ساتھ تردید
نہیں کر سکتا جو اس امر پر مبنی ہے کہ مختلف قومی صنعتوں کو ترقی دینا 158
اعلیٰ تمدّن کے لیئے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اور مل کے اس
اُصول کے جواب میں کہ "تاہم ان ابتدائی صنعتوں کی پرورش کر سکتی
ہے جو مُلک کے لیئے موزوں ہوں، چنانچہ ان کی اس وقت تک
حفاظت کرنی چاہیئے جس وقت تک کہ وہ جڑ پکڑ لیں اور بیرونی مقابلے
کے لیئے تیّار ہو جائیں" وہ اُصول پرست معاشئین کے قابل اعتراض
اور لغو دلائل میں سے ایک دلیل سے کام لیتا ہے۔

ہم نے کیرنس کی اس کتاب کا تفصیلی تبصرہ کیا اور یہ صرف اسی
وجہ سے نہیں کہ اس میں اکثر مسلّمہ معاشی اُصول کو جدید ترین شکل میں پیش
کیا گیا ہے بلکہ یہ ضرورت اس وجہ سے بھی داعی ہوئی کہ یہ کتاب
انگلستان میں قدیم مسلک کی آخری یادگار ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے
کہ آئندہ بھی رہیگی۔ مصنّف نے کتاب کے شروع میں یہ توقّع ظاہر
کی ہے کہ "آدم اسمتھ، مالتھس، ریکارڈو اور مل کی محنت سے جو علمی
عمارت تیّار ہوئی تھی اُس کو یہ تصنیف اور زیادہ مضبوط اور پائدار
کر دے گی۔" اگرچہ ہم اسمتھ کی اعلیٰ قابلیت اور اُس کے متذکرۂ بالا
تینوں متاخرین کے حقیقی خدمات اور قابلیتوں کا اعتراف کرنے
میں کیرنس کے ہمخیال ہیں مگر اُس کے اس خیال سے اتفاق نہیں کر سکتے
کہ ان کی عمارت مستحکم و مستقل ہے۔ ہماری رائے میں ایک نئی عمارت
کی تعمیر کرنے کی ضرورت ہے، جس میں ایک طرف تو بہت سا قدیم
مواد موجود ہو اور دوسری طرف نئے تخیّل سے کام لیا جائے اور بعض
امور میں جداگانہ مقاصد پیش نظر رکھے جائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ
اس کی بنیادیں جدید فلسفے پر قائم کی جائیں۔ اور اُس کے کُل خاکے کا تعلق

عمرانیات کی وسیع عمارت سے ہو جس کا وہ صرف ایک شعبہ رہیگی۔
کیرنس کی کتاب "غلاموں کی محنت[1]" (۱۸۶۲ء) امریکہ کی مشہور خانہ جنگی کے مسئلے پر ایک بیش بہا تصنیف ہے۔

فرانس

اس کے بعد کے تمام یورپین مسلک کے افراد اسمتھ سے لیکر ریکارڈو اور اُن کے حلقہ بگوش معاشئین کے تصانیف پر اپنی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور ان تصانیف کے کچھ حصے کی موافقت کرتے 159 ہیں اور کچھ حصے کی مخالفت کرتے ہیں۔ جرمانی مسلک دوسرے سب مسلکوں سے بڑھ کر اپنی ایک جداگانہ خاص اور اصلی تحریک رکھتا تھا۔ کم از کم آخر زمانے میں جرمانی مسلک نے ایک جدید طریقہ ایجاد کیا اور وہ بعض اہم اور خاص خاص نتائج پر پہنچا۔ اس کے برعکس فرانسیسی مسلک نے (اگر ہم اشتراکئین سے قطع نظر کریں جن سے اس وقت بحث کرنا مقصود نہیں) اکثر وبیشتر علمائے انگلستان کے اصول کو اختیار کر کے اُنھیں کو دوبارہ پیش کیا۔ البتہ ریکارڈو اور اُس کے پیرووں کے اکثر مبالغہ آمیز نظریوں کو نظرانداز کر دیا۔ تشریح کا جہاں تک تعلق ہے اہل فرانس عدیم النظیر ہیں۔ اور اُنھوں نے معاشیات میں کم وبیش اور مشہور اور متعدد باقاعدہ تصانیف، نصاب کی کتابیں اور خلاصے لکھے ہیں جن میں سب سے مشہور رجے۔ بی سے کی تصنیف ہے۔ لیکن ایسے جدت طراز مصنفین کی تعداد زیادہ نہیں ہے جنھوں نے اہم حقائق دریافت کیے ہوں یا طریق معاشیات میں نئی بات پیدا

[1] Slave power 1862

کی ہو یا معاشی مظاہر کو فلسفۂ جدید کی روشنی میں پیش کیا ہو۔ سسمنڈی ڈنویر اور بستیا ہماری توجہ کے مستحق ہوں گے اس لیئے کہ آزاد خیالی وجدت طرازی میں یہ اشخاص، خواہ اُن کے خیالات ہمیشہ کے لیئے محکم ہوں یا نہ ہوں، سب سے پیش پیش ہیں۔ مگر ہم فی الوقت اگست کونت سے قطع نظر کر لیتے ہیں جسکا جدید فلسفہ، عمرانی تحقیقات کے سب شعبوں پر عملاً یا بالقوہ حاوی ہے۔ بستیا کی عرق ریزی کا اندازہ کرنے سے قبل کیری کے خیالات کی تنقید مناسب ہوگی۔ امریکہ کے علمائے معاشیات میں سب سے زیادہ مشہور یہی کیری ہے جس کے خیالات بستیا جیسے ذہین وفصیح شخص کے سب سے آخری تعلیمات سے ایک حد تک نمایاں طور پر ملتے جلتے ہیں۔ اس دور کے فرانسیسی مصنفین کی صف میں کورنو کو بھی جگہ ملنی چاہیئے جو معاشیات میں ریاضی طریق کے تصور کا سب سے بڑا نمائندہ تھا۔

ژین بیپ تست سے (۱۷۶۷ء۔۱۸۳۲ء) کے متعلق ریکارڈو لکھتا ہے کہ "وہ اُن یوروپین مصنفین میں سب سے اول یا صف اول میں سے ایک ہے جس نے اسمتھ کے اُصول کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کا صحیح استعمال کیا اور اُس نے اس مفید ودانشمندانہ نظام کی اقوام یورپ سے سفارش کرنے میں جتنی کوشش کی اس قدر جملہ مصنفین یورپ نے بھی متحدہ طور پر نہیں کی"۔ کلاویر جو بعد میں وزارت کے رتبے پر ممتاز ہوا اور اُس وقت انجمن بیمہ کا ناظم تھا اپنے محکمے
کے اہلکار جے بی۔ سے کو "دولت اقوام" انگریزی زبان میں مطالعہ 160
کرنے کے لیئے دی۔ چنانچہ کتاب کے مطالعے نے، سے کو بیحد متاثر کیا۔ ایک عرصۂ دراز کے بعد ڈو پون دی نیمور نے جب سے سے شکایت کی کہ وہ فطرائینوں کے حق میں ناانصافی کر رہا ہے حالانکہ وہ (یعنی سے) اسمتھ کے تعلق سے کوئینے کا نبیرۂ روحانی اور ترگو کا برادر زادہ ہوتا تھا تو سے نے یہ جواب دیا کہ "تجارئین کی تصانیف نے

Cournot

مجھے پڑھنا سکھایا اور گوئٹے اور اُس کے پیرووں کے تحریرات نے مجھ میں غور و فکر کا مادہ پیدا کیا مگر اسمتھ کی کتاب کے مطالعے سے میں نے عمرانی مظاہر کے اسباب و نتائج کو نوعیت اشیاء میں تلاش کرنا سیکھا اور یہ معلوم کیا کہ یہ تلاش دقیق تحلیل ہی سے کامیاب ہو سکتی ہے۔ اُس کی کتاب[1] (۱۸۰۳ء) لازمی طور پر اسمتھ کی تصنیف پر مبنی تھی لیکن سے کا مقصد یہ تھا کہ مواد کو اس سے زیادہ محکم استدلال اور زیادہ سبق آموز طریقے سے منتظم کرے۔ اگرچہ اس کی سلاست بعض اوقات بگڑ کر سطحی اور بناوٹی ہو جاتی ہے، لیکن سلاست اور روانی کے ساتھ بیان کرنے کا فرانسیسی کمال اس میں عام طور پر موجود تھا اور اسی لئے اُس کی کتاب مقبول عام ہوئی۔ اصلی زبان میں اور تراجم کے ذریعے سے اس کی وسیع اشاعت ہوئی اور اس طرح مہذب دُنیا میں اسمتھ کے اُصول بہت جلد پھیل گئے۔ بقول روشر عام زندگی کے متعلق سے اور اسمتھ کا مبلغ علم مساوی تھا۔ مگر جہاں تک سیاسیات کے عام اور وسیع معلومات کا تعلق ہے، سے، اسمتھ سے بہت پیچھے ہے اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ تاریخی و فلسفی تشریحات کو ترک کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ سے کے بیان میں عمق نہیں ہوتا مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ "جو محصول مقدار میں اقل ترین ہو وہی بہترین محصول ہے"۔ وہ معاشیات میں بظاہر اصلی محقق و مفکر کے رتبے کا کوئی بڑا دعویدار نہیں معلوم ہوتا۔ ریکارڈو اس کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس نے اس علم میں اصلی صحیح اور سنجیدہ مباحث کا اضافہ کیا"۔ ان الفاظ کو لکھتے وقت اس کے ذہن میں وہی بات تھی جسے کسی قدر مبالغے کے ساتھ اور مدعیانہ طور پر سے کا "نظریۂ برآمد" کہا جاتا ہے جس کے سلسلے میں سے نے عالمگیر افراط رسد کے امکان کا ابطال کیا ہے۔ اس نظریے کا

---

[1] Traite d' Economie Politique (1803)

لبِّ لباب محض یہ ہے کہ خریدنے کا فعل بھی فروخت ہے اور یہ کہ پیدائش کرکے یا اشیاء تیار کرکے ہم دوسروں کے اشیاء خریدنے کے قابل ہوتے ہیں۔ متعدد مشہور علمائے معاشیات خصوصاً مالتھس اور سسمنڈی نے تجارتی آفتوں کے مظاہر کا غلط مفہوم سمجھ کر یہ رائے قائم کی کہ بہ نسبت طلب کے سب اشیاء کی رسد کی زیادتی ممکن ہے۔ اس کی سے واجبی طور پر مخالفت کرتا ہے۔ یہ تسلیم کرنا بلاشبہہ ضروری ہے کہ ممکن ہے کہ پیدائش کا کوئی خاص شعبہ بازار کی موجودہ مانگ سے زائد ہو۔ لیکن اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ رسد طلب ہے اور اشیاء قوت خرید ہیں تو ہم رسد کی عام کثرت کے امکان کے اصول کو اس بات کے ماننے بغیر تسلیم نہیں کرسکتے کہ ہمیں ہر چیز بہت افراط کے ساتھ مل سکتی ہے۔ یعنی یہ کہ "جملہ انسانوں کو جن اشیاء کی خواہش ہو وہ سب اتنی افراط کے ساتھ مہیا کی جاسکتی ہیں کہ ایک دوسرے کے زوائد کی خرید و فروخت کی گنجائش باقی نہ رہے"۔ پھر بھی ان مباحث پر یا دوسرے مباحث پر اصلی خیالات کا اظہار کرکے سے نے خواہ کچھ بھی خدمات انجام دیئے ہوں لیکن اتنا یقینی ہے کہ اُس نے علم کی نہایت قابلیت سے اشاعت کی اور اُس کو عام فہم بنا دیا۔ 161

شاہی محکمۂ کوتوالی نے اُس کی تصنیف کی دوبارہ طباعت کی اس شرط سے اجازت دی کہ اُس میں چند تبدیلیاں کی جائیں، مگر سے نے نہایت عالی ہمتی اور آزادی کے ساتھ تبدیلی کرنے سے انکار کردیا اور اسی لیئے یہ ۱۸۱۴ء تک شائع نہ ہوسکی۔ مصنف کی زندگی میں یہ کتاب اور تین مرتبہ شائع ہوئی (۱۸۱۷ء، ۱۸۱۹ء، ۱۸۲۶ء)۔ ۱۸۲۸ء میں سے نے ایک دوسرا رسالہ[1] شائع کیا، یہ اُس کے ان تمام

[1] Cours Complet d' Economie Politique pratique

تقاریر کا خلاصہ تھا جو اُس نے عجائب خانۂ صنعت و فنون[۱] اور فرانس کالج[۲] میں کئے تھے۔ اُس نے اگرچہ اپنی پہلی تصنیف میں خالص معاشیات کے محدود دائرے کے اندر بحث کی تھی مگر بعد کی تصنیف میں خاصکر ایسے امور کا اضافہ کرکے جو عمرانی آئین اور رسم و رواج کے معاشی اثر سے متعلق تھے مباحث کے دائرے کو وسیع کر دیا۔

چارلس سسمنڈی

جان چارلس ییل سمنڈی دی سسمنڈی (۱۷۷۳ء - ۱۸۴۲ء) ایک کتاب[۳] کا مصنّف معاشیات کے رائج الوقت اُصول کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور اُس کا یہ احتجاج انسانی ہمدردی کے جذبے پر مبنی تھا۔ اُس نے پہلے ایک رسالہ[۴] جس میں آدم اسمتھ کے اُصول کی سختی کے ساتھ پیروی کی گئی تھی تصنیف کیا۔ مگر اس کے بعد انھیں اُصول کو غیر مکتفی اور محتاج اصلاح تصوّر کرنے لگا۔ اُس نے ایڈنبرا انسائکلوپیڈیا[۵] میں معاشیات پر ایک مضمون لکھا جس میں جدید خیالات کا اظہار خفیف حد تک کیا اور ان خیالات کو
162 مکمّل طور پر اپنی تصنیف[۶] میں شائع کیا۔ بقول اُسی کے اس کتاب کو علماے معاشیات نے پسند نہیں کیا جس کی وجہ وہ یہ بیان کرتا ہے کہ اُس نے قدیم و متعصّب فرقے پر حملہ کیا تھا اور مذہب و فلسفہ دونوں میں یہ وتیرہ از حد خطرناک ہے۔ اُس کی رائے میں یہ علم باعتبار عام مفہوم کے

۱ھ Conservatoire de Arts et metiers

۲ھ College de France

۳ھ Histoire des Republigres Italiennes du moyen age,

۴ھ De la Richesse Commerciale. (1803)

۵ھ Edinburgh Encyclopaedia

۶ھ Principes d'Economie Politique, ou de la Richesse danses rapports avec la Population 1819; 2nd ed, 1827)

بہت زیادہ معاشی تھا۔ اس میں محض دولت کو بڑھانے کے ذرائع سے بہت آزادی کے ساتھ بحث کی جاتی تھی اور اس امر پر کافی روشنی نہیں ڈالی جاتی تھی کہ عام مرفہ الحالی کے حصول میں اس دولت کو کس طرح صرف کرنا چاہیئے۔ وہ کہتا ہے کہ جو عملی نظام اس علم پر مبنی تھا اس کا رجحان یہی نہیں تھا کہ وہ متموّل کو زیادہ متموّل بنا دیتا ہے بلکہ مفلس کو اور زیادہ مفلس و محتاج بنا دیتا ہے اور وہ اسی لیئے تقسیم دولت کے سوال پر جو خصوصاً موجودہ زمانے کے عمرانی حالات میں اہم ترین سوال ہے بہت زیادہ توجہ صرف کرنا چاہتا ہے۔

چونکہ سسمنڈی خاندانی و نسبی اعتبار سے اطالوی فرانسیسی وسوئیسی (Swiss) تین قوموں سے تعلّق رکھتا تھا اور تواریخ میں اسکو خاصا تبحر حاصل تھا۔ اس لیئے اس کی نظر بھی غیر معمولی طور سے وسیع تھی اور اُس کا دل بنی نوع انسان کے مصائب کی ہمدردی سے بھرا ہوا تھا وہ بمقابلہ کسی دوسرے فرانسیسی عالم معاشیات کے اشتراکیت سے بہت زیادہ قریب ہے۔ مگر یہ قرب محض اعتقاداً اور جذبات کے لحاظ سے ہے نہ کہ ازروئے خیال۔ وہ کوئی اشتراکی تجویز نہیں پیش کرتا' اس کے برعکس ایک خاص مقام پر یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ "اگرچہ جہاں جہاں انصاف کی ضرورت ہے مجھ کو معلوم ہے' مگر یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ عملاً انصاف کی غرض سے میں کسی قسم کے تدابیر پیش کرنے سے قاصر ہوں" وہ جملہ پیداوار کو جملہ عاملین پیدائش میں تقسیم کرنے کے خیال کو مذموم خیال کرتا ہے۔ لیکن اس کی رائے ہے کہ موجودہ نظام املاک جو ہمارے زمانے میں رائج ہے بہترین ہے اور تجربے سے ہم کو جس نظام کا علم ہے اُس سے قطعاً ایک جداگانہ نظام کا تصوّر انسانی قوت سے تقریباً باہر ہے۔ وہ اپنے زمانے کے بڑے بڑے نقائص دیکھ کر اُصول عدم مداخلت کے خلاف بہت شدومد کیساتھ صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور کسی قدر مبہم طریق پر حکومت سے

استعانت کرتا ہے کہ وہ مداخلت کرکے "ترقی دولت کی تنظیم" اپنے ہاتھ میں لے اور قوم کے کمزور افراد کی حفاظت کرے۔

سسمنڈی نے کسی تجویز کے پیش کرنے سے اپنی ناقابلیت کا جو اعتراف کیا ہے اس سے اُس کی شہرت میں کوئی فرق واقع نہ ہوا۔ بلکہ یہ اعتراف ناقابل عمل تجاویز یا قرون وسطیٰ کے قدیم و فرسودہ آئین و رسوم 163
کو از سر نو رائج کرنے کی تجاویز سے کہیں زیادہ شاندار و معقول ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع شروع میں اس کی کتاب کے خلاف اس وجہ سے بدظنی سی پیدا ہو گئی تھی کہ اس میں مصنف کا میلان نظری طور پر اشتراکیت کی جانب تھا (اگرچہ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے یہ میلان عملاً نہ تھا) جس کی تحریک اُس وقت شد و مد کے ساتھ شروع ہو گئی تھی۔ نیز اس وجہ سے بھی یہ کتاب عام قبولیت حاصل نہ کر سکی کہ جدید صنعتی نظام اور خصوصاً انگلستان کے موجودالوقت صنعتی نظام کا اس قدر ناگوار طریقے سے ذکر کیا گیا تھا جس سے نام نہاد "قدیم و مروج مسلک" کے بعض افراد کی طمانیت افزا امیدوں میں خلل واقع ہوتا تھا۔ یہ افراد کتاب کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے چنانچہ بستیا کا اس کے متعلق یہ قول تھا کہ وہ معاشیات کے غلط اُصول کی تلقین کرتی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ علم المعیشت کی کتابوں میں یہ بھی ایک مرتبہ رکھتی تھی اور گزشتہ زمانے کے مقابلے میں اب یہ کتاب بہت زیادہ دلچسپ ہو گئی ہے کیونکہ اس زمانے میں گزشتہ عہد کے برعکس صنعتی زندگی کے نقائص سے نہ تو انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ چشم پوشی، بلکہ جتنے نقائص و اسقام پائے جاتے ہیں یا تو اُن کا استیصال کرنے کا میلان پایا جاتا ہے یا اُن کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اُصول عدم مداخلت بھی اُصولاً مذموم قرار پا چکا اور عملاً بھی ترک کیا جا چکا ہے چنانچہ ہم سسمنڈی کے اس خیال کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں کہ صرف قیام امن و امان کا کام ہی حکومت کا فریضہ نہیں ہے بلکہ اس کا فریضہ یہ بھی ہے

کہ تمدن کی خوبیوں اور جدید ترقیات کے اثرات کو جتنی وسعت کیساتھ ممکن ہو قوم کے تمام طبقوں میں پھیلائے۔ تاہم اس کتاب کو پڑھنے کے بعد دلوں پر جو اثر ہوتا ہے وہ حوصلہ شکن ہے اس لیئے کہ مصنف نے اکثر اُن مذموم نتائج کو جو مصنوعات کی ترقی سے ظاہر ہوتے ہیں اس قسم کی ترقی کا لازمی نتیجہ بتایا ہے۔ وہ متموّل اصلداروں کی جماعت اور صنعت بر پیمانۂ کبیر کی روزافزوں ترقی، مزدور پیشہ جماعت کی تعداد کا اضافہ، جنکی بسر اوقات کا انحصار صرف اُنکی اجرت پر ہے، اور مشینوں کا بڑھتا ہوا رواج اور بڑے بڑے کھیتوں کو جدید آلات کشاورزی کے ذریعے سے جوتنے کا طریق ناپسند کرتا اور مذموم قرار دیتا ہے، مگر بظاہر یہ ناگزیر معلوم ہوتے ہیں۔ اگر مقصد کامل معاشری انقلاب ہے تو یہ دوسری بات ہے باقی اس نظام کو اصولاً تسلیم کرنا یقیناً ضروری ہے۔ لیکن اس کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مظاہر جس نظام کی نمائندگی کرتے ہیں اُس کی اخلاقی اصلاح و تنظیم کس طرح پر کی جائے۔ سسمنڈی کو اُن جرمانی علمائے معاشیات کا پیشرو کہا جا سکتا ہے جو "خیالی اشتراکئین"[1] کے غلط لقب سے مشہور ہیں مگر جن کے تصانیف بہت زیادہ امید افزا اور امنگ بڑھانے والے ہیں۔

وہ مسئلۂ آبادی پر اس لحاظ سے خاص طور پر توجہ کرتا ہے کہ یہ مسئلہ 164
مزدور پیشہ جماعت کی بہبود سے متعلق ہے۔ جہاں تک کاشتکاروں کا تعلق ہے وہ اس نظام کو جس کا اُس نے ابوّتی استحصال[2] نام رکھا ہے، جس میں کاشتکار زمین کا مالک بھی ہوتا ہے اور اس کا خاندان کھیتی باڑی میں اُس کو مدد دیتا ہے، آبادی کے نامناسب اضافے کو روکنے میں سب سے زیادہ موثر خیال کرتا ہے۔ اور اُس میں یہ فرض

۱ـه Socialists of the Chair

۲ـه Patriarchical Exploitation

کرلیتا ہے کہ اصلی ورثہ میں مساوی تقسیم کا قانون بظاہر رائج ہے۔ ایسی صورت میں باپ خوب سمجھتا ہے کہ آئندہ تقسیم کس حد تک ہوگی، اس کو یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کو کتنا کتنا حصّہ ملیگا اور کس نوبت پر خاندان مادی و تمدنی مرتبے سے جو اس کو پہلے حاصل تھا گرجائے گا۔ اگر اس سے زیادہ بچے پیدا ہوں تو وہ شادی نہیں کرتے یا اپنے میں سے ایک فرد کو نسل انسان کی بقا کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ یہی وہ خیال ہے جس کو جے۔ یس۔ مل نے اختیار کر کے ملکی کاشتکاروں کے نظام کو اس قدر شدّ و مد کے ساتھ پیش کیا تھا۔

چارلس ڈنویر (۱۷۸۶ء - ۱۸۶۲ء) کے خیالات بہ نسبت کسی دوسرے فرانسیسی مصنّف کے خیالات کے بہت زیادہ پر مغز و موثر ہیں۔ بادشاہ کی بحالی کے زمانے میں یہ مصنّف اپنی آزادی و دیانت کے باعث عزّت و شہرت رکھتا تھا۔ وہ ایک کتاب[1] کا مصنّف تھا (اس کتاب کی پہلی جلد کا لب لباب ۱۸۲۵ء میں کسی دوسرے نام سے چھپ چکا تھا) اس کو علم المعیشت کی تاریخ میں اس وجہ سے خاص رتبہ حاصل ہے کہ علم کے طریق اور اس کے فلسفے کی بنیادوں کے متعلق اس کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا۔ وہ "طریق" کی بحث کے سلسلے میں شروع ہی میں یہ گُر کی بات بتاتا ہے کہ مشاہدات کے ذریعے سے تحقیقات کرنی اور طریق کی بنیاد عملی تجربہ و مشاہدہ پر رکھنی چاہیئے۔ اس کی طبیعت کا رجحان معاشیات کو وسعت دے کر علم عمرانیات میں شامل کردینے کی طرف ہے اور وہ صاف طور پر معاشیات کی یہ تعریف کرتا ہے کہ اس کے حدود کے اندر وہ تمام نظام اشیاء شامل ہے جو معاشری قوتوں کی ترقی و عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس وسیع شعبے کا نام عمرانیات بہت مناسب ہے اور معاشیات کو اس کا ایک شعبہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن خاص بات

[1] La Librete du Travail 1845

یہ ہے کہ ڈنویر نے جس طریقے سے اس علم سے بحث کی ہے اُس میں وسیع ترین عقلی، اخلاقی اور سیاسی امور کو خالص معاشی خیالات کیساتھ ربط دیا گیا ہے۔ اس کی کتاب کے نام میں "آزادی" کا جو لفظ ہے اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ اس کے معنی محض قانونی قیود اور حکومت کی مداخلت سے آزادی کے ہیں بلکہ وہ اس لفظ سے ہر وہ چیز مراد لیتا ہے جس سے مزدور کی کارگزاری میں اضافہ ہو۔ اس طرح وہ انسانی ترقی کے جملہ اسباب کی بحث پر پہنچتا اور ان کو اُن کے تاریخی اثر کے لحاظ سے بیان کرتا ہے۔ 165

پہلے حصّے میں اس مسئلے سے بحث کرنے کے بعد کہ قوم اور تمدن کے خارجی حالات کا آزادی پر (اس کے وسیع معنوں میں) کیا اثر پڑتا ہے وہ پیدآآور محنت کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک تو وہ جو اشیاء کی تیاری میں صرف ہو اور دوسری وہ جو نوع انسانی کی خدمت میں صرف ہو۔ اور علمائے معاشیات کو مورد الزام قرار دیتا ہے کہ انھوں نے اپنا تعلّق محض اوّل الذکر سے رکھا۔ وہ دوسرے اور تیسرے حصّے میں علی الترتیب الثانی محنت کی ان دونوں قسموں کی کارگزاری کے حالات سے بحث کرتا ہے۔ معاشی زندگی سے اُس کے محدود معنوں میں بحث کرتے ہوئے وہ صنعت کو چار حصّوں میں تقسیم کرتا ہے چنانچہ مل نے بھی ایک حد تک یہی کیا تھا:۔ (۱) استخراجی (۲) نقل وحمل (۳) مصنوعات (۴) زراعت۔ یہ تقسیم طبیعی معاشیات کے لئے مفید ہے لیکن جب وسیع تر عمرانی شعبے پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ذیل کی مسلّمہ تقسیم اس سے زیادہ بہتر اور زیادہ عام معلوم ہوتی ہے یعنی (۱) زراعت (۲) مصنوعات (۳) تجارت۔ اور بنک کا کاروبار ان سب کا مشترک صدر اور منتظم خیال کیا جاتا ہے۔ ڈنویر کے پیش نظر محض وہی محنت ہے جو مادّی اشیا پر صرف ہوتی ہے اس لئے وہ بنک اور تجارت خالص کو مبادلے کی ایک جداگانہ قسم کے تحت